DAMAGE BOOK

UNIVERSAL
LIBRARY
OU_224719
UNIVERSAL
LIBRARY

جلد چہارم

المعلم

نمبر ۵

ع

دے ۱۳۳۷ ف

مدیر ..... محمد سجاد رضا ایم اے (کنٹب)

اعظم اسٹیم پریس چارمینار حیدرآباد
(دکن)

قواعد

(۱) یہ محض تعلیمی رسالہ ہے جس میں تعلیم کے مختلف شعبوں کے متعلق مضامین درج ہوں گے سیاسی مضامین شریک نہ کئے جائیں گے۔

(۲) یہ رسالہ ہر ماہ فصلی کے پہلے ہفتہ میں شایع ہوگا۔

(۳) پرچہ وصول نہ ہو تو ہر ماہ فصلی کی ۲۵ تاریخ تک خریدار صاحبان بحوالہ نمبر خریداری مطلع فرمائیں۔

(۴) جو مضامین ناقابلِ طبع متصور ہونگے اُنکی واپسی خرچہ ڈاک کی روانگی پر خصر ہوگی۔

(۵) اس رسالہ کی قیمت سالانہ (۸ے) مع محصولِ ڈاک ہے جو پیشگی لی جائیگی۔

(۶) نمونہ کا پرچہ چھ آنے کے ٹکٹ وصول ہونے پر ارسال کیا جائیگا۔

(۷) جواب طلب اُمور کیلئے جوابی کارڈ وصول ہونا چاہیئے ورنہ ادائی جواب میں مجبوری رہیگی۔

(۸) اُجرت طبع اشتہارات درج ذیل ہے۔ رقم وصول ہونے پر اشتہارات طبع کئے جائینگے۔

تعداد مدت	صفحہ	نصف صفحہ	ربع صفحہ
ایک بار	عـ ۰	صـ ۸ر	ے ۸ر
سہ بار	۱۰ عـ ۸ر	۷ عـ	۴ عـ ۸ر
ششماہ	۱۸ عـ	۱۰ عـ ۸ر	۶ عـ
سالانہ	۳۲ عـ	۱۸ عـ	۱۰ عـ ۸ر

(۹) جملہ مراسلت و ترسیل رقوم منی آرڈر وغیرہ پتہ ذیل پر ہونی چاہیئے

دفتر رسالہ المعلم۔ بگرامی ہوز بانچہ توپ حیدرآباد

(دکن)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مندرجات المعلم

(۱) صدارت نامہ حیدرآباد ایجوکیشن کانفرنس — عالیجناب نواب ذوالقدر جنگ بہادر ایم۔ اے معتمد عدالت وکوتوالی واُمور عامہ سرکار عالی (۱ تا ۲۰)

(۲) ٹونمارک کے زراعتی حالات۔ — مولوی سید محمد حسین صاحب جعفری بی۔ اے اکسن نائب ناظم تعلیمات سرکار عالی (۲۱ تا ۴۸)

(۳) شذرات — (۴۸)

جلد (۴)	بابتہ دے سنہ ۱۳۳۷ فصلے	نمبر (۵)

صدارت نامہ

عالیجناب نواب ذوالقدر جنگ بہادر

(ایم۔ اے)

معتمد عدالت وکوتوالی، امور عامہ سرکار عالی

بادی النظر میں تصنیف وتالیف اور ملازمت سرکاری میں ایک صندسی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن جو صاحب دماغ عہدہ کی ذمہ داریوں میں جکڑے ہوئے ہوتے ہیں

وہ علم کے پیاسے ہی رہتے ہیں اور اپنی دوسری مصروفیتوں کے باوجود اپنے ابنائے وطن کو اپنے مطالعہ اپنے مشاہدے اور اپنے تجربے سے مستفید کرنے کیلئے کوئی وقت اور موقع نکال ہی لیتے ہیں۔ ممالک مغرب میں تو یہ حال ہے کہ ہر شخص جو کسی بڑے عہدہ پر فائز رہ چکا ہو اپنے زمانہ کے واقعات اور حالات ملک کے سامنے پیش کرنا اپنے فرائض کا جزو اعظم تصور کرتا ہے۔ بڑی خوش قسمتی کی بات ہے کہ ہماری ریاست امدت میں ایسے اشخاص موجود ہیں جو فرائض سرکاری کی انجام دہی میں شب و روز مصروف ہونے کے بعد بھی تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری رکھتے ہیں۔ عالیجناب نواب ذوالقدر جنگ بہادر جو یورپ کے اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں اور برسوں سے سرکار عالی کے اعلیٰ ترین عہدوں پر مامور رہے ہیں اور اس وقت معتمدی عدالت و کوتوالی و امور عامہ جیسی اہم خدمت کے فرائض باحسن الوجوہ انجام دے رہے ہیں صاحب تصنیف بھی ہیں آپ کی عالمانہ اور دلچسپ (تاریخ اندلس) آپ کے علمی شغف کی بہترین یادگار ہے۔ حال ہی میں مجلس مشاورہ تعلیمی حیدرآباد دکن کے اجلاس منعقدہ ۱۹۔۲۰ آذر ۱۳۱۷ف میں آپ نے جو پرمغز اور سبق آموز صدارت نامہ پڑھا وہ عرصہ دراز تک ماہرین تعلیم کی رہبری کریگا اور تعلیمی حلقوں میں یاد رہیگا۔ عام صدارت ناموں کے برخلاف جن میں ہر قسم کے مسائل کو جگہ دے کر رہبری کے بجائے پریشان خیالی کیجاتی ہے۔ نواب صاحب ممدوح نے یہ جدت فرمائی کہ اپنا مطمح نظر ریاست حیدرآباد دکن ہی تک محدود رکھا اور ممالک مغرب اور ممالک ہند پر تنقیدی نظر ڈالکر اسی ریاست کے مسائل تعلیمی کے سلجھانے کے راستے بتلائے۔ ہم بلاخوف تردید یہ کہہ سکتے ہیں کہ مجلس مشاورہ تعلیمی کی خوش بختی ہے کہ اس کو نواب ذوالقدر جنگ بہادر جیسا صدر نصیب ہوا اور انہوں نے ایسا اعلیٰ پایہ کا صدارت نامہ پڑھا جسکی مثال مجلس مشاورہ تعلیمی حیدرآباد کی روئداد میں مشکل سے ملیگی۔

مدیر

حضرات!

میں آپ کی اس قدر افزائی کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ حیدرآباد کی اس موقر اور معزز تعلیمی مجلس کا مجھے صدر منتخب فرمایا۔ اور اس بات کا موقع دیا کہ حیدرآباد کے تعلیمی حالات کے متعلق اپنے بُرے بھلے خیالات ملک کے تعلیم یافتہ اہل الرائے کے سامنے پیش کروں۔ اس موقع کے میسر آنے کی مجھے اس لئے اور زیادہ مسرت ہے کہ ریاست حیدرآباد کی تعلیم پر تبصرہ کرتے وقت میں اپنے محبوب و محترم آقا یعنی اعلیٰ حضرت بندگان عالی شاہ جمجاہ محی الملت والدین میر عثمان علیخان خلد اللہ ملکہٗ و مدفیرضہٗ کے مبارک عہد کی سب سے مبارک خصوصیت اور سب سے درخشان برکت کی یاد تازہ کرسکونگا۔

عہد غفلت بحیثیت مجموعی حضرات! آپ کی نگاہ خرد سے یہ بات مخفی نہ ہوگی کہ ممالک ہند میں گذشتہ ایک صدی کو یا جہل و تاریکی کا دور رہے۔ انگریزی حکومت کے جمنے اور ہر طرف امن و امان ہو جانے کے بعد بھی ہم عرصہ تک اہل ہند کو خواب غفلت میں مدہوش و مبتلا پاتے ہیں۔ ایک عجیب و غریب بحیثیت مجموعی بلکہ دماغی موت لوگوں پر طاری ہے اور اپنی حالت سنبھالنے یا اپنی زندگی کو بہتر بنانے کا کوئی ارمان بلکہ تخیل تک اُن کے ذہن میں نہیں آتا رفتہ رفتہ اور ایک غشی زدہ مریض کی طرح جب لوگوں کے حواس درست ہوتے ہیں تو اُس وقت بھی ملک کے صرف خاص خاص طبقے اور بہت ہی محدود اور قلیل التعداد گروہ ایسے نظر آتے ہیں جنہوں نے تعلیم کی طرف توجہ کی اور علم، خاصکر مغربی علوم کو حاصل کرنے کی ضرورت کا احساس کیا۔

نئی تعلیمی تحریکات اور حیدرآباد حضرات۔ اُس خوف انگیز و ہلاکت خیز تاریکی سے جو ہندوستان کیا، تمام ممالک ایشیا پر چھائی تھی ریاست حیدرآباد کا خارج اور علیحدہ رہنا ممکن نہ تھا۔ اگر اس ریاست کے باشندوں نے مغربی اثرات یا اُن تعلیمی تحریکات کو قبول کرنے میں دیر لگائی، جو ہندوستان کے برطانی علاقوں میں پیدا ہوئی تھیں،

تو یہ بھی کچھ حیرت کی بات نہ تھی۔ وہ سیاسی اور معاشی اسباب جو انقلاب حکومت کی وجہ سے ہندوستان میں رونما ہوئے، ریاست حیدرآباد بڑی حد تک اُن سے محفوظ رہی اور یہاں نئے مغربی آئین اور تمدن کی وہ مقتضیات اور وہ زبردست اقتصادی کشاکش لوگوں کی زندگی میں ایک قسم کا تلاطم بپا نہ کر سکی جس کی بدولت برطانی ہندوستان میں لوگوں کو انگریزی تعلیم کی طرف رجوع ہونا پڑا اور انگریزی تعلیم کا بیج ہاں سرسبز! آور ہوا۔ غرض حالات کا یہی بنیادی اور قوی فرق ہے کہ ہم ریاست حیدرآباد کو اُس تعلیمی دوڑ میں جو نصف صدی سے برطانی صوبوں میں ہو رہی ہے بہت پیچھے پاتے ہیں بلکہ سچ تو یہ ہے کہ ہماری ریاست صحیح معنی میں اس دوڑ میں حصّہ لینے سے ہی کارہ نظر آتی ہے۔ ہماری تعلیمی پستی پندرہ سال قبل تک کی سُست روی کا ذیل کے نقشے سے آپ کو اندازہ ہو گا۔

نقشہ حالات تعلیمی ممالک محروسہ سرکار عالی از ۱۲۹۰ف تا ۱۳۲۰ف

	۱۲۹۰ف سنہ ۱۸۸۱ع	۱۳۰۰ف سنہ ۱۸۹۱ع	۱۳۱۰ف سنہ ۱۹۰۱ع	۱۳۲۰ف سنہ ۱۹۱۱ع
۱۔ کل مردم شماری	۹۸ لک ۴۵ ہزار	۱ کرور ۵۳ لک	۱ کرور ۱۱ لک ۴۰ ہزار	۱ کرور ۳۳ لک ۴۰ ہزار
۲۔ قابل تعلیم عمر کے بچوں کی تعداد تخمیناً	۱۴ لک	۱۵ ½ لک	۱۵ ½ لک	۱۷ ½ لک
۳۔ تعداد مدارس	۲۹۵	۳۱۴۰	۲۶۸۰	۲۲۹۵
۴۔ تعداد طلبہ	۶۷ ہزار	۷۴ ہزار	۹۷ ہزار ۵۰۰	۹۵ ہزار ۰۰۰

یہ وہ زمانہ ہے جبکہ ممالک محروسہ سرکار عالی میں نئے آئین و قوانین جاری ہو گئے تھے۔ اور محکمۂ تعلیمات کی بنیاد پڑ گئی تھی باوجود اس کے ہم دیکھتے ہیں کہ اس تیس برس کے عرصہ میں اگرچہ پانچ برس سے بیس برس تک عمر کے بچوں کی تعداد کم سے کم چودہ اور اس کے

بعد سترہ لاکھ سے بھی زیادہ رہ گئی جن کی تعلیم کا انتظام ہونا چاہیئے تھا لیکن ملک میں مدارس تین ہزار سے کچھ بہت زیادہ کبھی قائم نہیں کئے گئے اور طلبار کی کل تعداد ساڑھے ستانوے ہزار سے آگے نہ بڑھ سکی۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ قابل تعلیم کے عمر کے بچوں میں سے بھی کم و بیش صرف پانچ فیصدی تعلیم پاتے تھے اور باقی پچانوے فیصدی کتاب اور قلم و دوات کی صورت سے بھی آشنا نہ تھے۔ بالفاظ دیگر قابل تعلیم عمر کے سترہ لاکھ لڑکے اور لڑکیوں میں سے پندرہ انسان اس شرف اور عزیز نعمت سے قطعاً محروم تھے۔

عہد عثمانی لیکن حضرات اگر سیاسی اور معاشی اسباب نے یا اہل حیدرآباد کی غفلت و بیحسی نے [illegible] ترویج علوم پر توجہ نہ کی تو شکر ہے کہ رحمت الٰہی نے ہمارے وطن عزیز کو محروم و نامراد نہ رکھا اور خواست قضا و قدر کی طرف سے ایک ابر کرم ہماری پیاسی سرزمین پر آکے برسنے لگا۔ یعنی اس مملکت ابد مدت کی زمام فرمانروائی ہمارے اولوالعزم و روشن دماغ محبوب و محترم آقا اعلیٰ حضرت میر عثمان علیخان خلد اللہ ملکہ کے ہاتھوں میں آئی اور ریاست حیدرآباد کے تعلیمی حالات میں ایک مبارک انقلاب پیدا ہو گیا۔ یعنی سنہ ۱۳۳۰ف سے ۱۳۳۱ف سنہ ۱۹۲۱ء تک صرف دس برس کے عرصہ میں مدارس کی تعداد دو ہزار سے قریب قریب چوگنی یعنی آٹھ ہزار ہو گئی اور طلبار کا شمار بھی پچانوے ہزار سے بڑھتے بڑھتے کچھ کم تین لاکھ پر پہنچا۔ خدا کے فضل سے یہ ترقی کی رفتار اب بھی قائم ہے اور جیسا کہ محکمۂ تعلیمات کے سالنامہ بابتہ سنہ ۱۳۳۴ف سنہ ۱۹۲۵ء سے معلوم ہوتا ہے مدارس کی تعداد میں ہاتھوڑے سے اضافہ کے ساتھ طلبار کی تعداد میں بھی بیس ہزار کی افزائش ہوئی۔ سرکاری طرف سے بے دریغ روپیہ محکمۂ تعلیمات کو مرحمت ہوا اور ہو رہا ہے اور سرکاری رقم اور فیسوں کی آمدنی ملا کر ہم قریب قریب (۴۰) لاکھ روپیہ سالانہ تعلیم پر خرچ کر رہے ہیں۔ عہد عثمانی میں ترقی تعلیم کے واسطے حکومت نے جس دریادلی سے کام لیا اس کا اندازہ مصارف تعلیمات کے اُن گران قدر سالانہ اضافوں سے ہوگا جنکی مؤید کا نقشہ شہادت دیتا ہے۔

عہد عثمانی میں مصارف تعلیمات کا اجمالی اضافہ

نمبر شمار	صراحت سنہ		اضافہ (بہ نسبت سالگذشتہ)	وجوہ اضافہ
۱	۲	۳	۴	۵
۱	۱۳۲۱ف لہ ۔۔۔ مع ۔۔۔	لہ ۔۔۔ مع ۔۔۔	۔۔۔ ۔۔۔	مدارس فوقانیہ کی تنظیم و مدارس امدادی بلد کی تعداد میں اضافہ اور دیگر وجوہ سے اضافہ ہوا۔
۲	۱۳۲۲ف لہ ۔۔۔	۱۳۲۳ف للہ ۔۔۔	۔۔۔	اصلاح مدارس تحتانیہ اور اصلاح نظارت اور نیز مدارس ثانویہ و امدادی و سیول سروس کلاس۔
۳	۱۳۲۳ف للہ ۔۔۔ لو ۔۔۔	۱۳۲۴ف ع ۔۔۔ مار ۔۔۔	۔۔۔	اصلاح نظارت اور مدارس ثانویہ و وظائف تعلیمی اور سیول سروس کلاس متفرقات
۴	۱۳۲۴ف ع ۔۔۔ مار ۔۔۔	۱۳۲۵ف ع ۔۔۔ مار ۔۔۔	لہ مار	اصلاح دار العلوم و مدرسہ فوقانیہ و مدارس وسطانیہ و مدارس تحتانیہ و تعلیم المعلمین و وظائف تعلیمی و سیول سروس کلاس و متفرقات۔
۵	۱۳۲۵ف ع ۔۔۔ لسما ۔۔۔	۱۳۲۶ف لو ۔۔۔ مع ۔۔۔	للو سما	اصلاح مدارس و نظارت و مدارس فوقانیہ و مدارس ثانویہ و مدارس تحتانیہ۔
۶	۱۳۲۶ف لو ۔۔۔ مع ۔۔۔	۱۳۲۷ف ع ۔۔۔ مد ۔۔۔	ص ۔۔۔ ع مار	بغرض اصلاح مدارس و سیول سروس کلاس و اضافہ قسم وظائف تعلیمی و امداد کتب خانجات۔

نمبر شمار	صراحت سنہ		اضافہ (بہ نسبت سال گذشتہ)	وجوہ اضافہ
۱	۲	۳	۴	۵
				وامداد مدارس بوکلفنڈ بطور کنٹریبوشن وامداد مدارس شاہی بلدہ۔
۷	۱۳۲۷ف	۱۳۲۸ف		قیام دارالترجمہ واصلاح نظارت وقیام عثمانیہ یونیورسٹی کالج تنظیم مدارس ثانویہ و اضافہ مدارس تحتانیہ وقیام مدارس تعلیم المعلمات و وظائف تعلیمی۔
۸	۱۳۲۸ف	۱۳۲۹ف		اصلاح مدارس و اصلاح نظارت وتوسیع عثمانیہ یونیورسٹی واصلاح زنانہ ای اسکول نامپلی واضافہ مدارس تحتانیہ ومنظوری ایم تعلیم المعلمین ومعلمات وتنظیم انجینرنگ اسکول۔
۹	۱۳۲۹ف	۱۳۳۰ف		قیام رصدخانہ نظامیہ وبرائے اصلاح دارالترجمہ وعثمانیہ یونیورسٹی کالج ومدارس فوقانیہ وثانویہ واشاعت تعلیم ابتدائی واضافہ امداد کتبخانہ عامہ بیرونی وبرائے وظائف تعلیمی
۱۰	۱۳۳۰ف	۱۳۳۱ف		اصلاح شعبہ یونیورسٹی وغیرہ واصلاح نظارت واصلاح مدارس فوقانیہ وثانویہ واشاعت تعلیم ابتدائی واضافہ وظائف طلبہ مقامی وبیرونی۔

نمبر شمار	صراحت سنہ		اضافہ (بہ نسبت سال گذشتہ)	وجوہ اضافہ
۱	۲	۳	۴	۵
۱۱	۱۳۳۱ف للوص للہ	۱۳۳۲ف للہ	عہ للہ	اصلاح عثمانیہ یونیورسٹی و اصلاح نظارت تعلیم ابتدائی بوجہ نفاذ تائم اسکیل و اضافہ وظائف تعلیمی و اصلاح مطبع عثمانیہ یونیورسٹی۔
۱۲	۱۳۳۲ف للہ للوص للہ	۱۳۳۳ف للہ للہ	فوقیہ للہ	اجراء مدارس فوقانیہ و اشاعت تعلیم ابتدائی۔

سال حال کے موازنہ میں بھی سرکار اڑسٹھ لاکھ روپیہ تعلیمات پر خرچ کر رہی ہے جو سوائے فوج اور تعمیرات کے محکموں کے سب محکموں سے بڑھا ہوا ہے اور کل سرکاری آمدنی کا تقریباً (۹) فیصدی ہوتا ہے۔ بالفاظ دیگر ملک کے ہر قابل تعلیم بچے کی تعلیم کے واسطے ہماری مہربان حکومت تقریباً پانچ روپیہ سالانہ خرچ کر رہی ہے اور یہ اوس رقم سے بھی غالباً کچھ زیادہ ہے جو برطانی ہند کے ترقی یافتہ اور ہم سے زیادہ دولت مند علاقہ میں خرچ کیا جا رہا ہے لیکن حضرات۔ اپنے فیاض اور رعایا پرور بادشاہ کے اس لطف و کرم اور حکومت کی ان مہربانیوں کے باوجود خود ہمیں اپنی حالت پر زیادہ خوش ہونے کا موقع نہیں ہے۔ ہم سالہائے دراز کی غفلت و جمود کے مہلک عارضوں سے ابھی تک صحت یاب نہیں ہوئے ہیں۔ ہم ابھی تک جہالت کی تہ بہ تہ تاریکیوں سے اپنے ملک کو باہر نہیں لا سکے ہیں ہم ابھی تک اس قابل نہیں ہوئے ہیں کہ دنیا کے متمدن ملکوں کی فہرست میں ہمارے وطن کا نام ثبت ہو۔ اس کا سبب صرف ایک ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم نے اپنے رعایا پرور اور قدر دان علم و فضل و فن بادشاہ کی اس لازوال فیاضی اور رعایا پروری سے فائدہ حاصل نہیں کیا۔ حقوق شاہی سے غافل محض حکومت کی تائید کے متمنی رہے۔ چنانچہ

جاگیرداروں کو اپنی ہی اولاد کی تعلیم کیواسطے محاصل جاگیر سے دو روپیہ فی صدی ادا کرنا بھی بارگراں ہے۔

متمدن ممالک اگر یورپ و امریکہ یا خود ایشیا میں ملک جاپان کے تعلیمی حالات کا مطالعہ اور موازنہ کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ تہذیب و تمدن کی بلکہ انسانی فضیلت و شرف کی اس سچی ترازو میں ہم کتنے ہلکے اور پست ہیں۔ جزائر جاپان کی کل آبادی ریاست حیدرآباد کی آبادی سے قریب قریب پانچ گنی یعنی پانچ کروڑ ساٹھ لاکھ نفوس ہے۔ باوجود اس کے وہاں جبری تعلیم کا ایسا عمدہ اور باقاعدہ انتظام ہے کہ چھ سال سے تیرہ سال کی عمر تک کا کوئی لڑکا یا لڑکی (سوائے معذور بیماروں کے) بغیر تعلیم پائے رہنے نہیں پاتا۔ ہمارے ملک کے تاجر اور دیگر ناظرین تعلیمات جو چند سال ہوئے تعلیمی حالات کا معائنہ کرنے کی غرض سے جاپان بھیجے گئے تھے اپنی کتاب "جاپان اور اس کے تعلیمی نظم و نسق" (باب نہم) میں شہادت دیتے ہیں کہ انہوں نے جاپان کے بڑے شہروں میں قابل تعلیم عمر کے (۹۸) فیصدی اور دیہات میں (۹۹) فیصدی سے بھی کچھ زیادہ بچوں کو زیر تعلیم پایا۔ یعنی اس خوش نصیب قوم کا تقریباً ہر بچہ تعلیم کی نعمت سے بہرہ مند ہے۔ اور ملک بھر میں کوئی فرد جاہل اور ناخواندہ نہیں رہتا۔

اس سلسلہ میں میں برطانیہ اور فرانس نیز ولایات متحدہ امریکہ کی مثالیں بھی پیش کرتا لیکن یہ بات قابل غور اور لائق عبرت ہے کہ گو ہم اہل ہند ایک صدی سے زیادہ مدت سے ایک یورپی قوم کے زیر نگیں ہیں اور ہمارے اعلیٰ اور متوسط طبقے نے آداب معاشرت اور لوازم تمدن کی بہت سی باتیں یورپ سے اخذ کر لی ہیں حتیٰ کہ بعض صورتوں میں اندھی تقلید اور مضحکہ انگیز نقالی کے مجرم قرار پاتے ہیں، بایں ہمہ ان اصول و آئین کی جو فرنگی حاکموں کی قوت و عظمت کا اصلی راز ہیں، اتباع میں اتنی سرگرمی بھی نہیں دکھاتے جتنی کھیل اور تماشہ میں صرف کیجاتی ہے۔ حضرات! درحقیقت ان اقبال مند قوموں نے اجتماعی قوت کا

گرا اچھی طرح سمجھ لیا ہے۔ اور اُن کے اکابر اور اہل الرآئے ہمیشہ اس فکر میں رہتے ہیں کہ اپنی قوم کے ہر فرد کو زیادہ سے زیادہ کارآمد اور قابل باشندہ بنا دیا جائے اور اس کوشش کی کامیابی کا سارا انحصار تعلیم کی اشاعت و ترویج پر ہے۔ چنانچہ ایک مدت سے یورپی حکومتوں نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ کم سے کم ابتدائی تعلیم سے رعایا کا کوئی فرد محروم نہ رہنا چاہیئے۔ اسی غرض سے چھ اور بعض صورتوں میں آٹھ سال تک بچوں کی ابتدائی تعلیم جبری کر دی گئی ہے اور کسی قسم کی فیس یا اجرت اس ابتدائی تعلیم کی نہیں لیجاتی۔ برطانیہ میں قریب قریب ایک ارب اور فرانس میں چالیس کروڑ روپیہ سالانہ حکومت کی طرف سے تعلیم پر خرچ ہوتا ہے اور غیر سرکاری طور پر جو کروڑہا روپیہ اعلیٰ تعلیم، علم تحقیقات جدید انکشافات و اختراعات پر بے دریغ صرف کیا جاتا ہے وہ اس کے ماسوا ہے۔ مگر تعلیم پر بے دریغ روپیہ خرچ کرنے کے اعتبار سے ان متمدن ممالک میں بھی سب سے اول نمبر ولایاتِ متحدہ امریکہ کا ہے جو اپنی کثیر آمدنی کا تقریباً چھٹا حصہ تعلیمات کی مد میں خرچ کرتی ہیں اور ان ولایات میں جو مبشی باشندے آباد ہیں یا جو پردیسی باہر کے ملکوں سے ہر سال لاکھوں کی تعداد میں آ آ کر آباد ہوتے رہتے ہیں، اور ان میں سے اکثر مفلس و ناخواندہ اشخاص ہوتے ہیں، حکومتِ امریکہ کوشش کر رہی ہے کہ اس پست و پس ماندہ طبقہ آبادی کے افراد کو بھی دولتِ علم سے بے نصیب نہ رہنے دے۔ چنانچہ ۱۹۲۰ء کی مردم شماری میں ولایاتِ متحدہ کی دس کروڑ سے زیادہ آبادی میں کل فیصدی اشخاص ناخواندہ پائے گئے۔ اور اگر صغیر سن بچوں کو خارج کر دیا جائے تو ان اعداد کے معنی یہ ہیں کہ وہاں بھی یورپ کے سب سے ترقی یافتہ ملکوں کی طرح کوئی زن و مرد ایسا نہیں ہے جو لکھنے پڑھنے سے عاری ہو۔

انسانی زندگی میں کتابی تعلیم کا مرتبہ

حضرات، میں اس بات سے بیخبر نہیں ہوں کہ انسانی زندگی کی فلاح اور بہتری محض خواندہ و ناخواندہ ہونے پر مبنی نہیں ہوا کرتی۔ دنیا میں

امتوں نے بڑے بڑے کام انجام دیے ہیں اور خود امت اسلامی کے مفاخر میں یہ بات شامل ہے کہ وہ ایک پیغمبر اُمّی (علیہ التحیات والسلام) کے تابع اور پیرو ہیں۔ یہ مسلّمہ امر ہے کہ بہترین تمدن کی بنیاد عمدہ اخلاق پر قائم ہوتی ہے اور جن قوموں یا افراد کے اخلاق بگڑ جاتے ہیں انہیں محض کتابی تعلیم ذلّت و ہلاکت سے بچا نہیں سکتی۔ پھر یہ کہ اخلاق کا درست و ستودہ ہونا بہت سے ایسے گہرے اور پیچیدہ اسباب پر مبنی ہے جو انسان کے احاطۂ ادراک و تصرف سے بالکل باہر ہیں۔ لیکن ان سب باتوں کے باوجود قدرت نے اخلاق کی درستی اور زندگی کو بہتر بنانے کے جو ذرائع انسان ضعیف البنیان کے اختیار میں دیے ہیں، اُن میں سب سے قوی اور کارگر ذریعہ تعلیم و نوشت و خواند ہی کا ہے اور ہم اگر انسانی جذبات سے معرّا نہیں ہو گئے ہیں تو مجبور ہیں کہ اپنی اور بنی نوع کی اصلاحِ حال کے لئے سب سے پہلے اور سب سے زیادہ تعلیم پر ہمت توجہ صرف کریں۔

حضرات۔ ان صریحی اور بدیہی حقائق کے مطابق عمل کرنا ایک طرف، ہندوستان میں انہیں لوگوں کے کان تک پہنچانا ہی ایک بڑا اہم اور دشوار کام نظر آتا ہے اور ابھی تک خود ہمارے اہل الرائے یہ طے نہیں کر سکے ہیں کہ آیا اس بدنصیب ملک میں بھی ہر بندۂ خدا اس بات کے قابل اور مستحق ہے یا نہیں کہ علم کے آفتاب سے اُس کے خانۂ تاریک میں نور و حرارت پہنچائی جائے؟ صدیوں کے تعصبات و اوہام، اور ہزاروں برس کی نسلی اور مذہبی فرقہ بندیوں نے ممالک ہند کے باشندوں کو ایک دوسرے سے اس طرح جدا کر دیا ہے کہ ہمارے ذہن ہی میں یہ بات نہیں آتی کہ خود ہماری شخصی اور ذاتی فلاں اور خوش حالی اس وقت تک مکمل اور مستقل نہیں ہو سکتی جب تک کہ دوسرے ابنائے جنس خاصکر ابنائے وطن بھی خوشحال اور فلاح یافتہ نہ ہوں۔

عام اور لازمی تعلیم | یہی سب سے سخت اور کہنہ بیماری ہے جس کا ہر محب وطن اور خیر خواہ قوم کو ہندوستان میں مقابلہ کرنا پڑے گا اور آپ کو جو ریاست حیدرآباد میں تعلیم کی ترویج

واشاعت کا مبارک مقصد لے کر کھڑے ہوئے ہیں سب سے پہلے اسی اصول کو طے کرنا پڑیگا کہ ملک میں ابتدائی تعلیم لازمی اور بلا لحاظ مذہب وملت عام ہونی چاہیئے یا نہیں۔ اگر آپ کی تعلیمی انجمن واقعی تمام ملک کی اصلاح اور خیر کے واسطے قائم ہوئی ہے اور اگر آپ حقیقت میں قومی تعلیم کے علم بردار اور داعی ہیں تو میں خیال کرتا ہوں کہ اب آپ کو بلا تاخیر دلیری اور وضاحت کے ساتھ لازمی اور ہمہ گیر تعلیم کے مذکورہ بالا مقصد کو اپنی فہرست مقاصد میں سب سے اوپر جگہ دینی چاہیئے اور تحریر وتقریر، الہام وتفہیم اور ترغیب وتشویق کے ہر ذریعہ جائز سے اور ملک کے ہر گروہ اور فرقہ کے اکابر میں اسی عقیدہ کی تبلیغ کرنی چاہیئے کہ جب تک ابتدائی تعلیم لازمی اور عام نہ ہو اس وقت تک ہماری نکبت وجہالت کا دور ختم نہ ہوگا اور ہماری قومی ذلت وزبونی میں کمی نہیں آئیگی۔ اگر آپ نے اس مقصد عظمیٰ کے لئے واقعی کمر ہمت مضبوط باندھ لی اور چند سال کی پیہم اور منظم کوشش سے ملک کے اکثر متین اور ذی فہم اہل الرائے کو اپنا موید بنالیا تو کوئی وجہ نہیں کہ سرکار آصفیہ آپ کی اس قومی اور اولوالعزمانہ آرزو بر لانے میں اعانت اور سرپرستی نہ فرمائے۔ حضرات۔ میں پھر دہراتا ہوں اور دہرائے بغیر نہیں رہ سکتا کہ خوش نصیبی سے آپ کو خدائے رحیم نے ایک ایسے فرمانروا کا عہد حکومت دیا ہے جس کی علم نوازی اور معارف پروری دنیا میں ضرب المثل ہوتی جاتی ہے۔ جوہر قسم کے علمی اور قومی فلاح کے کاموں کا فیاض سرپرست دمربی ہے اور حیدرآباد کی شہرت ترقی کی دلی تمنا رکھتا ہے۔ ہماری غفلت مجرمانہ اور ہماری دون ہمتی قابل ماتم ہوگی اگر ایسے حوصلہ مند اور بیدار مغز بادشاہ کے زمانے میں بھی علم کی ترویج ترقی کی تمام ممکن وممیسر تدابیر اختیار نہ کریں۔ دوسرے یاد رکھنا چاہیئے کہ اگر ہمارا دشوار و بزرگ مقصد پرانہ ہو تو بھی اس کے لئے جو کوشش اور کاوش کیجائے گی وہ رائگاں نہ جائیگی اور اس کا کم سے کم اتنا فائدہ ضرور ہوگا کہ ترقی تعلیم کی موجودہ رفتار کہیں زیادہ

تیز ہو جائے اور کیا عجب ہے کہ ہمارا منصوبہ کم از کم دار الملک حیدرآباد میں پوری طرح عمل میں لانے کے قابل سمجھا جانے لگے۔

برطانی ہند کی تعلیمی جد وجہد جس طرح برطانی ہند میں ہوا کہ بعض روشن خیال و دور اندیش محبانِ وطن کی والہانہ سعی سے، اگو سارے ملک میں جبری تعلیم کا رواج نہ ہوا، تاہم شہری آبادیوں کو اجازت ملگئی کہ وہاں کی بلدیات چاہیں تو اپنی حدود میں جبری تعلیم کا نفاذ کردیں چنانچہ بعض بلدیات میں اسپر عمل بھی ہو رہا ہے۔ دوسرے اسی تحریک و تبلیغ سے حکومت اور عام باشندوں کو ترقی تعلیم کی پہلے سے زیادہ فکر ہوگئی اور اب تعلیم کا قدم استقلال سے آگے بڑھ رہا ہے جیسا کہ ذیل کے اعداد شہادت دیتے ہیں۔

برطانی ہند کی تعلیمی ترقی

	۱۹۲۰ء	۱۹۲۱ء	۱۹۲۲ء	۱۹۲۳ء	۱۹۲۴ء	۱۹۲۵ء
۱- تعداد مدارس تقریباً	۱،۵۷،۰۰۰	۱،۶۱،۶۰۰	۱،۶۲،۵۰۰	۱،۶۴،۵۰۰	۱،۷۰،۴۰۰	۱،۸۰،۰۰۰
۲- تعداد طلبہ	۸۲،۰۰،۰۰۰ لک	۸۳،۷۷،۰۰۰	۸۲،۸۱،۰۰۰	۸۷،۹۱،۰۰۰	۹۳،۱۶،۰۰۰	۹۷،۹۷،۰۰۰

یہ صرف قریبی زمانہ کے اور پانچ مسلسل سنین کے اعداد ہیں ورنہ آج سے تیس چالیس برس پہلے کے تعلیمی حالات سے مقابلہ کیا جائے تو موجودہ ترقی اور بھی امید افزا اور قابلِ تحسین ثابت ہوگی۔ ان اعداد کا مطلب یہ ہے کہ بیس برس کی پیہم جد وجہد سے اب برطانی ہند کے قابلِ تعلیم عمر کے بچوں میں سے قریب قریب نصف مختلف مدارس میں زیرِ تعلیم ہیں حالانکہ اُن اعداد سے جو میں نے اوپر آپ کے سامنے پیش کئے معلوم ہوتا ہے کہ ممالکِ محروسہ سرکارِ عالی میں گذشتہ دس برس کی غیر معمولی افزائش و ترقی کے باوجود قابلِ تعلیم عمر کے بچوں میں سے صرف (۱۴) فیصدی یعنی ابھی تک ساتواں حصہ ہی تعلیم گاہوں میں داخل کیا

جاسکتا ہے۔ ہمارے لئے اس فرق بین اور ان اعداد میں ایک بڑا کارآمد سبق یہ مضمر ہے کہ جب تک کسی ملک کے اکابر و محبانِ وطن خود سچی اور مخلصانہ کوشش نہیں کرینگے اُسوقت تک محض حکومت کی عنایت و سرپرستی ملک میں اشاعتِ تعلیم کی کفیل نہیں ہوسکتی۔

ہماری تعلیمی زبوں حالی | ہمارے ملک کی تعلیم سے غفلت و محرومی کا ایک اور ثبوت وہ اعداد ہیں جو گذشتہ مردم شماریوں میں خواندہ نفوس کے متعلق فراہم کئے گئے سنہ ۱۹۰۱ء (۱۳۱۹ف) کی مردم شماری میں برطانی ہند میں خواندہ ذکور کی تعداد ساڑھے تیرہ (۱۳½) فیصدی تھی جو آخری مردم شماری (سنہ ۱۹۲۱ء ۱۳۳۰ف) میں بتدریج بڑھ کر قریب قریب (۱۷) فیصدی ہوگئی لیکن یہ سُنکر غالباً آپ سخت متاسف اور خجل ہوں گے کہ انہیں بیس سال میں ممالک محروسہ سرکار عالی کی مجموعی آبادی میں جہاں اضافہ ہوا وہاں خواندہ ذکور کی تعداد پہلے سے بھی کچھ گھٹ گئی اور (۷) فیصدی کے بجائے صرف (۶½) فیصدی رہ گئی غنیمت ہے کہ اس زمانہ میں تعلیم نسواں کی ترقی نے ہماری اس قابلِ شرم پس ماندگی اور کمی کو کسی حد تک پورا کیا اور ہماری کل آبادی میں خواندہ نفوس کی تعداد (۳) فیصدی سے (تیس برس کے عرصہ میں) (۴½) فیصدی ہوگئی۔

حضرات! یہ اعداد بجائے خود کچھ کم قابلِ افسوس و رنج نہیں ہیں اور ان کے معنی یہ ہیں کہ ابھی تک ہمارے ملک میں ایک کروڑ بیس لاکھ سے زیادہ بندگانِ خدا جہل مطلق میں مبتلا اور تمدنِ انسانی کی ابتدائی منزل سے بھی دُور پڑے ہوئے ہیں لیکن اس سے بھی زیادہ غیرت کا مقام یہ ہے کہ ریاست کشمیر کے سوائے ہندوستان کے تمام صوبوں اور بڑی ریاستوں میں مملکتِ آصفیہ کے لوگ ہی تعلیم میں سب سے پست و پس ماندہ ہیں! دوسرے صوبوں کو جھوڑ کر میں نے ذیل میں ہمسایہ انگریزی صوبوں اور ریاست میسور کے تعلیمی اعداد کا ایک نقشہ سنہ ۱۹۲۱ء ۱۳۳۰ف کی مردم شماری کی رپورٹوں سے مرتب کیا ہے تاکہ ریاست حیدرآباد کی تعلیمی پس ماندگی کا اندازہ لگانے میں مدد ملے۔

حیدرآباد اور ہمسایہ علاقوں میں خواندہ نفوس کی تعداد

نام صوبہ	تعداد خواندہ فی صدی		مجموعی اوسط فیصدی
	ذکور	اناث	
۱۔ مدراس	۱۵	۲	۸
۲۔ بمبئی	۱۵٫۷	۲٫۷	۹
۳۔ صوبہ متوسط و برار	۸٫۷	۱	۴٫۲
۴۔ حیدرآباد	۵٫۷	۰٫۸	۳٫۳

حیدرآبادی مسلمانوں کی تعلیمی حالت کا موازنہ۔

اس ضمن میں یہ بیان کرنا افادے سے خالی نہ ہوگا کہ گو حیدرآباد ایک اسلامی ریاست ہے اور یہاں کے مسلمانوں کی تعلیمی حالت دوسرے فرقوں کی نسبت فی الجملہ بہتر بھی ہے لیکن انگریزی علاقوں کو چھوڑ کر اگر بعض ترقی پذیر ہندو ریاستوں سے مقابلہ کیا جائے تو وہاں کے مسلمانوں سے بھی حیدرآبادی مسلمانوں کی تعلیمی حالت بہت گری ہوئی ثابت ہوگی حالانکہ وہاں اسلامی آبادی کا تناسب بھی ریاست حیدرآباد سے کم نہیں ہے۔ میں ذیل کے نقشے میں صرف دو ہندو ریاستوں کی مثال دینے پر اکتفا کرتا ہوں:۔

نام ریاست	کل آبادی میں مسلمانوں کا تناسب (فیصدی)	مسلمان خواندہ		مجموعی اوسط فیصدی
		ذکور	اناث	
حیدرآباد	۱۰	۱۴ فیصدی	۲½ فیصدی	۹
بڑودہ	۳۰	۳۱ ″	۵ ″	۱۸
میسور	۶	۲۴ ″	۶ ″	۱۵

ان اعداد پر جس پہلو سے نظر ڈالئے یہ اقرار کرنا پڑے گا کہ ہمارے ملک کی موجودہ

تعلیمی حالت جو ہر قسم کی تمدنی اور اقتصادی ترقی کا اصلی معیار ہے، وہ نہایت ناقابل اطمینان اور فوری اصلاح و تغیر کی محتاج ہے۔

تعلیم نسوان حضرات! ممالک ہند میں تعلیم کی ترویج و ترقی میں دو بڑی رکاوٹیں طبقہ اناث کی جہالت اور نیچ ذاتوں کی زبوں حالی ہے۔ اگرچہ ریاست حیدرآباد نے تعلیم نسوان کے معاملے میں دوسرے علاقوں سے کچھ کم بجھ بوجھ اور روشن خیالی کا ثبوت نہیں دیا لیکن تعلیم نسوان کی کوششوں سے جو نتائج اب تک حاصل ہوئے ہیں وہ بجائے خود بہت ہی ہمت شکن اور حوصلہ فرسا ہیں۔ مانا کہ گذشتہ تیس برس میں خواندہ عورتوں کی تعداد فی ہزار (۲) سے بڑھکر آٹھ (۸) ہزار ہوگئی لیکن یہ کونسی خوشی کی بات ہوسکتی ہے کہ اب بھی ہمارے ملک کی کم و بیش (۶۰) لاکھ عورتوں میں سے کل پچاس ہزار خواندہ ہیں اور باقی (۵۹) لاکھ سے بھی زیادہ ظلمت جہل میں مبتلا ہیں۔ کم و بیش چار لاکھ لڑکیاں پانچ سال سے پندرہ سال تک کی عمر کی ملک میں ایسی ہیں جن کی تعلیم کا انتظام اصولاً ہونا چاہیئے لیکن ۱۳۳۵ف کے اخیر تک تمام ممالک محروسہ سرکار عالی میں ابتدائی اور ثانوی مدارس کی کل تعداد سات سو چھ سے زیادہ نہ تھی اور ان میں (۳۵۰۶۶) لڑکیاں زیر تعلیم تھیں یعنی ہر ایک ہزار قابل تعلیم عمر کی لڑکیوں میں سے فقط سات تعلیم پاتی تھیں۔

حضرات تعلیم نسوان کے راستے میں جو خاص موانع ہمارے ملک میں سدراہ ہیں اور ان کے متعلق ہمارے جرائد اور مجالس میں سالہا سال سے بحثیں ہو رہی ہیں اس مسئلہ کا تعلق درحقیقت اصلاح رسوم و معاشرت سے زیادہ ہے اور اس تعلیمی مجلس میں اس پر تفصیلی بحث چھیڑنا شاید کسی قدر بے محل ہوگا تاہم تعلیم کی تبلیغ و دعوت کے سلسلہ میں آپ کو بھی ان لایعنی اوہام اور تعصبات سے جنگ کرنی پڑے گی جو قدیم رواج اور مذہب کے پردہ میں ہماری قوم کے نصف حصہ کو دائماً جہالت میں

تتار رکھنے کے درپے ہیں تعلیم نسوان کے ان موانع میں سب سے سخت شے پردہ کی رسم ہے اور چونکہ اس کے قیام پر سب سے زیادہ ایک خاص طبقہ کو اصرار ہے اس لئے خاص انہیں حضرات کی خدمت میں مختصر طور پر مجھے یہ کہے بغیر نہیں رہا جاتا کہ دنیا کی تاریخ میں سب سے پہلا مذہب اسلام ہی ہے جس نے عورتوں کو تمام [illegible] میں مردوں کا شریک و سہیم بنایا اور انہیں مردوں کی طرح ذمہ دار انسان سمجھ کر ان کے خاص خاص حقوق و فرائض قرار دیئے۔ پس یہ کس قدر [illegible] عبرت کا مقام ہے کہ آج اسی مذہب کے نام نہاد پیرو حقوق نسوان کے معاملہ میں اپنے آپ کو تمام دنیا کی قوموں سے زیادہ تاریک خیال اور تنگ دل ثابت کر رہے ہیں۔ یہ بات کہ ہندوستان کے شہری مسلمانوں میں جس قسم کا پردہ آجکل مروج ہے اس کا مذہبی عقائد یا شعائر سے کچھ تعلق نہیں بدیہی طور پر اسی ایک دلیل سے ثابت ہے کہ دنیا کے دوسرے اسلامی ملکوں میں پردے کی ایسی شدتیں نہ اب ہیں اور نہ کبھی پہلے گوارا کی گئیں۔

حضرات تعلیم نسوان کی طرح ہمارے ملک میں دوسرا نگین اور دشوار مسئلہ نیچ ذاتوں کی تعلیم کا ہے پچھلی مردم شماری میں ہمارے ان افتادہ ابنائے جنس کی تعداد ممالک محروسہ میں تقریباً تین لاکھ تھی جو عام طور پر نیچ یا اچھوت کہلاتے ہیں اور جن سے ہندوؤں کی اونچی ذاتیں کوئی تمدنی میل جول نہیں رکھ سکتیں۔ اسی تعداد میں چار لاکھ سے زیادہ گونڈ بھیل، لمبارے وغیرہ ایسی قومیں داخل ہیں جو عقائد کے اعتبار سے بھی ہندو مذہب سے کوئی مناسبت نہیں رکھتیں اور مظاہر پرست انیمسٹ (Animist) کہلاتی ہیں ان کا شمار گذشتہ مردم شماری میں چار لاکھ کے قریب پایا گیا حضرات! ہمارے یہ ہموطن جن کو دماغی یا اخلاقی اعتبار سے انسانوں کے زمرہ میں بھی بمشکل شمار کیا جا سکتا ہے، درحقیقت قومیت کی زنجیر میں وہ کمزور کڑی ہیں جس پر ساری

زنجیر کی قوت کا انحصار ہے۔ انسانوں میں فطری اور اکتسابی فرق اور اختلاف کا پایا جانا ایک قدرتی بات ہے لیکن غالباً یہ عقیدہ کسی بہت دقیق فلسفہ پر مبنی نہیں ہے کہ جس وقت یہ طبعی اختلافات مستقل تفریق و مخالفت یا باہمی نفرت و تعصب کی شکل اختیار کر لیتے ہیں اسی وقت اس گروہ یا نوع کی مجموعی زندگی میں فساد پیدا ہو جاتا ہے اور پھر اس کی کوئی جز بھی تکلیف و نقصان سے کلیتہً بچا نہیں رہ سکتا بنظر برائیں کہ دوسرا گروہ یا دوسرے اور کمزور ابنائے جنس یا ابنائے وطن کی ذلت و زبوں حالی کو جائز رکھتا ہے وہ فی الواقع خود اپنے ساتھ دشمنی کر رہا ہے۔ ہندوستان کی افتادہ اقوام کو ابھارنے اور سدھارنے کی تحریک غالباً اب ملک کے تعلیم یافتہ اور ذی ہوش طبقہ میں خاصی قبولیت پاتی جاتی ہے۔ برطانی حکام کی طرح سرکار آصفیہ بھی ان کی اصلاح اور بہبودی سے غافل نہیں رہی اور گذشتہ پندرہ سال کے اعداد دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ نیچ ذاتوں زیر تعلیم اور خواندہ نفوس کا شمار پہلے کی نسبت کئی گنا زیادہ ہو گیا ہاں ہمہ ان بیس لاکھ میں سے پندرہ ہزار بھی خواندہ نہ تھے جو کسی زبان کی شد بد بھی رکھتے ہوں ۱۳۲۳ف کے آخیر تک نیچ ذاتوں کے مدارس کا شمار (۵۲) سے زیادہ نہ تھا اور اُن میں پڑھنے والوں کی تعداد صرف (۱۲۵۱) تھی۔

حضرات! اس اجمالی تبصرہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ہمارے ملک کی تعلیمی حالت یا زبوں حالی کس درجہ ناگفتہ بہ اور فوری تغیر و اصلاح کی محتاج ہے اور جیسا کہ میں نے اشارۃً پہلے عرض کیا اس قسم کا کوئی تغیر صرف حکومت کی عنایت و اعانت سے ملک میں پیدا نہیں ہو سکتا جب تک کہ ملک کے ہر گروہ اور ہر طبقے کے اکابر پوری کوشش اور سرگرمی سے لوگوں کی اصلاح اور تعلیم کی عام ترویج کا قومی اور ضروری کام اپنے ذمہ نہ لے لیں۔

تعلیم کی نوعیت۔ فی نفسہ تعلیم کی ضرورت اور فرضیت سے تو کسی صاحب فہم

حب وطن کہ انکار نہیں ہوسکتا البتہ نوعیت تعلیم کے متعلق اختلاف وگفتگو کی گنجائش ہے
بعض حضرات مذہبی تعلیم پر بہت زور دیتے ہیں بعض کے نزدیک دیہات میں اب
سے زراعتی یا اور کسی قسم کی پیشہ ورانہ تعلیم ضروری ہے۔ بعض کی رائے ہے کہ علیحدہ مدرسوں
کی طرح لڑکیوں کی تعلیم کا نصاب بھی شروع سے جداگانہ اور لڑکوں کے نصاب سے
بالکل مختلف ہونا چاہیے۔ یہ اختلاف رائے فروعی ہیں لیکن اس بارے میں میں اتنا عرض
کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اگر ہمارا مقصد اولیٰ سارے ملک میں کم سے کم ابتدائی تعلیم کو
بالکل عام کر دینا ہے تو غالباً عملی آسانی کے لئے اسے سرکاری مدارس میں یکساں رکھنا
ضروری ہوگا۔ اور ہمارا اصلی مقصود صرف یہ ہوگا کہ بچوں کو اپنی مادری زبان کے ساتھ اردو
توسط سے ابتدائی حساب اور تھوڑے سے جغرافی اور تاریخی حالات ملک سے آگاہ کر دیا جائے

مذہبی تعلیم اس منزل میں مذہبی عقائد یا رسوم وشعائر کی تعلیم محض تقلیدی ہونی ہے
اور اس لئے بہتر ہے کہ یہ کام بچوں کے والدین یا خاندان والوں کے ہاتھ میں ہی چھوڑ
دیا جائے اور سرکاری سررشتہ تعلیم ایک عام اخلاقی اور انسانی تعلیم سے بڑھکر کوئی
ذمہ داری نہ لے۔ البتہ اس کے آگے وسطانی منزل میں مذہبی تعلیم کا انتظام ممکن اور
مناسب ہے۔ مگر اس میں بھی ہمیں چھوٹے چھوٹے فرقوں کے فروعی اختلافِ عقائد کو
نظر انداز کرنا پڑے گا اور تا امکان ہر مذہب کی وہ اخلاقی اور اصولی تعلیم درسی نصاب میں
داخل کیجائے گی جس پر اس مذہب کے تمام یا اکثر فرقے اور شاخیں متفق ہیں۔ اپنے منشا
کی صراحت کے لئے میں تمثیلاً مسلمانوں کی مذہبی تعلیم کے متعلق یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ
ان کے مذہبی نصاب میں صرف قرآن حکیم اور اس قسم کی مسلّمہ احادیث کی تعلیم ہونی چاہیئے
جو بہترین اخلاق اور تہذیب سکھانے والی ہیں اور جن کا انسانی معاشرت اور عملی زندگی
سے تعلق ہے پھر یہ کہ یہ مذہبی تعلیم بھی اس کے اصلی ماخذ سے ہونی چاہیئے اور درسی نصاب
میں اتنی عربی تعلیم لازم کر دینی چاہیئے کہ طالب علم اردو ترجموں کی مدد سے خود قرآن کے

معنی سمجھنے کی کسی حد تک صلاحیت پیدا کرے تفصیلی طور پر یہ بحث ماہرین ہی کی مختصر جماعت میں طے ہو سکتی ہے لیکن اس خیال کو یہاں پیش کرنے کی میں نے اس لئے جسارت کی کہ قرآنی عربی ادبی عربی سے بالکل مختلف چیز ہے اور مسلمانوں کو اس کا سیکھنا سکھانا سلسلہ طور پر بہت سہل ہے۔

حضرات۔ طوالت کے خوف سے میں بعض دوسرے مسائل کو چھیڑنے سے احتراز کرتا ہوں لیکن اپنی تقریر ختم کرتے وقت اس قدر اور عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اگر آپ کی مجلس تعلیمی نے تمام ملک میں تعلیم کی تبلیغ اور ترویج کا بیڑا اوٹھایا ہے اور اگر وہ حقیقت میں اپنے جاہل اور پس ماندہ اہل وطن کو علم کی برکات سے بہرہ مند کرنے کی سچی آرزو رکھتی ہے، تو اوسے اپنا نظام زیادہ مستقل اور زیادہ وسیع بنیادوں پر قائم کرنا چاہیئے اور زیادہ سے زیادہ تعداد میں ملک کے لائق اور مخلص اہل الرائے کو شریک کار بنانا چاہیئے اور پھر ان کے مشورہ اور مدد سے تقریر اور تحریر، جلسوں، انجمنوں، حتی کہ عام میلادوں اور کتھاؤں کے ذریعے جاہل عوام الناس تک اپنا پیام پہنچانا چاہیئے اور برسوں کی مسلسل اور ان تھک کوششوں سے انہیں رفتہ رفتہ پہلے زبانی اور پھر کتابی تعلیم سے مانوس کرنا چاہیئے قابل تعلیم عمر کے بچوں کی تعلیم کے ساتھ ساتھ آپ کو مدارس شبینہ یا محض عام تقریروں اور عام پند و عظوں کے پیرائے میں بڑی عمر کے لوگوں کی تعلیم کا بھی انتظام کرنا چاہیئے تاکہ ان میں انسانی تہذیب و اخلاق کے کم سے کم بنیادی اصول کا کچھ تو احساس پیدا ہو جائے اور وہ اپنی افسوسناک حالت کی اصلاح و بہتری پر متوجہ ہوں۔

تقریر کو میں اپنے رعایا پرور تعلیم کے سچے حامی اور ہم سب کے محبوب و محترم آقائے ولی نعمت اعلیحضرت شہریار دکن خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ اور ان کے خاندان والاشان کی دعائے دولت و اقبال پر ختم کرتا ہوں اور دوبارہ آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ میرے معروضات کو آپ نے صبر و توجہ سے سماعت فرمایا۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

دنمارک کے زراعتی حالات

پیرل ایجوکیشن کانفرنس لندن میں شرکت کے لئے مولوی سید محمد حسین صاحب جعفری بی اے (آکسن) نائب ناظم تعلیمات سرکار عالی بھیجے گئے تھے اور اسی ضمن میں سرکار عالی کا یہ حکم بھی ہوا تھا کہ ... اغ کانفرنس دیگر ممالک یورپ کا دورہ کرکے وہاں کے نظام تعلیم کے متعلق ضروری اور کارآمد باتیں دریافت کرکے رپورٹ پیش کریں۔ چنانچہ مولوی سید محمد حسین صاحب کانفرنس سے فارغ ہونے کے بعد ڈنمارک روانہ ہوئے، اور آپ نے وہاں کے ... عی وغیرہ حالات کا معائنہ فرمایا اور واپسی کے بعد حیدرآباد ایجوکیشن کانفرنس منعقدہ ۲۰ آذر ۱۳۳۷ف میں آپ نے مقدمہ مندرجہ عنوان پر ایک فصیح اور سبق آموز لکچر پڑھا جسکو حاضرین کانفرنس نے نہایت غور و تعمق سے سنا اس لئے قارئین المعلم کے استفادہ کیلئے اسکو ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

(المعلم)

سلطنت ڈنمارک جو کسی زمانے میں عظیم الشان اور وسیع سلطنت تھی اور جس میں ملک روے اور سویڈن بھی شامل تھے اب ایک چھوٹی سی زراعتی ریاست رہ گئی ہے جس کا مجموعی رقبہ (۱۶) ہزار (۵) سو مربع میل ہے۔ یعنی ہمارے صوبہ اورنگ آباد سے بھی کم ہے اگر براعظم یورپ کے نقشے پر آپ نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ جزیرہ نمائے پولینڈ اور متعدد جزائر کا مجموعہ ڈنمارک ہے۔ اس چھوٹے سے ملک کی مردم شماری صرف ۲½ ملین ہے جو ہماری ریاست کی مردم شماری کی چوتھائی ہے جو ۲½ ملین ہے۔

اس کی سالانہ آمدنی تقریباً (۴۴) کروڑ کرونز ہے جو ہماری ریاست سے کئی گونہ زیادہ ہے (کرونز تقریباً ایک روپیہ دو آنہ سکہ عثمانیہ کے برابر ہوتا ہے)

میں نے ابھی اوپر عرض کیا ہے کہ ڈنمارک ایک زراعتی ملک ہے۔ اس میں صنعت وحرفت برائے نام ہے اور جو کچھ دولت ملک میں پیدا کی گئی اور پیدا کیجاتی ہے اس کا ذریعہ صرف زراعت ہے۔ آج سے پچاس یا ساٹھ سال قبل ڈنمارک ایک مفلس ترین ملک تھا پیداوار اور آمدنی بالکل قلیل تھی لیکن آج وہی ملک تمام یورپ خصوصاً انگلستان کے محتاج کا مخزن ہے۔ انگلستان میں سالانہ جتنا مکھن، سور کا گوشت اور انڈے وغیرہ صرف ہوتے ہیں اس کا دو ثلث حصہ ڈنمارک مہیا کرتا ہے۔

اب میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ایک چھوٹا ملک جس کا اس قدر کم رقبہ اور کم مرد مشماری ہو محض زراعت کے ذریعہ سے کس طرح اس قدر متمول ہو گیا اور کثیر دولت پیدا کر سکا۔

یہ خیال نہ کیجئے کہ اہل ڈنمارک نے پھولوں کی سیج پر آرام اور عیش وعشرت کی زندگی بسر کر کے یہ ترقی۔ یہ دولت اور فراغت حاصل کی۔ نہیں ایسا نہیں۔ انہوں نے ڈنمارک کی مٹی میں اپنا پسینہ بلکہ اپنا خون ملا دیا تب کہیں آج انہیں یہ دن دیکھنا نصیب ہوا۔ اس ملک پر قدرت کے برکات اس فیاضی سے نازل نہیں ہوئے جیسے کہ اس کے اطراف واکناف کے ممالک پر ہوئے۔ اس ملک کی زراعتی ترقی کی تاریخ کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ممکنہ فطری موانع اور مشکلات اس ملک میں ہمیشہ قائم رہے اور ہیں اور باوجود ان مشکلات کے اہل ڈنمارک نے اپنی قابلیت اور محنت سے تمام مشکلات کو حل کیا اور بڑی حد تک کامیابی حاصل کی۔ لیس الانسان الا ماسعی کے حقیقی معنے مجھے ڈنمارک کے حالات دیکھنے کے بعد سمجھ میں آئے۔ اس ملک کی زراعتی تاریخ گویا ایک ایسی جنگ کی تاریخ ہے جس میں فطرت اور انسان میں لڑائی ہوئی اور انسان نے عقل کی بدولت دو ہی نسلوں میں فطرت پر فتح پائی اور اسی زمین سے جو آج سے ایک صدی قبل ایک تنگ ودق جنگل سمجھی جاتی تھی چاندی اور سونا اگایا۔

اب میں ان چند مشکلات کا ذکر کرتا ہوں جن کی طرف میں نے ابھی اشارہ کیا ہے

(۱) یہ ملک اکثر و بیشتر سطح اور سمندر کے لیول سے صرف (۹۵) فٹ بلند ہے۔ اور چونکہ چاروں طرف سمندر سے گھرا ہوا ہے اس لئے ہمیشہ سمندر کی موجیں آ آکر زمین کو میلوں برباد کیا کرتی ہیں۔

(۲) سطحی زمین کمزور اور اکثر حصص میں تو بالکل بیکار تھی جو ایک قسم کی چکنی مٹی اور پتھروں پر مشتمل تھی۔ اس کے علاوہ صدہا میل ریتلی زمین ہے۔ مثلاً پولینڈ کا وہ وسیع رقبہ جس پر سوائے ایک قسم کی معمولی گھاس کے جس کو (Heather.) کہا جاتا ہے اور کچھ اگ سکتا تھا ان ریتلے حصوں کو Sand-dunes. کہا جاتا ہے۔

(۳) چند سال قبل پولینڈ میں سمندر کے کنارے سے اندرون (۷) میل تک (Sand-dunes.) پھیلے ہوئے تھے اور جن کا طول تقریباً (۲۰۰) میل تھا یہ حصے ایسے بیابانی اور خشک تھے کہ ان میں بود و باش ممکن نہ تھی اگرچہ اس وقت بہت کچھ حصہ کاشت جراگاہ کے قابل بنا لیا گیا ہے تاہم ابھی میلوں ریت کے میدان ہیں۔ مثلاً بلاد ون سوک سے سکاگن تک یہ حالت ہے کہ ریت کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا۔

(۴) اکثر جزائر دلدلوں پر شامل تھے جس پر نہ انسان آباد ہو سکتے تھے۔ اور نہ زراعت ہو سکتی تھی۔

(۵) زمین خراب ہونے سے جنگلوں کا وجود نہ تھا ملک کی حالت ایک چٹیل میدان کی سی تھی جس میں سوائے (Heather.) گھانس کے کچھ اور درخت نہ تھے۔

(۶) جنگلوں کے نہ ہونے سے ملک ہر طرف سے سمندر کی ہواؤں کے لئے کھلا رہتا تھا۔ تیز و تند۔ سرد و مرطوب ہوائیں سمندر سے آتیں اور کاشت کو تباہ و برباد کر دیتی تھیں۔

(۷) ملک میں کوئی ایسا دریا نہیں جو آبپاشی کے لئے مفید ہو۔ سب سے بڑا دریا ڈنمارک میں گر دینا ہے جو پولینڈ میں واقع ہے اور جس کا طول (۸۰) میل ہے۔

(۸) ان سب مشکلات پر طرہ یہ ہے کہ موسم بھی ناموافق ہے جو بہت ٹھنڈا تو نہیں لیکن سمندر کی ہواؤں کی وجہ کسی قدر سرد اور مرطوب ہے۔ سال میں (۹۹) روز فاگ (Fog) موجود رہتی ہے اور سال تمام میں (۵۰) دن سے زائد دھوپ نہیں نکلتی جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اکثر و بیشتر کاشت کی درمیں مشکلات واقع ہوتی ہیں اور سال میں (۹) مہینے مویشیوں کو چرنے کے لئے باہر نہیں چھوڑا جا سکتا بلکہ گھروں ہی میں رکھ کر انہیں چارا ڈالنا پڑتا ہے۔ ان قدرتی مشکلات کے علاوہ ملک کا سیاسی اور سماجی مطلع بھی ابر آلود تھا۔ (۱۸) صدی کے وسط تک سیاسی قوت بادشاہ۔ امراء زمینداروں اور جاگیرداروں کے ہاتھ میں تھی اور ان لوگوں نے اپنے ذاتی منفعت کے لئے کسانوں کی حالت ناقابل بیان کر رکھی تھی۔ تقریباً تمام قابل زراعت اراضی بادشاہ اور امراء اور جاگیرداروں کے قبضے میں آچکی تھی۔ کسانوں کی حیثیت مثل غلاموں اور مزدوروں کے ہوگئی تھی کہ یہ بیچارے جس علاقے میں پیدا ہوتے وہیں (۴) سال کی عمر سے (۲۵) سال تک رہتے اور بادشاہ یا جاگیرداروں کے لئے کاشت اور دوسرے محنت کے کام کرتے اور جب یہ غلامی کا زمانہ ختم ہو جاتا یعنی (۲۵) سال ختم ہو جاتے تو پھر ان کو امیر یا زمیندار سے چھوٹے چھوٹے قطعات نہایت کٹھن اور سخت شرائط پر لینے پڑتے منجملہ ان شرائط کے ایک شرط یہ بھی ہوا کرتی کہ سال میں کئی روز یہ لوگ اپنے قطعات کا کام چھوڑ کر جاگیردار کی خاص مقبوضہ زمینات پر بلا اجرت کام کریں۔ اس کے علاوہ انہیں بہت سارے رسوم جاگیردار کو ادا کرنے پڑتے تھے۔

سنہ ۱۸۴۹ء تک ڈنمارک میں غیر محدود شاہی (Unlimited Monarchy.) تھی سیاسی حکومت چونکہ بادشاہ اور جاگیرداروں اور عہدہ داروں کے ہاتھ میں تھی عوام یا کاشتکاروں کو اس میں مطلق دخل نہیں تھا۔ اس لئے ان کی نجات کی کوئی صورت نہ بنتی تھی۔ پارلیمنٹ کچھ اسطرح بادشاہ اور جاگیرداران اور عہدہ داروں کے زیر اثر تھی کہ اگر

کوئی زراعتی اصلاح عمل میں لائی جاتی بھی تو وہ کاشتکاروں کی فلاح و بہبود کا باعث نہ ہوتی بلکہ مزید ارزانی اور جاگیرداروں ہی کے مفید مطلب ثابت ہوتی الغرض انیسویں صدی کے اوائل تک کاشتکاروں کی جماعت کی حالت مثل شودر کے رہی کہ یہ غریب انسان حیوانوں کی طرح اگیرداروں اور عہدہ داروں کے مظالم صبر و شکر کے ساتھ برداشت کرتے ہوئے ان شبینہ کے لئے ان کے محتاج اور دست نگر تھے۔ چونکہ یہ تعلیم یافتہ نہ تھے اس لئے ان میں نہ تو کسی قسم کی بیداری آسکتی تھی اور نہ سائنٹیفک زراعتی طریقوں سے واقف ہو سکتے تھے جو کچھ زراعت کرتے وہ قدیم طریقوں سے کرتے جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ آمدنی بہت قلیل اور محدود ہوتی اور بہ مشکل ان کی اور ان کے متعلقین کی زندگی بسر ہو سکتی تھی۔

ان اندرونی سیاسی مصائب کے علاوہ ملک پر بیرونی آفات بھی جنگ کی شکل میں نازل ہوئے۔ پہلی ڈینو جرمن جنگ ۱۸۴۸ء میں چھڑی اور ۱۸۵۰ء تک جاری رہی اسکے بعد پھر ۱۸۶۴ء میں جرمنی سے دوسری جنگ ہوئی جس میں ڈنمارک کو شکست ہوئی اور سلیسوگ ہالنس ٹائین کا قبضہ جاتا رہا اور تمام قوم پر ایک عام پستی اور مایوسی کا عالم چھا گیا اور قوم مردہ اور بے جان ہو گئی۔

سماجی تشکل ڈنمارک میں یہ ظاہر ہوئی کہ ۱۸۸۸ء میں جب کہ شاہی فرمان کے ذریعہ کاشتکاروں کو امرا و جاگیرداران کی غلامی سے نجات ملی تو انہوں نے زراعت کے خلاف ایک زبردست نفرت کا مظاہرہ کیا۔ ان میں ایک خاص تنفر اور ضد (Reaction.) پیدا ہوئی اور یہ لوگ زمین چھوڑ کر دوسرے ذرائع محنت و مزدوری کی تلاش میں شہروں کا رخ کرنے لگے چنانچہ ۱۸۸۰ء اور ۱۸۹۰ء کے درمیان پائے تخت کوپن ہاگن کی آبادی میں بحساب فی دس ہزار (۳۳۵) جانوں کا اضافہ ہونے لگا اور یہی حال دوسرے بڑے شہروں کا ہوا۔ شہروں کی جانب کاشتکاروں کے جانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک طرف تو زراعت کی حالت ابتر اور زمینیں بیکار ہو گئیں دوسری طرف ان شہروں میں نو وارد کاشتکاروں کیلئے

کوئی کام نہ نکلنے سے بیکاروں (Unemployed) کی تعداد میں خطرناک اضافہ ہوا جس کی تعداد ایک زمانے میں (۸۰) ہزار تک پہونچ گئی جو ایک ایسے ملک کے لیے جسکی مجموعی مردم شماری ۲½ ملین ہو بہت ہی زیادہ تھی۔ زراعت کی خرابی اور کثیر نفوس کی بیکاری سے ملک میں جو اقتصادی اور سماجی خرابیاں پیدا ہوسکتی ہیں وہ تمام نمایاں ہوگئیں، تعلیم کے فقدان کی وجہ سے کاشتکاروں پر جہالت کی تاریکی چھائی ہوئی تھی اور جہالت اور افلاس کے سبب سے ان کا طرز معاشرت اور طریقہ زندگی نہایت گرا ہوا تھا ایک عجائب خانہ میں میں نے دیکھا کہ منجملہ اور چیزوں کے ایک صد سالہ قبل کے کسان کے گھر کا اصلی نمونہ بھی بنایا گیا ہے۔ یہ ایک کمرے پر مشتمل ہے جس کا طول تقریباً (۱۲) فٹ اور عرض (۱۰) فٹ ہے مٹی کی دیوار اور سفال پوش چھت ہے۔ زمین پر پتھر کا فرش ندارد۔ اس مکان کی عام وضع قطع ہمارے یہاں کے موجودہ کسانوں کی جھونپڑیوں سے بہت ملتی جلتی ہے کوئی زیادہ فرق نہیں پایا جاتا۔ اس کمرے کے ایک حصہ میں کسان اور اس کے متعلقین سویا کرتے اور اسی میں پکاتے کھاتے اصول حفظان صحت اور صفائی سے ان کو مطلق واقفیت نہ تھی۔

الغرض آج سے ایک صدی قبل ڈنمارک کی یہ حالت تھی کہ تمام ملک سیاسی اقتصادی اور سماجی خرابیوں کا آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ ہر قسم کی امیدیں منقطع ہوگئیں تھیں اور سوائے بربادی کے اور کچھ نظر نہ آتا تھا۔

لیکن ایسے وقت میں جبکہ ظاہری حالات و اسباب تبلا رہے تھے کہ قوم مردہ ہوگئی اور ہمیشہ کے لیے فنا ہونے کو ہے۔ یکایک کایا پلٹ ہوگئی اور بمصداق ہذا ما وعدنا اللہ و رسولہ صادق ھیتا الیسا یہ مردہ قوم میں چند محبان قوم اور فدائیان وطن کمر ہمت باندھکر اٹھ کھڑے ہوئے اور ان کی قم باذن اللہ کی صدائیں فضائے ملک میں ایسی گونجیں کہ چند ہی روز میں سکتی ہوئی اور نیم جان بلکہ مردہ قوم میں یہ روح پھونکی کہ پھر یہ قوم از سر نو

زندہ ہوگئی اور اپنے پیروں آپ کھڑی ہوگئی اور ایسی کھڑی ہوئی کہ آج باوجود بیسیوں سیاسی اور اقتصادی انقلابات کے جو یورپ میں نمایاں ہوئے اس کو کوئی چیز ہلا نہ سکی اور آج وہی ڈنمارک ہمیں ایک نہایت مہذب تعلیم یافتہ۔ دولتمند ملک نظر آرہا ہے۔ ان بزرگان قوم نے یہ کوشش شروع کی کہ قوم میں تعلیم عام ہونی چاہیئے اور پھر یہ تعلیم ایسی ہو کہ قوم کو آزاد خیال اور عالم باعمل بنا سکے اور یہ کہ آئندہ قوم کی حفاظت اور استحکام کے لئے اہل قوم میں خدا۔ گھر اور وطن کی محبت پیدا کی جائے اور یہ کہ اصلاح کی بنیاد چھوٹے سے چھوٹے قصبہ میں ڈالی جائے نہ کہ بڑے شہروں میں ہی۔ اب میں ان اصلاحات اور ان کوششوں کو بیان کرتا ہوں جن سے ڈنمارک قعر مذلت و تباہی سے نکل کر شاہراہ ترقی پر لگا اور بالآخر ترقی کی معراج پر پہونچ گیا۔

جب کسی ملک و قوم کی بہتری اور بھلائی کا وقت آتا ہے تو متعدد اصلاحات شروع ہوتی ہیں اور وقت واحد میں سب کام کرتا اور اپنا اثر دکھانا شروع کرتی ہیں مثلاً سیاسی اقتصادی تعلیمی۔ سماجی وغیرہ ایسا ہی ڈنمارک میں ہوا کہ جب اس کی ترقی کا وقت آیا تو ان تمام اصلاحات کا آغاز ہوا اور وقت واحد میں یہ پہلو بہ پہلو کام کرنے لگے۔

سب سے پہلے میں سیاسی اصلاحات کا ذکر کرونگا اس کے بعد زراعتی پھر تعلیمی و سماجی انقلابات بیان کرونگا۔

(۱) ۱۷۸۴ء میں ڈنمارک میں جو پہلی سیاسی اصلاح عمل میں آئی وہ یہ تھی کہ بادشاہ نے اپنی خوشی سے شاہی وسیع زمینات کے ٹکڑے کرکے ملک کو دے دیئے تاکہ یہ رعایا میں تقسیم کردیئے جائیں اور یہ وہ زمینیں تھیں جو بیکار پڑے ہوئے تھے زیر کاشت آجائیں۔

(۲) دوسری عظیم الشان اصلاح ۱۷۸۸ء میں واقع ہوئی وہ یہ کہ حکومت نے قانون کے ذریعہ طریقہ زراعتی غلامی (Villainage) کو یک لخت بند کردیا اور ملکیت مطلقہ Freehold. کا طریقہ جاری کیا اگر آپ ڈنمارک جائیں تو وسط کوپن ہیگن میں ایک شاہراہ

ایک ستون کھڑا ہوا آپ کو نظر آئے گا۔ جو اس واقعہ کی یادگار میں نصب کیا گیا ہے اور جس پر یہ الفاظ کندہ ہیں" بادشاہ نے محسوس کیا کہ سیاسی آزادی افراد ملک کے دلوں میں ملک کی محبت۔ اس کی حفاظت کا جوش تعلیم کا شوق محنت سے دلچسپی اور ترقی اور آسایش کی امید پیدا کرتی ہے۔ اس لئے بادشاہ حکم دیتا ہے کہ "زراعتی غلامی" موقوف ہو اور قوانین حصول اراضی کی تنظیم کی جائے تاکہ آزاد کاشتکاروں کے حوصلے بڑھیں اور وہ بیدار مغز محنتی شریف اور خوش حال باشندے ہو جائیں"۔

اگرچہ نپولین کی لڑائیوں اور ڈینو جرمن جنگ کی وجہ سے ملک میں بہت سے سیاسی اور اقتصادی زلزلے آئے لیکن یہ اصلاحات کو روکنے کے بدلے قوت اور تیزی کیساتھ ان کے آگے بڑھنے کا سبب ہوتے گئے اگرچہ اٹھارویں صدی کے اختتام تک بہت سی ایسی اصلاحیں عمل میں آچکی تھیں کہ جن سے کاشتکاروں کی حالت بہت کچھ درست ہو گئی اور وہ حالت باقی نہ رہی جو سو سال قبل تھی۔ مثلاً "زراعتی غلامی" کا طریقہ مفقود ہو گیا۔ کسان جو ایک "زراعتی غلام" تھا مالک مطلق ہو گیا تاہم کسانوں کو پوری آزادی اور سیاسی حقوق بیسویں صدی میں حاصل ہوئے۔

سنہ ۱۸۳۰ء تک سیاسی قوت (Conservative Party) قدیم خیال کے لوگوں کے ہاتھ میں تھی اس سال سے (Liberal Party.) آزاد خیال پارٹی قائم ہوئی اور اُسنے سیاسیات کی اشاعت ملک میں شروع کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سنہ ۱۸۴۹ء میں بادشاہ نے "نیا دستور" (Constitution.) منظور کیا۔ اور غیر محدود شاہی ختم ہوئی۔

اس کے بعد دوسرا سیاسی انقلاب واقع ہوا یعنی سنہ ۱۸۶۴ء میں ڈینو جرمن جنگ واقع ہوئی جس میں ڈنمارک کو شکست ہوئی اور قوم کو اخلاقی۔ مالی اور سیاسی عظیم صدمہ پہونچا لیکن اس صدمے نے قوم کو پست ہمت کرنے کے عوض قوم میں ایک تازہ جان ڈالدی اور بہت بڑے سیاسی اور اخلاقی انقلاب کا باعث ہوا۔ اخلاقی انقلاب یہ ہوا کہ بہت سارے

قدیم رسوم توہمات اور خیالات یک لخت ترک کر دیے گئے۔ سیاسی انقلاب یہ عمل میں آیا کہ سیاسی قوت اب تک جو آزاد خیال ملک کے خوش حال اور ذی اثر اشخاص کے ہاتھ میں تھی ان سے لے لی گئی اور تاریخ ڈنمارک میں پہلی دفعہ کاشتکار سیاسی میدان میں آکھڑے ہوئے اور اپنے حقوق اور سیاسی قوت اور پارلیمنٹ کے داخلہ کے لئے باضابطہ اور منظم جنگ شروع کی۔ انہوں نے کہا کہ اس وقت تک سیاسی قوت تمہارے پاس رہی لیکن افسوس کہ تم اس کو عمدگی اور کامیابی سے کام میں نہ لا سکے۔ تمہاری پالیسی خصوصاً خارجی (Foreign) پالیسی ناکامیاب رہی۔ ملک پر جنگ کی مصیبت آپڑی اور ملک کا ایک حصہ ہاتھ سے گیا ہم اس وقت تک بے دخل رہے۔ ہماری حیثیت تماشہ بین کی رہی۔ لاؤ اب وہ سیاسی قوت ہمیں دو اور دیکھو کہ ہم کیا دکھاتے ہیں۔ ذرا ہماری قابلیت کو بھی دیکھو اور اگر تم یوں نہ مانو گے تو ہم تمہیں منوائیں گے اور سیاسی قوت تم سے لے کر رہیں گے۔

یہ سیاسی جد وجہد اس وقت سے ۱۹۱۵ء تک برابر جاری رہی اور بالآخر اس سال مساوی حقوق قوم کو ملے اور اس طرح کاشتکاروں کو بھی حکومت یعنی پارلیمنٹ میں داخل ہونے کا موقع ملا اور اب ڈنمارک میں سیاسی قوت بالکلیہ کاشتکاروں کے ہاتھ میں ہے اور پارلیمنٹ میں ان کی تعداد کثرت سے ہے۔

اس سیاسی جنگ کا حال جو ۱۸۶۴ء سے ۱۹۱۵ء تک مختلف پارٹیوں کے درمیان ڈنمارک میں جاری رہی اور جس میں کاشتکاروں نے بھی حصہ لیا اور کامیابی حاصل کی نہایت دلچسپ ہے لیکن طوالت کے خیال سے میں اس کو ترک کرتا ہوں۔

جس وقت ملک میں سیاسی ہیجان جاری تھا اور سیاسی اصلاحات اور انقلابات عمل میں آرہے تھے تو اس کے ساتھ ساتھ ہی کچھ لوگ ایسے بھی پیدا ہو گئے تھے جو زراعتی اصلاحات کی جانب متوجہ ہو گئے تھے اور اپنا کام کر رہے تھے۔ میں نے اس مضمون کے ابتدائی حصوں میں تفصیل سے فطری اور قدرتی موانع کا ذکر کیا ہے جو آج سے تقریباً ایک صدی

قبل ڈنمارک میں موجود تھے یعنی ملک کا دریا کے سیول کے تقریباً برابر ہونا۔ زمین کا کمزور ہونا ملک میں ریتیلے چٹیل میدانوں اور دلدلوں کا کثرت سے وجود سمندر کی بربادکن تندموجیں ذرائع آبپاشی کا فقدان۔ موسم کی خرابی وغیرہ اب میں بیان کرتا ہوں کہ ان مشکلات کا مقابلہ ایک ایک کرکے اہل ڈنمارک نے کس طرح کیا اور کیوں کر کامیابی حاصل کی اور (۵۰ یا ۶۰) سال کی مدت میں ڈنمارک کو یورپ کا بہترین زراعتی ملک قرار دیا۔

جب محبان قوم اور بہی خواہان ملک نے ملک کے ان قدرتی مشکلات اور اس خسارے پر غور کیا جو سلیوگ ہاسٹن کے جرمنی کے قبضے میں چلے جانے سے عاید ہوا تھا تو انہوں نے فوراً یہ رائے قائم کرلی کہ ملک کو ایسے بڑے وقت میں تباہی سے بچانے کی صرف ایک ہی صورت ہوسکتی ہے وہ یہ ہے کہ موجودہ زمین کو قابل کاشت کیا جائے اور ممکنہ ایکڑ اس کام میں لگایا جائے۔ اور اہل دہ خصوصاً طبقہ مزارعین کو جو شہروں کی طرف پریشان حال بھاگے جارہے ہیں پھر کاشت میں مشغول کیا جائے اور ان میں اور ان کی آنے والی نسلوں میں زمین کی محبت اور زمین کی قدر و قیمت پیدا کی جائے چنانچہ ان ہستیوں نے ایسا ہی کیا اور کامیاب ہوئے۔

جہاں آج سے (۵۰ یا ۶۰) سال قبل چٹیل میدان تھے وہاں آج لہلہاتے ہوئے کھیت اور بڑے بڑے درختوں کے گھنے جنگل نظر آتے ہیں اور ان میں جابجا ان بزرگ ہستیوں کی مورتیں دکھائی دیتی ہیں جنہوں نے اپنی عمریں اس کام کے لئے وقف کردی تھیں اور بلا کسی قسم کے اجر و صلے کے محض قوم کی نجات کے لئے اس مشکل کام کا بیڑا اٹھایا تھا۔

(۱) سب سے پہلے جو کام شروع کیا گیا وہ پرمیوک زمین اور دلدلوں اور ریتیلے میدانوں کو قابل کاشت بنانے کا تھا۔

اٹھارویں صدی کے وسط میں اس کام کا آغاز ہوا اور کئی آزمایشیں کی گئیں لیکن

ناکامیاب رہیں۔ مثلاً ان میں ایک آزمائش یہ تھی کہ حکومت کی مدد اور منظوری سے ۱۷۵۹ء میں ایک ہزار جرمن اس کام کے لئے بلوائے گئے اور پولینڈ ایک بہت بڑا رقبہ انہیں دیا گیا۔ ان کے لئے سرکاری طور پر مکانات بنائے گئے اور انہیں کہا گیا کہ یہاں آباد ہوں اور افتادہ زمین کو قابل کاشت بنائیں۔

اہل ڈنمارک کی یہ کوشش بے سود ثابت ہوئی۔ موسم اور آب و ہوا اور دوسرے پست کن خیالات سے جرمن بہت جلد گھبرا گئے اور روبفرار ہوئے۔ میں نے اپنے دورے میں ان مکانات کا معائنہ کیا جن کے اطراف و اکناف کی زمینات اب خود اہل ڈنمارک کی بعد کی کوششوں سے سبزہ زار بنے ہوئے ہیں اور ایک بہت بڑے تاریخی واقعے کو یاد دلاتے ہیں۔

اس کے بعد اور بہت سی کوششیں حکومت نے کیں لیکن سب رائیگاں گئیں یہاں تک کہ ایک نیا طبقہ پیدا ہوا جس کا رہنما اور لیڈر Colonal Delgasse کرنل بی ایم ڈیلیگاس تھا۔ اس گروہ کے تقریباً تمام لوگ وہ جو وہ سائنس سے واقف اور ماہر تھے اور انہوں نے از سر نو ایک باضابطہ جنگ شروع کی۔

کرنل ڈیلیگاس کو جو سرکاری فوج کا ایک انجینیر تھا حکومت نے حکم دیا کہ وہ پولینڈ میں ایک بڑی شاہ راہ کی تعمیر کرے جو پولینڈ کے بعض مشہور مقامات کو ملا سکے۔ ڈیلیگاس جب اس سڑک کی تعمیر میں مشغول تھا تو اس کے ذہن میں خیالات پیدا ہوئے کہ پھر گزشتہ کوششوں کے سلسلے کو شروع کرنا چاہیئے اور اس کام کے لئے ایک سوسائٹی قائم کرنی چاہئے جس کے اراکین اہل ملک ہوں اور بقدر ضرورت حکومت سے امداد لی جائے چنانچہ اس ارادے کو اس نے عملی جامعہ پہنایا اور ۱۸۶۶ء میں اس نے اور اس کے ساتھیوں نے جن میں قابل الذکر موریز۔ پیرسن۔ ڈاوسن اور مارول ہیں ایک سوسائٹی قائم کی اور اس کا نام (Danish Heath Cultivation Society. ڈینش ہیتھ کلٹیویشن سوسائٹی

رکھا۔ اس سوسائٹی کے مقاصد حسب ذیل قرار دیے گئے۔

(۱) ویران زمینات کو آباد کرنا اور جنگل میدانوں میں درخت لگانا

(۲) افتادہ اور کمزور زمینوں کو مختلف طریقوں سے قابل کاشت بنانا

(۳) دلدلوں کو خشک کرنا اور پیٹ (Peat.) کی صنعت کو فروغ دینا۔

(۴) آبپاشی کے ذرائع پیدا کرنا اور دریاؤں کے پانی کی سطح کو زمینات متصلہ سے نیچے کرنا۔

ابتداءً اس سوسائٹی کی مخالفت کی گئی چونکہ پچھلے تلخ تجربے ہو چکے تھے اس لئے اس سوسائٹی کے اغراض و مقاصد کو لوگوں نے بدگمانی سے دیکھا اور مضحکہ اڑایا لیکن ڈیلیگا کی شخصیت اور ہمت نے ملک کی مخالفت کو بہت جلد موافقت سے بدل دیا اور کسانوں کی ہمدردی حاصل کی اور ایک قلیل عرصے میں مزارعین اور دوسرے لوگ جوق جوق اس سوسائٹی کے رکن ہونے لگے۔

۱۹۱۰ء میں اراکین کی تعداد (۶۵۰۰) تھی اس وقت اس سوسائٹی کے (۱۶۰۰) اراکین ہیں اور ایک حصے کی قیمت (۵) روپیہ ہے۔ ہر ایک ممبر جتنے چاہے حصص خرید سکتا ہے۔ چنانچہ بعض اراکین ایسے ہیں جنہوں نے ہزار ہزار حصص خریدے ہیں۔ اس وقت سوسائٹی کی سالانہ آمد دو ملین کروڑ ہے۔

سوسائٹی کے قائم ہوتے ہی درختوں کے لگانے کی کارروائی شروع ہو گئی تھی اور سوسائٹی نے دو لاکھ دس ہزار ایکڑ کے رقبے پر جنگل لگانے کے کام کا ذمہ لیا تھا جن میں سے اس وقت تک ایک لاکھ (۶۵) ہزار ایکڑ پر درخت لگائے گئے ہیں ۱۸۸۵ء میں حکومت نے جب دیکھا کہ اسکیم کامیاب ہوا تو امداد دی۔ نئے درخت لگانے کے علاوہ سوسائٹی نے کم قیمت پر کسانوں اور خوش باش لوگوں کو درخت فروخت کئے تاکہ کسان اپنے کھیتوں کے اطراف خصوصاً اس جانب جدھر سے سمندر کی ہوائیں آکر

کاشت کو برباد کرتی تھیں ان درختوں کو لگائیں اور اس طرح ہواؤں اور کھیتوں کے درمیان ایک دیوار قائم کریں۔ کاشت باش افراد کو درخت اس لئے دیئے گئے کہ وہ اپنے احاطہ کے ساتھ باغ لگائیں۔ ان اغراض کے لئے کئی سال تک سالانہ (۱۰ یا ۱۲) ملین درخت سوسائٹی نے تقسیم کئے۔ ۱۸۹۶ء میں صرف پولینڈ میں افتادہ زمینات (۲۷) فیصدی تھیں اور اب (۸) فیصدی رہ گئی ہیں۔

اس کے ساتھ ہی سوسائٹی نے افتادہ اور بیکار زمینات کو قابل کاشت بنانے کی فکر شروع کی اس کے لئے ضروری تھا کہ زمین میں مختلف قسم کی کھاد ڈالی جائیں تحقیق سے یہ معلوم ہوا کہ ایسی زمینات کے لئے جو کسی قدر بلند اور خشک ہیں زیادہ کھاد کی ضرورت ہے اور وہ زمینات جو پست ہیں ان میں نائٹروجن (Nitrogen.) زیادہ ہے لیکن پوٹاش (Potash.) اور فاسفورس (Phosphorus.) کی کمی ہے۔ پس اس کے لئے پوٹاش جرمنی کے معدن سے جو کالی کہلاتا ہے حاصل کیا گیا اور فاسفورس فلاریڈا کے معادن سے منگوایا گیا اس کے علاوہ مقامی طور پر ایک چیز معلوم کی گئی جس کو مارل کہتے ہیں۔ جو ڈنمارک میں بکثرت پائی جاتی ہے۔ یہ ایک قسم کی چکنی مٹی ہے۔ جو (۱۰ یا ۷۰) فٹ کھودنے پر برآمد ہوتی ہے کہا جاتا ہے کہ اس میں (۵۵) فیصدی چونا شریک ہے۔ اسی مٹی کو افتادہ اور خراب زمینات پر پھیلایا جاتا ہے۔ اور ایک یا دو سال اس زمین کو اپنی حالت پر چھوڑ دیا جاتا ہے یہاں تک کہ یہ مارل زمین کا ایک جزو ہو جاتی ہے اس کے بعد پہلے سال معمولی کوئی چیز بوئی جاتی ہے جس سے زمین میں پوری قوت پیدا ہو کر اعلیٰ درجہ کی قابل کاشت زمین ہو جاتی ہے۔ اس وقت سوسائٹی نے دو ہزار سے زائد ایسے مقامات معلوم کر لئے ہیں جہاں سے مارل نکالی جاتی ہے۔ اس ناچیز نے مقام رندم میں ایک معدن کا معائنہ کیا جہاں سے مارل نکالی جا رہی تھی اور ریل کے ذریعہ سے مختلف مقامات بھیجی جا رہی تھی میں نے اس مقام اور مشین وغیرہ کا فوٹو لیا ہے۔ ایک مقام سے سالانہ کئی ملین ٹن مارل

نکالی جاتی ہے اور ارزاں قیمت پر کاشتکاروں کو جو سوسائٹی کے رکن ہیں تقسیم کیجاتی ہے۔ ایک پولینڈ میں تقریباً (۸) ہزار انجمنہائے امداد باہمی محض مارل کھودنے کے لئے قائم ہوگئی ہیں جس کے اراکین بکثرت کاشتکار ہیں۔ مارل کے نقل وحمل کے لئے (۷۶) خاص ریل ٹرمینوں کی تعمیر ہوئی ہے جس کا مجموعی طول (۳۱۸۷) میل ہے جو سوسائٹی اور گتہ دار مال سمجھی جاتی ہیں سنہ ۱۹۰۱ء سے ۱۹۲۳ء تک تقریباً پانچ ملین کیوبک میٹر مارل ان ریلوں کے ذریعہ سے مختلف مقامات پر پہنچائی گئی ہے یہ بات قابل ذکر ہے کہ مارل بہترین اور ارزاں ترین کھاد ثابت ہوئی ہے۔

تیسرا کام جو اس سوسائٹی نے شروع کیا وہ آبپاشی اور ڈرینج کا تھا۔ آبپاشی کے ذریعہ سے صدہا میل تک پانی پہنچایا گیا اور اسطرح ہزارہا ایکر زمین جو خشک اور افتادہ پڑی ہوئی تھی زیر کاشت آگئی۔ اور جہاں جہاں دلدل تھے وہاں کا پانی یا تو مختلف راستے نکال کر کاشت کے اغراض کے لئے بہا دیا گیا یا جہاں یہ ممکن نہ تھا وہاں پانی کو پمپ کر کے دلدلوں کو خشک کر دیا گیا اور زمین قابل کاشت کر دیگئی۔

زمین کا لیول سمندر سے چند ہی فٹ اونچا ہونے کی وجہ سے ڈنمارک کے دریا قوت سے نہیں بہتے بلکہ ان کی حرکت کمزور اور آہستہ ہوتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ دریاؤں کے بہاؤ کے راستے میں متعدد جھیلیں اور دلدل بن جاتے اور میلوں زمین تہ آب ہو کر برباد ہو جاتی۔ پس ان دریاؤں کے بہاؤ کو سائنٹیفک طریقوں سے سیدھے راستہ پر لگانا اور جہاں ضرورت ہو دریاؤں کے لیول کو زمینات سے نیچے کرنا بھی سوسائٹی نے اپنے پروگرام میں شریک کر لیا سنہ ۱۹۱۲ء تک دو لاکھ پچاس ہزار کروز کے صرفے سے (۱۴) ہزار (۵) سو ایکر رقبہ ان کاموں کے ذریعہ قابل کاشت کیا گیا جس سے ملک کی مال گذاری میں (۴۵) لاکھ کروز کا فائدہ ہوا سنہ ۱۹۱۲ء تک اس رقبہ میں اور اضافہ ہوا جملہ ایک لاکھ دو ہزار چھ سو نوے ایکر زمین قابل کاشت کی گئی۔

اس کے علاوہ سوسائٹی نے متعدد ایسے مراکز قائم کئے جہاں کے کاشتکاروں کو سائنٹیفک طریقوں سے کاشت کرنے کے طریقے بتلانا مقصود تھا۔ اس وقت تقریباً ایسے ۱۰ مرکز قائم ہیں۔

ان چیزوں کے علاوہ سوسائٹی نے بہت سے ذیلی امور بھی انجام دئے جن کا ذکر باعث طوالت ہوگا۔ البتہ ایک بات قابل ذکر ہے کہ سوسائٹی کو اگرچہ حکومت سے مدد ملتی ہے لیکن یہ بہت قلیل ہے اور اس وقت تک یہ ایک پبلک سوسائٹی ہے جسکا سب سرمایہ تقریباً پبلک فراہم کرتی ہے اور اس سوسائٹی کی عام نگرانی اور کارہ بارکی ذمہ چھوٹے ڈیلیگاس کے ذمہ ہے جو کرنل ڈیلیگاس سوسائٹی کے موجد کے بیٹے ہیں۔ اثنائے دورہ میں مجھے موجودہ ڈیلیگاس کی ملاقات کا اور ان کے ساتھ چائے نوشی کا فخر حاصل ہوا یہ ایک معمر شخص ہیں جن کی تقریباً (۷۰) سال کی ہے جنگل کے آباد کرنے اور اس کے متعلقہ کاموں سے ان کو جو شوق و شغف اور دلچسپی ہے اس سے ظاہر ہے کہ یہ شہر سے کئی میل دور ایک جنگل کے وسط میں جہاں بمشکل موٹر سے رسائی ہوتی ہے رہتے ہیں۔ مکان معمولی ہے لیکن نہایت آراستہ۔ اور تمام ضروریات زندگی سے مکمل ہے۔ باوجود اس پیرانہ سالی کے تو بھی اس قدر مضبوط ہیں کہ روزانہ کئی میل جنگل میں گشت لگانا ان کے لئے ایک معمولی بات ہے۔ چنانچہ جب حقیر ان سے ملنے گیا تو باتیں کرتے اور مختلف درختوں وغیرہ کو بتاتے ہوئے حقیر کے ساتھ تقریباً تین چار میل کا چکر انہوں نے لگا دیا اور کوئی تکان کے آثار ان پر نمودار نہیں ہوئے۔ حالانکہ اس وقت دھوپ خاصی تھی اور دوپہر کا وقت تھا اور صبح کو اپنا معمولی گشت لگا چکے تھے۔

اہل ڈنمارک اپنے ملک کے مشاہیر کی بڑی قدر و عزت کرتے ہیں چنانچہ کرنل ڈیلیگاس کی خدمات کی کماحقہٗ انہوں نے داد دی ہے جس شہر میں جائیے شاہراہوں اور شہر کے پبلک عمارات میں ان کے مجسمے اور تصویریں نظر آتی ہیں اور ملک کا بچہ بچہ جانتا ہے

کہ کرنل ڈیلیگاس کون تھے اور انہوں نے کیا کیا قومی کام کئے۔

جب قانون کے ذریعہ زراعتی غلامی کا طریقہ مسدود ہوا اور حکومت کاشتکار طبقے میں منتقل ہوئی تو انہوں نے ایک اور اصلاح کی وہ یہ کہ بڑی بڑی زمینات کے چھوٹے ٹکڑے کئے اور ان کو بطور ملکیت مطلقہ کے تقسیم کر دیا۔

جب ملک میں بیکاروں کی تعداد بڑھ گئی تو ایک انجمن قائم ہوئی جس کا نام سمانڈ سوسائٹی رکھا گیا ہے جو ابتک موجود ہے۔ اس سوسائٹی نے ملک کے بڑے زمینداروں سے جن کے قبضہ میں صدہا ایکڑ زمینات تھے کہا کہ تم بطور خود اپنے ایکڑ رقبہ جات پر عمدگی سے کاشت نہیں کر سکتے۔ اگر کرتے بھی ہو تو مزدوروں کے ذریعہ کرتے ہو جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نسبتاً آمدنی بہت قلیل ہوتی ہے۔ بہتر ہوگا کہ تم ان زمینات کو معقول قیمت پر ہمیں فروخت کر دو تاکہ ہم ان کے چھوٹے ٹکڑے کر کے ملک کے بیکاروں میں تقسیم کر دیں اور ان کو کام پر لگائیں۔ چونکہ ملک کے بڑے زمینداروں کا طبقہ اس وقت تعلیم یافتہ ہو گیا تھا۔ اور قومی ہمدردی ان میں پیدا ہو گئی تھی انہوں نے ایثار سے کام لیا اور اس بات کو مان گئے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۹۰۴ء سے ۱۹۲۷ء تک کئی ہزار ایکڑ زمین مل گئی اور بحساب ایک ہزار فی سال کے اس وقت تک (۲۷) ہزار بیکار کاشت کے نام سے لگا دئے گئے ہوتا یہ ہے کہ جب کبھی کوئی رقبہ بڑے زمیندار سے حاصل ہوتا ہے تو اس کو چھوٹے ٹکڑوں پر تقسیم کیا جاتا ہے۔ اور ہر ایک ٹکڑا ملک کے ایک بیکار کو فروخت کیا جاتا ہے اور یہ زمین اب اس کی ملک ہو جاتی اور وہ اس پر کاشت شروع کرتا اور کسان بن جاتا ہے۔

آپ سوال کرینگے کہ زمین خریدنے اور آلات کاشت اور جانور وغیرہ لینے کے لئے ان بیکاروں کے پاس روپیہ کہاں سے آتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جب یہ سمانڈ سوسائٹی قائم ہوئی ہے تو اس کے ساتھ ہی ملک میں ایک سوسائٹی قرضہ دینے کی بھی قائم ہوئی جس نے کثیر سرمایہ جمع کیا اور ان بیکاروں

آسان شرائط پر روپیہ قرض دینا شروع کیا۔ جو زمین کسی بیکار کو دیجاتی ہے اس کو وہ رہن کرکے روپیہ حاصل کرتا اور اس روپیہ سے زمین کی قیمت ادا کرتا ہے آلات زراعت اور جانور خریدتا اپنے لئے مکان بناتا ہے۔

اس وقت ملک میں اس قسم کی کئی سو سائیٹیاں قائم ہیں۔ ان میں سے ایک سوسائٹی کا ناچیز نے بھی معائنہ کیا ہے۔ ان سوسائیٹیوں کا طریقہ عمل اور قواعد بہت سبق آموز اور دلچسپ ہیں لیکن طوالت کے خیال سے میں اس وقت تفصیل سے عرض کرنا مناسب نہیں سمجھتا۔ اس کے علاوہ حکومت بھی قرض دیتی ہے۔ جو کسان حکومت کی مدد لیتے ہیں وہ (State small holders.) کہلاتے ہیں اور جو سوسائٹی سے مدد لیتے ہیں وہ نیچورل ہولڈرس (Natural holders.) کہے جاتے ہیں۔ اس وقت ڈنمارک میں تین قسم کے کسان ہیں جن کے پاس کئی سو ایکر سے زائد زمین ہو وہ بڑے کسان کہے جاتے ہیں۔ جن کے پاس سو سے بیس ایکر تک زمین جن کے قبضے میں ہو متوسط کسان (۲۰ سے ۱۲) ایکر تک زمین رکھنے والے چھوٹے کسان یعنے نیچورل ہولڈرس کہلاتے ہیں۔ بڑے کسانوں کی تعداد اب بہت کم رہگئی ہے اور روز بروز کم ہوتی جاتی ہے کیونکہ وہ اپنے زمینات فروخت کر رہے ہیں۔ متوسط اور چھوٹے کسانوں کی تعداد بکثرت ہے۔ ڈنمارک میں تین ایکر تک زمین دیجاتی ہے اس سے چھوٹا ٹکڑا بالعموم نہیں ہوتا۔

زمینداری کا طریقہ مسدود کر دینے اور چھوٹے فارم (Farm) قائم کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر ایک کاشت کار کو حق ملکیت مطلقہ پیدا ہوا اور اس کو آزادی اور دلچسپی سے کام کرنے کا موقع ملا۔ اور دولت کی تقسیم اچھی ہوئی۔

ہر وہ شخص جو زمین خریدتا ہے اس پر لازم ہوتا ہے کہ زمین لیتے ہی تین قطعات ممکنہ کے تعمیر کرے۔ ایک تو چھوٹا مکان اس کے رہنے کا ہو۔ دوسرا گدام اور تیسرا جانور رکھنے کا کوٹھا (Shed.) ہو محکمۂ زراعت کی جانب سے اسٹانڈرڈ پلان بنادئے

ہیں اور ہر کسان کو امکنہ ان اسٹانڈرڈ پلان کے موافق بنانے پڑتے ہیں کسان من مانے مکان نہیں بنا سکتے۔ اثنائے دورہ میں حقیر نے کئی چھوٹے کسانوں کے کھیتوں اور امکنہ کا معائنہ کیا۔ اور دو تین متوسط کسانوں سے بھی ملاقات کی مثال کے طور پر ایک چھوٹے کسان کی کیفیت جو ہارس سے قریب رہتا ہے عرض کرتا ہوں۔ اس شخص کے پاس (۱۰) ایکر زمین ہے۔ اور اس نے ابتداءً سوسائٹی سے (۱۸) ہزار کرونر بطور قرض حاصل کئے اور زندگی شروع کی جس سے (۸) ہزار (۵) سو کرونر کے امکنہ تعمیر کئے۔ (۷) ہزار (۵) سو کرونر زمین کی قیمت ادا کی اور دو ہزار کرونر کے آلات اور مویشی خریدے۔ اس کے پاس (۷) گائیں (۳) گھوڑے (۲۰) سور اور (۲۰) مرغیاں ہیں۔ سب کام میاں بیوی کرتے ہیں البتہ خاص موقع پر ایک مزدور مدد کے لئے رکھ لیتے ہیں۔ ان کی آمدنی تقریباً ڈھائی ہزار کرونر ہے۔ ان کے رہنے کا مکان اگرچہ چھوٹا ہے لیکن نہایت آراستہ اور صاف پاک ہے۔ ڈرائنگ روم۔ کھانے کا کمرہ۔ سونے کا کمرہ سب ہی بہت نہایت سلیقے اور قرینے سے سجائے ہوئے ہیں۔ ایک چھوٹی سی لائبریری بھی ہے جس میں ایک طرف ٹیلیفون اور دوسری طرف براڈ کاسٹنگ مشین رکھا ہوا ہے۔

ناچیز نے تقریباً (۲۵) ایسے چھوٹے کسانوں کے امکنہ دیکھے اور سب میں ٹیلیفون اور براڈ کاسٹنگ مشین پائے۔ اسی مقام ہارس کے قریب ایک متوسط کسان کے مکان اور کھیت کا حقیر نے معائنہ کیا اس شخص کے پاس (۸۰) ایکر زمین ہے۔ (۲۵) گائیں اور تقریباً (۱۰۰) سور اور (۶) گھوڑے ہیں اس کی سالانہ آمدنی دس ہزار کرونر ہے اور کہا گیا ہے کہ بعض سال ۱۵ ہزار کرونر بھی ہوتی ہے۔ مکان اس قدر اعلیٰ درجہ کا اور اتنا آراستہ ہے کہ شاید ہمارے یہاں کے بڑے بڑے امرا کو بھی نصیب نہ ہو۔

اب میں مینیباتیں ڈنمارک کے انجمن امداد باہمی Co-operative system کے متعلق بھی عرض کرونگا ورنہ میرا مضمون تشنہ رہجائیگا۔ ڈنمارک کے کوآپریشن کے

حالات اس قدر طولانی ہیں کہ وہ بجائے خود ایک مضمون ہو سکتے ہیں۔ لیکن میں ایک مختصر خاکہ آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ دنیا میں جب کوآپریشن کی تحریک شروع ہوئی تو ڈنمارک پہلا ملک تھا جس نے اس تحریک کا بڑے جوش کے ساتھ خیر مقدم کیا۔ اہل ڈنمارک خوب سمجھ گئے کہ ملک کی پیداوار بڑھانے اور پھر اس کو آسانی سے فروخت کرنے کا بہترین طریقہ تحریک کوآپریشن امداد باہمی ہے۔ پس انہوں نے اس چھوٹے سے ملک میں کوآپریشن کا جال بچھا دیا۔ اس وقت ڈنمارک میں کئی ہزار انجمنہائے امداد باہمی ہیں جن کے اراکین کی تعداد لاکھوں تک پہونچ گئی ہے اور جو زیادہ تر کسان ہیں۔ ان سوسائیٹیوں کا سرمایہ کروڑوں کروڑوں تک پہونچتا ہے اور اسی طرح کروڑوں کروڑوں کی خرید و فروخت ہوتی ہے۔ المختصر اس وقت کوآپریشن کی حالت اس ملک میں یہ ہے کہ تقریباً ہر ایک کسی نہ کسی انجمن کا رکن ہے اور اپنے تمام ضروریات زندگی انجمن امداد باہمی کے اسٹور سے خریدتا ہے۔ اور روپیہ قرض لینا ہو تو (Credit Co-operative Society.) سے لیتا ہے۔ تخم انجمن تقسیم تخم (Co-operative seed supply Society) سے اور کھاد (Manure Asso) Co-operative اور چارا (Fodder Association.) Co-operative سے سمنٹ (Cement Association) سے اپنے گھر کی بجلی انجمن امداد باہمی برقی سے حاصل کرتا ہے۔

اسی طرح جب وہ اپنی پیداوار فروخت کرنا چاہتا تو وہ اپنا دودھ۔ دودھ گھر (Co-operative Dairy.) کو اپنے سور امداد باہمی کے مسلخ کو انڈے (Danish Co-operative Agency) کو اور اپنے مویشی کو (Co-operative egg store.) (of Cattle Export.) کو بھیجتا ہے اور اپنی سالانہ بچت کو اپر پیٹو سیونگ بنک میں جمع کراتا ہے

اگرچہ ڈنمارک میں امداد باہمی کی تحریک ایک یونیورسٹی کے تعلیم یافتہ شخص نے ڈالی لیکن اس وقت سے آج تک اس کی اشاعت اور تعلیم و تلقین کسانوں نے اور خصوصاً چھوٹے کسانوں نے اور ابتدائی مدارس کے معلمین اور صناعوں نے کی۔ ملک میں اس تحریک کی کامیابی کا سہرا انہیں کے سر ہے۔

چاہیئے تھا کہ اور تفصیل کے ساتھ تحریک امداد باہمی کے متعلق میں عرض کرتا لیکن قلت وقت مجھے مجبور کرتی ہے کہ اس مختصر اور نامکمل بیان پر اس مضمون کو چھوڑوں اور اب تعلیمی اصلاح کا ذکر کروں۔

متذکرہ بالا سیاسی اور زرعی اصلاحات کی سماعت کے بعد یقیناً آپ نے سمجھ لیا ہوگا کہ ایک جاہلوں کے ملک میں اس قسم کی اصلاحات ممکن نہیں نہ تعلیم یافتہ ہوگا اگر آپ نے یہ خیال فرمالیا ہے تو آپ کا یہ خیال صحیح درست نہیں۔ جس وقت کہ ملک میں سیاسی اور زراعتی اور اقتصادی اصلاحات کی ابتدا ہوئی تو تعلیم میں اشاعت کا سلسلہ بھی شروع ہوا اگر میں یہ کہوں تو غلط نہ ہوگا کہ دوسرے تمام تحریکات اس تعلیم کے آغوش میں پلے اور پھولے پھلے۔

ڈنمارک کے تعلیمی اصلاحات کا بیان اس قدر طولانی ہے کہ ضخیم کتاب لکھی جاسکتی ہے چنانچہ اس ناچیز نے اب اس کام کا آغاز کیا ہے اگر خدا صحت، قوت اور مدد دے تو بہت جلد اس کتاب کو اہل ملک کی خدمت میں پیش کرے یہاں مضمون کی تکمیل کے لئے ایک نہایت ہی مختصر خلاصہ پیش کرتا ہے۔

میں نے ابھی اوپر عرض کیا ہے کہ ڈینو جرمن جنگ کے بعد قوم پر ایک عام پستی طاری ہوگئی۔ اور قوم مردہ ہوگئی تھی اور ایسے وقت میں چند خیر خواہان ملک نے قوم کی نجات کا بیڑہ اٹھایا تھا۔ ان لوگوں میں چند ایسے بھی نکلے جنہوں نے قومی تعلیم کا ذمہ لیا اور اپنی عمریں محض اس کام کے لئے وقف کردیں۔ اس گروہ کا لیڈر اور ہادی دو

ہستی تھی جس کا نام آج ڈنمارک کے ہر مرد و عورت اور بچہ کے ورد زبان ہے۔ اور جس کی تصاویر اور تین ڈنمارک کے ہر مقام پر نظر آتی ہیں یعنی بشپ گرانڈوگ اس نئے ڈنمارک کیلئے ہی کام کیا جو ایک ہندی سی مردہ قوم کے لئے کر سکتا ہے۔

بہر حال اس گر [illegible] سمجھ لیا کہ ملک میں سیاسی اقتصادی زراعتی اور سماجی اصلاحات اسی وقت کامیاب ہو سکتے ہیں جبکہ اہل ملک ان کے [illegible] سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کے قابل ہو جائیں اور اہل ملک میں یہ صلاحیت پیدا کرنے کا صرف ایک ذریعہ ہے وہ یہ کہ ملک کا ہر مرد عورت اور ہر بچہ تعلیم یافتہ ہو۔ ملک میں تعلیم کی اشاعت کے لئے جو کوششیں انہوں نے کیں اور اس کا حال میں ترک کرتا ہوں صرف یہ بتاتا ہوں کہ ان کوششوں کا نتیجہ کیا برآمد [illegible] ڈنمارک کا تعلیمی [illegible] کیا ہے۔

وہ مدارس [illegible] جنہوں نے ملک کو اس حالت ترقی پر پہونچایا اور مزارعین کی نجات کا باعث ہوئے حسب ذیل ہیں:۔

(۱) مدارس ابتدائی دیہی۔

(۲) [illegible] ہائی اسکول۔

[illegible] زراعتی مدارس۔

(۴) دیہی مدارس۔

(۵) چھوٹے کسانوں کے مدارس۔

(۱) مدارس ابتدائی دیہی یہ مثل ہمارے ابتدائی مدارس کے ہیں لیکن فرق اتنا ہے کہ مضامین نصاب کے اعلیٰ درجہ کی تعلیم دینے کے علاوہ ابتدائی زراعتی مسائل ایسی عمدگی سے طلبہ کو سمجھاتے ہیں کہ طلبہ کے قلوب میں زراعت کا شوق بچپن ہی سے پیدا ہو جاتا ہے۔ اور وہ مثل ہمارے طلبہ کے ختم تعلیم پر اپنے آباؤ اجداد کے پیشہ زراعت کو خیرباد کہہ کر سرکاری ملازمت کی حرص و ہوس میں مبتلا نہیں ہوتے بلکہ ابتدائی تعلیم ختم

کرتے ہی زراعت میں مشغول ہو جاتے ہیں:

ڈنمارک میں ابتدائی تعلیم جبری ہے۔ (۷ سے ۱۴)۔ ہر بچہ کو مدرسہ جانا لازم ہے۔

(۲) فوک ہائی اسکول خاص ڈنمارک کی ایجاد ہیں کا موجد (Bishop Grundtvig) بشپ گرنڈوگ تھا۔ یہ مدارس تعلیم بالغاں کے لئے ہیں گرنڈوگ نے یہ دیکھا کہ جبری تعلیم کا زمانہ ختم کرکے بچے (۱۴) سال کی عمر میں چلے جاتے اور دنیا کے دھندوں میں لگ جاتے اور سب پڑھا پڑھایا چند سال میں بھول جاتے ہیں تو پھر ان میں کسی بات کو سمجھنے کا مادہ باقی نہیں رہتا اس لئے ضروری ہے کہ پھر ایک دفعہ کچھ مدت تک انہیں مدارس میں لایا جائے اور چند مفید اور عملی امور کی تعلیم انہیں دے کر اس غرض کی تکمیل کے لئے وہ مدارس قائم کئے گئے۔

اب طریقہ یہ ہے کہ ابتدائی تعلیم ختم کرنے کے بعد کسانوں کے بچے (۱۴) سال کی عمر میں واپس جا کر اپنے اولیا اور والدین کے ساتھ (۱۸) سال کی عمر تک زراعت کرتے ہیں اور پھر اٹھارویں سال فوک ہائی اسکول میں شریک ہو کر بقیہ تعلیم پاتے ہیں۔ یہ تمام مدارس خانگی ہیں اور سب بورڈنگ اسکولس ہیں جہاں طلبہ اور اساتذہ مع اپنی بیبیوں کے مثل ایک خاندان کے رہتے ہیں سب مضامین کی تعلیم تقریباً زبانی ہوتی ہے کتب مقرر نہیں۔ زیادہ تر لکچرز اور مکالمے کے ذریعہ تعلیم ہوتی ہے۔ مضامین ذیل مروج ہیں:۔

(۱) تاریخ	(۲) سائنس۔
(۳) ڈینش۔	(۴) جغرافیہ۔
(۵) حفظان صحت	(۶) زراعت و فلاحت
(۷) پولیٹیکل سائنس۔	(۸) موسیقی۔

(۹) ورزش جسمانی۔

ان مدارس میں عملی زراعت نہیں سکھائی جاتی چونکہ (۴) سال تک طلبہ عملی زراعت کر آتے ہیں اس لئے سمجھ لیا جاتا ہے کہ طلبہ عملی زراعت سے بخوبی واقف ہیں صرف زراعت کے سائنٹیفک طریقے بتائے جاتے ہیں۔

تعلیم ورزش جسمانی پر بہت زور دیا جاتا ہے۔ اور ہر مدرسہ میں جمنازیم ہال موجود ہے اس کے علاوہ ہر ہفتہ مختلف مضامین پر بحث ہوتی ہے مثلاً اثنائے دورہ میں جب ایک فوک ہائی اسکول پر پہنچے ہوئے تو دیکھا کہ مہاتما گاندھی پر لکچر ہو رہا ہے دوسرے مدرسہ میں لیگ آف نیشن پر بحث ہو رہی تھی یہ مدارس مزارعین کیلئے مخصوص ہیں (۱۰) ہر مدارس اور ہر مدرسہ خانہ داری محض اس غرض کی تکمیل کے لئے ہیں کہ نوجوان لڑکیوں کو سائنٹیفک اصول زراعت سے واقف کیا جائے یہاں بھی کم و بیش وہی مضامین پڑھائے جاتے ہیں اور تعلیم کا وہی طریقہ ہے جو فوک ہائی اسکول میں ہے۔

(۵) اسمال ہولڈرز اسکولس۔ یہ مدارس چھوٹے کسانوں کے لئے ہیں ان کا کورس ۲ سال ہے عمر کی قید نہیں (۱۸) سے (۴۰) سال تک کا کسان ان میں شریک ہو سکتا اور تعلیم پا سکتا ہے۔ ان مدارس کی غرض و غایت یہ ہے کہ چھوٹے کسانوں کو سائنٹیفک اصول زراعت سے واقف کر دیا جائے اور بعض ایسی چیزیں سکھائی جائیں کہ ان کے لئے مزید آمدنی کا ذریعہ ہو سکے۔ چنانچہ سوائے ڈینش تاریخ۔ حفظان صحت۔ ورزش جسمانی وغیرہ کے شہد کی مکھیوں کو پالنا۔ خرگوش کی پیدائش مرغی کے انڈے بٹھانا سکھایا جاتا ہے۔

یہ ہیں مختصر حالات مزارعین کی تعلیم کے جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ آج ڈنمارک کا کسان نہایت حفاکش۔ روشن خیال محنتی۔ دیانتدار۔ مہذب۔ خوش حال باشندہ نظر آتا ہے۔

یہ امر مسلمہ ہے کہ آج دنیا میں سوائے ڈنمارک کے کوئی ملک ایسا نہیں جو فخر کر سکے کہ اس نے تعلیم کے ذریعہ ملک میں ایسا شائستہ اور قانع طبقہ مزارعین کا پیدا کیا ہو جیسا ڈنمارک نے کیا۔ اس بارے میں ڈنمارک کو جو خاص امتیاز حاصل ہے اور خوب یاد رکھنے قابل ہے وہ یہ ہے کہ اس ملک میں تعلیم نے اب دیہات کی زندگی کو کاشتکاری سے متنفر نہیں کیا بلکہ اس کے علیس ان میں زراعت کی محبت پیدا کی اور ان کو تعلیم یافتہ اور روشن خیال کسان بنایا۔ ان میں ملاحیت پیدا کی کہ وہ کاشت کے قدیم طریقوں کو ترک کریں اور جدید طریقے اختیار کریں اور زمانے کے بدلتے ہوئے حالات کے موافق اپنی طرز روش اور طرز معاشرت میں تبدیلی کرتے رہیں۔

اب مختصراً سماجی حالات بیان کرتا ہوں اور اس پر [illegible] کرتا ہوں

مزارعین کو دیہات میں ان کی زمینات پر مستعد [illegible] کے لئے صرف دو ذریعے ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ ان کو وہ تمام راستے بتلا دیئے جائیں جس سے کہ وہ بآسانی اپنے آپ کی مناسبت سے کافی آمدنی پیدا کر سکیں تاکہ پیشہ زراعت ان کے لئے نفع بخش ثابت ہو دوسرے یہ کہ سوائے کام کے کچھ ایسے اسباب دلچسپی [illegible] کے لئے پیدا کئے جائیں کہ جن کے ذریعہ سے فرصت کے وقت یہ لوگ اپنا دل بہلا سکیں۔ [illegible] خاطر انہیں شہروں کا رخ نہ کرنا پڑے۔ ڈنمارک کے رہنمایان قوم نے اس بات کو خوب سمجھا اور ایسے سماجی اصلاحات جاری کئے کہ ڈنمارک کے طبقہ مزارعین کے لئے دیہات ہی میں اسباب دلچسپی فراہم ہو گئے اور یہ لوگ شہروں کے محتاج نہ رہے۔

ڈنمارک کے اس وقت ہر گاؤں میں ادبی سوسائٹیاں قائم ہیں جو فوک ہائی اسکول کے تعلیم یافتہ کسانوں نے قائم کی ہیں۔ ہر کاشتکار جو فوک ہائی اسکول یا زراعتی مدرسہ کی تعلیم ختم کر کے اپنے گاؤں کو واپس ہوتا ہے تو وہ اس سوسائٹی کا رکن ہو جاتا ہے ہر ہفتہ جلسے ہوتے ہیں تمام گاؤں کے سب کسان اور ان کی عورتیں ان میں [illegible]

مختلف ادبی سیاسی اور اقتصادی مسائل پر تقریریں اور مباحثے کرتے ہیں۔

اس کے علاوہ موسیقی (Musical) سوسائٹیاں بھی قائم ہیں جہاں ہفتے میں چند روز گانا بجانا اور مختلف تماشے ہوتے ہیں جس میں سب گاؤں کے ذکور واناث شریک ہوتے ہیں۔ ڈنمارک کے مدارس میں علم موسیقی پر بہت زور دیا جاتا ہے۔ اور اس کی تعلیم مکمل طور پر دیجاتی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس ملک کا تقریباً ہر باشندہ علم موسیقی سے ایک حد تک واقف ہو جاتا ہے۔

ان چیزوں کے علاوہ سال میں کئی ایسی تقریب منائی جاتی ہیں جو اہل پیشہ کے دلچسپی کا باعث ہوتی ہیں مثلاً (Harvest Festival) ہارویسٹ فیس ٹیول درو کی تقریب۔ جب کسان نیا غلہ گوداموں میں بھر لیتے ہیں تو آپس میں دعوتیں بجا لاتے ہیں اور اس موقع پر ہر میزبان اپنے مکان کو حیثیت اور سلیقے کے موافق سجاتا ہے۔ مہمان مرد عورتیں گاتے بجاتے میزبان کے مکان پر پہونچتے ہیں اور میزبان کی بی بی فراخ دلی سے ان کی ضیافت کرتی ہے۔ اور کھانے پینے کے بعد دیر تک ناچنا اور گانا بجانا جاری رہتا ہے۔ اسی طرح مہینے میں ایک دن جو بازار کا دن کہلاتا ہے۔ بوشی سے منایا جاتا ہے۔ اشیاء اور مویشی کی فروخت کے علاوہ کثرت سے اسپورٹس اور تماشے ہوتے ہیں۔

مہمان نوازی میں ڈنمارک کے کاشتکار اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ ہر شخص کے لئے ان کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہتا ہے۔ مثلاً ایک روز کا واقعہ ہے کہ صبح (۹) بجے سے ایک (۱) بجے تک حقیر نے چار کسانوں کے اکمنہ اور کھیتوں کا معائنہ کیا ہر جگہ حقیر کی تواضع قہوہ اور کیک بسکٹ سے کیگئی۔ چونکہ یہ لوگ خلوص اور محبت سے تواضع کرتے ہیں اس لئے انکار ممکن نہیں۔ انکار کرنا گویا میزبان کی تذلیل کرنا ہے اس لئے مجبوراً حقیر کو ہر جگہ قہوہ نوشی پر سر کرنا پڑا جب کہ اخیر میں حقیر نے بری طرح بھگتا۔

علمی مشاغل کی سرپرستی کے ساتھ ورزش جسمانی کا بھی دیہاتوں میں معقول انتظام کیا گیا ہے۔ ہر دو تین قصبوں کے درمیان جمنازم بنا دیئے گئے ہیں۔ ہفتہ میں دو تین دفعہ کسان یہاں جاتے اور ورزش کرتے ہیں۔ جمنازیس میں یہ نظارہ معمولی ہے کہ نوجوان کسانوں کے ساتھ معمر چالیس، پچاس سال کے ڈاڑھی والے بھی ورزش کرتے کھیلتے کودتے دکھائی دیتے ہیں۔

اس کے علاوہ چند سال قبل ضرورتاً ملک میں شارپ شوٹرس ایسوسی ایشن (Sharp hooter's Association) قائم کئے گئے یہ خاص ڈنمارک کی ایجاد ہیں یورپ کے کسی اور شہر میں ان کا وجود نہیں کسان ان انجمنوں کے ممبر ہوتے اور یہاں سب جمع ہو کر نشانہ اندازی کی مشق کیا کرتے تھے۔ اب ان کی غرض و غایت کسی قدر بدل گئی ہے اور اب یہ زیادہ تر ایک قسم کے کلب خانہ کا مرکز سمجھے جاتے ہیں۔ نشانہ اندازی ضمناً رہ گئی ہے۔

کسانوں کے لئے جو ورزش جسمانی اور نشانہ اندازی وغیرہ کے انتظامات کئے گئے اس میں علاوہ اس کے کہ ان کے لئے مشغلہ پیدا کیا جائے یہ راز بھی مضمر ہے کہ ڈنمارک بوجہ قلت آمدنی ایک بڑی فوج کیلئے کثیر اخراجات کا بار نہیں اٹھا سکتا اس کی فوج اس وقت صرف دس ہزار ہے خطرے کے وقت یہ قلیل فوج کافی نہیں ہو سکتی اس لئے اہل ملک کو ہمیشہ ورزش اور فوجی کرتب کے ذریعہ سے تیار کیا جاتا ہے چنانچہ گذشتہ جنگ عظیم کے زمانہ میں اگرچہ ڈنمارک نے عملی طور پر حصہ نہیں لیا لیکن احتیاطاً کئی لاکھ فوج تیار کر لی تھی۔

اب آخر میں یہ عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ ان تمام اصلاحات نے جن کا ذکر ابھی آپ نے سماعت فرمایا۔ اہل ڈنمارک کو بعض ایسے صفات سے متصف کر دیا ہے جو اسلامی کہی جا سکتی ہیں۔ اور جو ایک زمانہ میں مسلمانوں میں موجود تھیں ان میں سے صرف دو کا ذکر کرتا ہوں

پہلی صفت مساوات ہے اس ملک میں امیر و غریب سب برابر سمجھے جاتے ہیں اور وہ نخوت و تکبر جو یورپ کے دوسرے بعض ممالک میں نظر آتا ہے یہاں اس کی بو باس بھی نہیں پائی جاتی۔ اگر کوئی مالدار یا معزز شخص کسی معمولی مزدور سے بھی ملتا ہے تو نہایت تپاک اور خوش خلقی کا اظہار کرتا ہے۔ ایک دوسرے کے لئے ٹوپی اٹھا کر تعظیماً جھکاتا ہے۔ اگر آپ ڈنمارک تشریف لیجائیں تو ریل سے اسٹیشن پر اترتے ہی کسی قلی سے بغیر ٹوپی اتارے سامان اٹھانے کی فرمائش کریں تو وہ مطلق اعتنا نہ کریگا اور غور سے آپ کی صورت دیکھے گا۔ اور بغیر کچھ کہے سنے کے چلا جائیگا۔ لیکن یہ خیال رہے کہ باوجود ان مساوات کے آداب افسری و ماتحتی اور سن و سال کا پورا لحاظ رکھا جاتا ہے چونکہ ہر تعلیم یافتہ اس امر سے واقف ہے اس لئے وہ مساوات اور بہبود و گستاخی اور بے ادبی میں امتیاز رکھتا ہے۔ اور نظم حکومت یا سوسائٹی کو بگڑنے نہیں دیتا

دوسری صفت ہمہ گیر آپس کی ہمدردی ہے۔ ہمدردی کا مادہ اس قوم میں اس درجہ کمال کو پہونچا ہے کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم ایک دوسرے کے لئے زندہ ہیں ڈنمارک کی کامیابی کا یہی راز ہے کہ ساری قوم کے اغراض و مقاصد ایک ہیں شخصی نقصان قومی نقصان شخصی نفع قومی نفع سمجھا جاتا ہے۔

یہ ہے مختصر کہانی ایک چھوٹے سے ملک کی جس نے اپنی ذاتی محنت مشقت استقلال ایثار سے ایک دو نسلوں میں گمنامی سے نام پیدا کیا اور ایسی شہرت حاصل کی کہ آج اہل یورپ اور امریکہ کی آنکھیں اس پر لگی ہوئی ہیں اور یہ ملک ان کے لئے مشعل ہدایت بنا ہوا ہے۔ ان ممالک کے لاکھوں باشندے ہر سال اس ملک میں آتے اور سبق سیکھتے ہیں فقط۔

شذرات

مسٹر سی۔ین۔ واڈیا نے جو اپنے فیاضانہ عطیات کے لئے بھی مشہور ہیں حال ہی میں ڈکن ایجوکیشن سوسائٹی کو ایک لاکھ روپیہ کا عطیہ اس غرض سے دیا ہے کہ اس رقم سے فرگوسن کالج پونہ کے لئے ایک کتب خانہ قائم کیا جائے۔

انگلستان میں اگست ۱۹۲۷ء میں موٹروں کی تعداد (۱۸۸۰۰۰۰) تھی اور یہ جنوری ۱۹۲۷ء لغایۃ اگست ۱۹۲۷ء ان موٹروں سے جملہ (۲۱ ملین پونڈ) ۳۲۲۵۰۰۰۰ کروڑ روپیہ ٹیکس وصول ہوئے۔

سر جارج نیومن میڈیکل آفیسر بورڈ آف ایجوکیشن انگلستان کے چیف میڈیکل آفیسر نے اپنی سالانہ رپورٹ میں لکھا ہے کہ انگلستان کے بچوں کی عام صحت بہ نسبت بیس سال قبل کے بہت بہتر ہوگئی ہے۔ قد و قامت اور وزن زیادہ ہوگیا ہے۔ اس وقت کے بچے زیادہ قوی اور بلند قد اور وزنی پائے جاتے ہیں اور ان کی غذا بھی کافی اور اچھی ملتی ہے۔

اسی رپورٹ میں صاحب موصوف سفارش کرتے ہیں کہ بچوں کے لئے کھیل کے میدانوں کا معقول انتظام ہونا چاہیئے اور مدارس میں حفظان صحت کی تعلیم پابندی سے دی جانی چاہیئے۔

دامے کن بی اے بی ایل رنگون کی ایک خاتون عدالت العالیہ رنگون کی اسسٹنٹ رجسٹرار مقرر ہوئی ہیں۔ یہ پہلی خاتون ہیں جو رنگون یونیورسٹی سے بی ایل کا امتحان پاس ہو کر رجسٹراری کی خدمت پر مامور ہوئی ہیں۔

نقل مراسلہ صدر دفتر نظامت تعلیمات اعلیٰ ممالک محروسہ سرکار عالی واقع ۵ مہ دے ۱۳۳۷ف

نشان ۲۵۸

مقدمہ

منجانب ناظم تعلیمات سرکار عالی خریدی رجسٹر مطبوعہ مدارس سرکار عالی

خدمت صدر مہتمم صاحبان و صدر مہتمم صاحبہ علاقہ ھذا

نگارش ہے کہ محکمۂ سرکار صیغۂ فینانس نے ذریعہ مراسلہ نشان (۲۰۳/۲۰۴) مورخہ ۲۵ آذر ۱۳۳۷ف حسب سالگذشتہ مدارس شاہی و لوکلفنڈ سرکار عالی کیلئے مطبوعہ رجسٹرات تیار کردہ اعظم اسٹیم پریس خریدنے کی منظوری صادر فرمائی ہے پس براہ کرم ۱۳۳۷ف و ۱۳۳۸ف میں مدارس مذکور کے رجسٹرات مطبع مذکور سے خریدے جائیں۔ مذکور نے رجسٹر مدان ۱/۲ رو بکاری کی قیمت (۴) اور خرد ۱/۲ رو بکاری کی (۲) سکہ عثمانیہ مقرر کی ہے بشرطیکہ قیمت مذکور دار الطبع کے نرخ سے کم ہو۔

ملتے: خدمت صدر محاسب صاحب سرکار عالی شاخ بلدہ و اضلاع سمت مرہٹواڑی و تلنگانہ و لوکلفنڈ بحوالہ مراسلہ محکمۂ سرکار صیغۂ فینانس اطلاعاً مرسل ہے۔

ایک ایک کاپی خدمات اول تعلقدار صاحبان صیغۂ حساب و میر مجلس صاحبان لوکلفنڈ و مہتمم صاحبان سررشتہ ہذا و مولوی سید عبد القادر صاحب مالک اعظم اسٹیم پریس بلدہ مرسل ہے۔

شد محضر مدرگار ناظم تعلیمات

اُردو

رُوحِ جاپان

نواب مسعود جنگ بہادر کا

وہ معرکۃ الآرا لکچر جو پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے

(۱)

امر کار: نستعلیق ٹائپ میں چھپنا قابل دید ہے ایک نستعلیق ٹائپ ابھی تیار نہیں ہوا تھا لحاظ طباعت روح جاپان ایک یادگار ٹائپ ہے۔ ٹائٹل پیج پر روح کی تصویر ہے۔ اسطرح یہ رسالہ آنکھ اور دماغ دونوں کی بہترین غذا ہے

قیمت صرف (۶) علاوہ محصول ڈاک

دفتر رسالہ "المعلم" سانچہ توپ حیدرآباد دکن سے طلب کیجئے

سیرۃ المحمود

(یعنی)

سوانح عمری خواجہ جہاں عمادالدین محمود گاوان

وزیر سلاطین بہمنیہ

عالیجناب مولوی محمد عزیز مرزا صاحب مرحوم و مغفور کی شہرۂ آفاق کتاب سیرۃ المحمود کا تیسرا دیدہ زیب ایڈیشن تیار ہوگیا ہے۔ مرحوم نے یہ کتاب اس خیال سے تحریر فرمائی تھی کہ قومی عظمت کے لیے شخصی ترقی کی بڑی ضرورت ہے۔ اس لئے اس زمانہ میں قومی فرض ہے کہ مشاہیر کے واقعات زندگی ایسے پیرایہ میں لکھے جائیں جو عام کی دلچسپی کا باعث ہوں۔ سیرۃ المحمود میں صرف خواجہ جہاں کے واقعات لکھنے پر ہی اکتفا نہیں کیا گیا ہے بلکہ قابل مؤلف نے اس کے زمانہ کے سیاسی و معاشرتی حالات کی سچی تصویر کھینچ دی ہے۔

قیمت فی جلد ..... (عہ) سکہ عثمانیہ

ملنے کا پتہ

دی حیدرآباد بک ڈپو چادرگھاٹ حیدرآباد

مکتبۂ ابراہیمیہ۔ اسٹیشن روڈ۔ حیدرآباد دکن

جلد چہارم نمبر ۶

المعلم

ع

بہمن ۱۳۳۷ف

محمد سجاد مرزا۔ ایم اے (کنٹب)

اعظم اسٹیم پریس۔ مینار حیدرآباد
(دکن)

قواعد

مروجہ کرنسی

(۱) یہ محض تعلیمی رسالہ ہے جس میں تعلیم کے مختلف شعبوں کے متعلق مضامین درج ہونگے سیاسی مضامین شریک نہ کئے جائیں گے۔

(۲) یہ رسالہ ہر ماہ فصلی کے پہلے ہفتہ میں شائع ہوگا

(۳) پرچہ وصول نہ ہو تو ہر ماہ فصلی کی ۲۵ تاریخ تک خریدار صاحبان بحوالہ نمبر خریداری مطلع فرمائیں

(۴) جو مضامین ناقابل طبع متصور ہونگے انکی واپسی خرچہ ڈاک کی روانگی پر منحصر ہوگی

(۵) اس رسالہ کی قیمت سالانہ (۸) مع محصول ڈاک ہے جو پیشگی لی جائیگی۔

(۶) نمونہ کا پرچہ آنے کے ٹکٹ وصول ہونے پر ۱۱ گیارہ آنیکا۔

(۷) جواب طلب امور کیلئے جوابی کارڈ وصول ہونا چاہیئے ورنہ ادائی جواب میں مجبوری رہیگی

(۸) اجرت طبع اشتہارات درج ذیل ہے۔ رقم وصول ہونے پر اشتہارات طبع کئے جائیں گے۔

تعداد مدت	صفحہ	نصف صفحہ	ربع صفحہ
ایک بار	۱ ع	۸ ر ص	۸ ر ے
۳ سہ بار	۸ ر ع ۱	۱ ع	۸ ر ۱۴
۶ ششماہ	۱ ع	۸ ر ع ۱	۱ ع
سالانہ	۱ ص	۱ ع	۸ ر ع ۱

(۹) جملہ مراسلت و ترسیل رقوم منی آرڈر وغیرہ پتہ ذیل پر ہونی چاہیئے

دفتر رسالہ المعلم۔ بگرامی ہاؤس انجہ توپ حیدرآباد

(دکن)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مندرجات المعلم

(۱) تعلیم زراعت — مولوی محمد عاقل خاں صاحب ایل۔ اے۔ بی ایم ابریشم سرکاری (۱ تا ۱۵)

(۲) سائنس، سائنسدان اور پبلک — مترجمہ مولوی سید محمد عسکری صاحب جعفری حیدرآبادی۔ (۱۶ تا ۲۸)

(۳) ٹرانسوال کانفرنس امریکہ — مس آمنہ پوپ لیڈی پرنسپل زنانہ کالج ناپلی حیدرآباد (۲۹ تا ۳۲)

(۴) بیج — مسٹر جگ موہن لال بی اے ایل ٹی لکچرار ٹریننگ کالج حیدرآباد (۳۳ تا ۳۸)

شذرات (۳۹ تا ۴۸)

جلد (۴)	بابتہ بہمن سنہ ۱۳۳۷ فصلی	نمبر (۶)

تعلیم زراعت

مجلس مشاورہ تعلیمی کے حالیہ جلسہ میں تعلیم زراعت پر مولوی محمد عاقل خاں صاحب نے جو مضمون منجانب محکمہ زراعت سرکار عالی پڑھا وہ ایسا دلچسپ اور معنی خیز ہے کہ ہم اس کو کچھ اختصار کے ساتھ بڑی خوشی سے ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔ اس مضمون کے مطالعہ سے یہ خیال بہت کچھ دور ہو جائے گا کہ زراعت پیشہ طبقہ کے لئے تعلیم کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ اس میں شک نہیں کہ تجربہ بڑی چیز ہے اور ہندوستان کی زراعت بیسیوں

صدی میں بھی سالہا سال کے تجربہ کے بل بوتے پر قائم ہے لیکن اب وقت آگیا
ہم مولوی محمد عاقل خاں صاحب کے عقلمندانہ اقوال پر غور و فکر کر کے عملی کام
ہم خاں صاحب موصوف کو ان کے اعلیٰ مضمون پاکیزہ اور مفید خیالات پر
دیتے ہیں اور ان کا دلی شکریہ ادا کرتے ہیں۔

مدیر

کاشتکار کو اگر درحقیقت دنیا میں رازق حقیقی کا امین کہا جائے تو بجا ہوگا۔ کیوں کہ
اس کی ایمانداری، محنت اور جفاکشی کی وجہ سے خالق اکبر نے خوراک و پوشاک کے ذخیرہ کی
کنجی کسان ہی کے سپرد کی ہے۔ کسان ہی ہے جو سب کو خواہ امیر ہو یا غریب۔ ادنیٰ ہو یا اعلیٰ
تاجدار ہو یا گدا خوراک اور پوشاک کا سامان مہیا کرتا ہے پس اگر نظر انصاف سے دیکھا جائے تو
معلوم ہوگا۔ غریب کسان سب سے قابل عزت اور اس کا پیشہ سب پیشوں میں قابل وقعت ہے
دنیا میں جن ممالک کے کاشتکار و کسان خوش حال ہیں وہ مالا مال ہیں اور جہاں کے کسان
کنگال ہیں وہ بدحال۔

یورپ و امریکہ میں دیگر جملہ پیشوں کے مقابلہ میں پیشہ زراعت نہایت معزز اور
باوقعت پیشہ خیال کیا جاتا ہے چنانچہ ان ممالک میں بڑے بڑے دولت مند و تعلیم یافتہ
لوگ اس پیشہ کو اپنے ہاتھوں سے اپنا کام سمجھ کر انجام دیتے ہیں اور اس میں بیحد دلچسپی لیتے ہیں
ماہرین فن زراعت کی کوششوں اور سرگرمیوں اور جان توڑ مشقت کی بدولت ان ممالک کی
زراعت میں بیحد ترقی ہو چکی ہے اور دن بدن ترقی ہوتی جاتی ہے۔ برخلاف اس کے
ہندوستان میں عموماً اور ہماری ریاست میں خصوصاً زراعت کی حالت بجائے ترقی
کرنے کے دن بدن ابتر ہو رہی ہے۔ زمین کی طاقت گھٹ رہی ہے۔ پیداوار کا
اوسط کم ہو رہا ہے جنس کی نفاست و عمدگی تنزل ہے اور کاشتکار و رعایا کی حالت
دن بدن شکستہ و خراب ہونے کی وجہ سے ان کی تعداد میں کمی ہوتی جا رہی ہے۔ ان تمام

خرابیوں کی ... سے بڑی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ ہندوستان کے کاشتکار عام طور
... کے زراعت سے قطعی محروم ہیں۔

یہ سچ ہے کہ ترقی و تمدن کی روح تجارت و سرمایہ ہے لیکن اگر زراعت کو بوجہ اس کے
لاساہی سرمایہ دار ہونے کے ترقی کی روح کہا جائے تو کچھ بیجا نہ ہوگا۔ اور ملک
ہندوستان کی تو صرف روح ہی نہیں بلکہ جملہ تجارت و روزگار کی بنیاد ہے۔ اکثر دیکھا گیا ہے
خلق خدا تجارت و دیگر پیشوں میں منہمک ہو کر قادر مطلق کی یاد بھی فراموش کر دیتی ہے
لیکن صرف اہل زراعت ہی تمام فطرتی دلفریب نظاروں کا لطف اٹھاتے ہوئے
اپنی محنتوں کا پھل پانے کے لئے مالک حقیقی کی طرف لو لگائے رہتے ہیں اور رحمت الٰہی کے
نزول کے لئے دست بدعا۔ پس اگر زراعت نہ ہو تو مالک حقیقی کی یاد دلوں سے جاتی رہے
اور تمام دنیاوی کاروبار بند ہو جاویں۔ بدھنگامی کے زمانہ میں آپ حضرات نے اکثر
دیکھا ہوگا کہ سب جگہ ایک قسم کی اداسی چھا جاتی ہے۔ تجارت مدھم۔ دفتر دل سنسان
سناٹا۔ اور وکیل و مختاروں کی جیب خالی۔ جہل پہل ندارد۔ لیکن جس سال ہنگام اچھا ہو
اور غلہ کی افراط ہوئی پھر وہی مارا مار تجارت زوروں پر۔ عدالتیں گرم۔ ہر طرف رونق

ہمارے ملک میں بعض حضرات کا خیال ہے کہ محکمہ زراعت خزانہ شاہی کے لئے
ایک ناسور ہے کہ جس کے ذریعہ ملک کی دولت بیکار ضائع ہوتی رہتی ہے مگر میں آپ
حضرات کو بتلا دینا چاہتا ہوں کہ محکمہ زراعت اور زراعتی تعلیم کی بدولت دیگر ذرائع آمدنی میں
کس قدر اضافہ ہوا۔ میں نے اکثر رپورٹ ہائے آبکاری کرور گیری وماں میں دیکھا ہے کہ
بقایا زیادہ پڑ جانے آمدنی کم ہونے اور مالگزاری نہ وصول ہونے کے اسباب اکثر
یہی بیان کئے گئے کہ ہنگام اچھا نہیں ہوا یا کیڑوں کے حملوں کی وجہ سے یا کسی اور وجہ
فصل ضائع ہو گئی جس سے ظاہر ہے کہ ملک کی جملہ آمدنی کا دارومدار زراعت پر ہی ہے
محکمہ زراعت حتی المقدور کوشاں ہے کہ ان مصائب کے مقابلہ کی تدابیر دریافت کرے

ایسے اجناس کا انتخاب کرے جس سے پیداوار زیادہ ہو۔ ملک کی [illegible]ت کو ترقی دینا مفید زراعتی نکات بتا کر کاشتکاروں کو فائدہ پہنچانا۔ جدید ترین [illegible]اعت مروف کاشتکاروں کو واقف کرانا۔ زمین کی پیداوار کو بڑھانے اور اعلیٰ بنانے کے طریقے عام کاشتکاروں کی حالت کو بہتر و خوش حال بنانا۔ اور فن زراعت کی جدید معلومات و ایجادات سے زراعت پیشہ اشخاص کو واقفیت بہم پہنچا کر ملک کی آمدنی میں وسعت دینا اور ملک کو مالا مال کرنا محکمہ کے اہم فرائض میں سے ہے۔

اس کے ثبوت میں کہ زراعت کی توسیع و ترقی کے ساتھ ملکی بہبودی وابستہ ہے میں چند اعداد و شمار پیش کرنے کے بعد اپنے اصل مضمون کو شروع کرتا ہوں صوبہ بمبئی کی آمدنی میں جو ہمارے ملک سے ملا ہوا ہے اور بلحاظ آب و ہوا کے قریب قریب یکساں ہے محکمہ زراعت کی کوشش اور زرعی تعلیم کے بدولت خاص ترقی ہوئی چنانچہ صرف ترقی دادہ کپاس کے کاشت کرنے سے گیارہ بارہ روپیہ فی ایکڑ گجرات۔ خاندیس اور کرناٹک میں زیادتی ہوئی۔ ۱۹۲۲-۲۳ء میں متذکرہ بالا کپاس کے رقبہ سے کاشتکاروں کی آمدنی میں دس لاکھ روپے کا اضافہ گجرات میں دس لاکھ کا خاندیس میں۔ اور آٹھ لاکھ کرناٹک میں ہوا

ملکی اور مالی اعتبار سے ہر ملک کی تعلیم کا نصاب و طرز جدا جدا ہوتا ہے لیکن ان اختلافات کے باوجود بھی ہر جگہ کی تعلیم کا نصب العین یہ ہوتا ہے کہ ملک کے ہر افراد کو ایک نفع رسان ہستی بنایا جائے اس میں کسی کو ذرا شک نہیں کہ فرائض و نوعیت کار کو دیکھتے ہوئے ایک معمولی منشی کی ہستی بھی ملک کے لئے ایک مفید ہستی ہے لیکن اگر کوئی ملک اجتماعی طور پر تمام اہل ملک کو منشی گیری کے لئے تیار کرے تو دنیا میں زندگی دشوار ہو جائے پس قومی و ملکی نکتہ نظر سے یہ نہایت ضروری امر ہے کہ ملک کی تعلیم کو اس طریقہ پر مروج کیا جائے کہ ملک کی تعلیم مختلف النوع ہو اور ہر ہونہار ملک اپنے فطری رجحان کے لحاظ سے اپنے لئے ایسی شاہراہ اختیار کر سکے جو اس کو آئندہ چلکر ایک نفع رسان ہستی بنا سکے۔

سیلہ اسکے میں کسی پیشہ کے اختیار کرنے میں صرف آبا و اجداد کے پیشہ ہی رہبری
[illegible] حالت اس وقت بھی ہندوستان میں موجود ہے کہ بیٹا عموماً اپنے
[illegible] پیشہ کو اختیار کرتا ہے۔ لیکن مساوات کا خیال کرتے ہوئے اور دوسرے ممالک کی
تمثیل دیکھتے ہوئے عام طور پر یہ خیال پختہ ہوتا جا رہا ہے کہ بلا لحاظ حسب و نسب اہل ملک کو
ترقی کرنے کا مساوی موقع ملنا چاہیئے جس کے حصول کے لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ وہاں کی
تعلیم مختلف [illegible]

ہم روزمرہ دیکھتے ہیں کہ جو شخص محنت کرکے اپنی روزی کماتا ہے اس کو اپنی محنت کا
معاوضہ اسی مناسبت سے ملتا ہے جس مناسبت سے وہ اپنی محنت سے ملک و قوم کو فائدہ
پہنچاتا ہے۔ اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ دماغی محنت ہمیشہ دستی یا جسمانی محنت سے
زیادہ قیمتی رہی ہے اور رہے گی۔ لیکن اگر دنیا میں تمام لوگ دماغی کام کرنے والے ہی رہ جائیں تو
دنیاوی کاروبار کا چلنا ناممکن ہو جائے کیونکہ فراہمی غذا و دیگر ضروریات زندگی میں ہزاروں
ایسی چیزیں ہیں جو بغیر جسمانی محنت کے حاصل ہو ہی نہیں سکتیں اب دیکھنا یہ ہے کہ ان جسمانی
اصول کو بتلانے اور ان سب ضروریات کو پورا کرنے کے لئے موجودہ ملکی تعلیم کیا سہولتیں بہم
پہنچا رہی ہے اس کا جواب خواہ کچھ ہی ہو لیکن یہ نہایت ضروری اور لازمی بات ہے کہ
ملکی تعلیم کا رواج اس نہج پر دیا جائے کہ عوام ان کارہائے زندگی کے لئے تیار ہو سکیں جن میں
وہ آئندہ داخل ہونے والے ہیں۔ کیونکہ ترقی کا انحصار حسب و نسب پر نہیں بلکہ معیار لیاقت
پر ہے موجودہ طرز تعلیم سے عام طور پر متوسط طبقہ کے لوگوں کو یہ یقین ہو جاتا ہے کہ جو تعلیم وہ
حاصل کر رہے ہیں وہ ان کو اس درجہ کے قابل بنا دے گی جس میں نہ وہ پیدا ہوئے اور نہ آخیر
عمر تک پہنچنے کی توقع کر سکتے ہیں۔

ہمارے یہاں کی تعلیم کا نصب العین بلحاظ حالات ملکی یہ ہونا چاہیئے کہ تعلیم کے ذریعہ سے
ہم ہر اہل ملک کو اس قابل بنا سکیں کہ وہ اپنے گرد و نواح ہی میں رہ کر ملک کے لئے

ایک مفید اور سود مند ہستی ثابت ہو۔ اس سے منشا، یہ ہے کہ ہر جگہ اور ہر مقام کے لئے نصاب تعلیم ہونا چاہیئے جو اہل ملک کے اس پیشہ کے مطابق ہو جو زیادہ تر وہاں اس خیال کو مدنظر رکھتے ہوئے اگر ہم ذیل کے اعداد و شمار پر نظر ڈالیں تو معلوم عوام کے پیشہ کے لحاظ سے قوم کی رہبری کے لئے ہم کس قسم کا طرز تعلیم تجویز کرنے میں پیش کر رہے ہیں۔

ہمارے ملک کی ایک کروڑ چوبیس لاکھ اکہتر ہزار سات سو شماری میں سے اکسٹھ لاکھ پینسٹھ ہزار سات سو ایسے لوگ ہیں جن کا تعلق راست زراعت سے ہے اور بقیہ مردم شماری میں سے بھی تقریباً ۳۰ فی صدی ایسے لوگ ہیں جو دیہاتی زندگی بسر کرتے ہیں اور جن کا بالواسطہ بہت کچھ دارومدار زراعت پر ہی ہے۔ اس طرح پر گویا تقریباً نوے فی صدی آبادی شہری زندگی سے دور دیہاتی زندگی بسر کرتی اور وہیں پر ذریعہ آمدنی کے پیشے اختیار کرتی اور چلاتی ہے۔

اگر جملہ پیشہ جات کا بلحاظ مردم شماری اوسط نکالا جائے تو زراعت کے علاوہ اور کوئی پیشہ بھی ایسا نہیں ملے گا جس میں کم از کم آبادی کا ۲۰ فی صدی حصہ ہی مصروف بکار ہو ایسی حالت میں دیکھنا یہ ہے کہ اہل زراعت کے لئے جو تقریباً ۹۰ فیصدی ہیں کونسی تعلیم ان کے لئے مہیا کی گئی ہے۔

مردم شماری کی رپورٹ بابتہ ۱۹۲۱ء کے صفحہ ۲۷۰ پر ایک تختہ دیا گیا ہے جو ذیل ہے

اقسام گروہ جن کا تعلق راست زراعت سے ہے	تعداد زراعت پیشہ در سال		تعداد اضافہ یا کمی
	۱۹۲۱	۱۹۱۱	
(۱) زمیندار جو زمینات کو قول پر دیتے اور محصول وصول کرتے ہیں	۷ و ۶۱ و ۶۱۴	۷ و ۳۱ و ۸ ۳	+ ۴

ہوئی کاشتکار جو خود کاشت			
تے ہیں۔	۳۶۲ و ۰۷ و ۳۶	۹۵۰ و ۸۴ و ۴۰	۱۱ -
۔۔۔ت،	۲۰۲ و ۳۳	۵۴۰ و ۳۴	۴ -
(۴) ۔۔۔ن مزرعہ جات)			
(۵) مزدوران زراعت پیشہ	۵۶۲ و ۶۳ و ۱۷	۲۱۲ و ۸۸ و ۲۷	۳۶ -
میزان	۴۴۷ و ۶۵ و ۶۱	۵۰۵ و ۱۹ و ۷۶	۱۹ -

مذکرہ بالا اعداد میں دو تین امور نہایت غور طلب ہیں جن سے مضمون بالا کی تائید بھی ہوتی ہے۔ اوّل یہ کہ سوائے طبقہ زمینداروں کے اور جملہ دیگر گروہ میں کمی ہوتی جا رہی ہے جس سے دو نتیجہ برآمد ہوتے ہیں ایک تو یہ کہ زمینات کاشتکاروں کے ہاتھوں سے نکل کر ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں جا رہی ہیں جو آپ اپنے ہاتھوں سے کچھ کرنا نہیں چاہتے بلکہ محض کسانوں کا خون چوسکر زمینات کی آمدنی پر اکتفا کرتے ہیں۔ اسی سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ بیچارے کسانوں کاشتکاروں کی حالت دن بدن ایسی مقیم ہوتی جا رہی ہے کہ وہ اپنی عزیز زمین کو بھی اپنے قبضہ میں نہیں رکھ سکتے۔

دوسرے یہ بات ظاہر ہو رہی ہے کہ بقیہ گروہوں کی تعداد میں کمی ہونے سے اس بات کا رجحان پایا جاتا ہے کہ اہل پیشہ آہستہ آہستہ زراعت کو ترک کر رہے ہیں کیونکہ اوسطاً اندرون دس سال ۱۹ فی صدی کی کمی ہوئی ہے جو قابل غور ہے اور ڈر ہے کہ اگر اس لحاظ سے کمی ہوتی چلی گئی تو زراعت کا کیا حشر ہوگا۔ اس کمی سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جوں جوں ملک میں تعلیم پھیلتی جا رہی ہے صنعت و حرفت و زراعت کا خیال کم اور ملازمت اور شہری زندگی کی طرف زیادہ رجحان ہو رہا ہے۔

دویم یہ بات غور طلب ہے کہ اہل مزدوروں کے گروہ کو چھوڑ کر جن کو بہت ہی

کمسنی میں خاندان کے ذرائع آمدنی بڑھانے کی فکر ہو جاتی ہے اور جن کے لئے موجودہ ابتدائی تعلیم بھی کافی ہو سکتی ہے۔ دوسرے بڑے طبقوں کے لئے جن کی تعداد پھر بھی تقریباً ۴۵ لاکھ رہتی ہے۔ زراعتی تعلیم کا انتظام نہایت اہم و ضروری ہے کیونکہ زراعت ترقی کی طرف ہے اور جو دوسری صنعتوں کے ساتھ ساتھ پیشہ زراعت کو بھی متاثر کرے۔ اس میں وہی شخص بہت جلد کامیاب ہو سکتا ہے جو اس رفتار ترقی کو بغور مطالعہ کرتے ہوئے تحقیقات جدیدہ سے بروقت فائدہ اٹھاتا ہے۔ پس اتنے بڑے طبقہ مردم شماری کو خاص فنی تعلیم سے محروم رکھنا ملک کی ترقی میں سخت رکاوٹ کا باعث ہے۔

بظاہر زراعت کی تعلیم کو رواج دینے کے دو طریقہ ہو سکتے ہیں۔ اول یہ کہ مدارس تحتانیہ و وسطانیہ کے نصاب میں حسب مدارج کتب زرعی شریک کی جا کر عملی کام کا انتظام کیا جائے اور جو طلبا ان جماعتوں میں اپنے شوق و رجحان طبیعت سے مائل پائے جائیں وہ تعلیم کی غرض سے زراعتی کالج میں جو عثمانیہ یونیورسٹی کے تحت قائم ہونا چاہئے اپنی تعلیم کو جاری رکھیں۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ملک کے موجودہ طرز تعلیم اور نصاب مدارس تحتانیہ و وسطانیہ میں مطلق مداخلت نہ کی جائے بلکہ وہ جس طرح سے چل رہے ہیں ان کو چلنے دیا جائے اور بجائے اس کے ایک دو اضلاع کا انتخاب کر کے جہاں مزروعہ زمین زیادہ آبپاشی کے ذرائع وافر اور تونیز زراعت کے اسباب ظاہر ہوں دو۔ دو۔ تین۔ تین مدارس زراعتی قائم کئے جائیں اور علمی و عملی تعلیم دی جائے۔ نصاب ایسا مرتب کیا جائے کہ ایسے مدارس کے فارغ شدہ طلبا اپنی زمینات پر ترقی دادہ اصول کے تحت پیشہ زراعت کو کامیاب طریقہ پر چلا سکیں۔ ان طلبا میں سے جو غیر معمولی طور پر تیز و ذہین ہوں اور جو اعلیٰ تعلیم کے آرزومند پائے جائیں ان کو زراعتی کالج میں شرکت کا موقع دیا جائے تاکہ تحقیقات کرنے کا مادہ و قابلیت پیدا ہو۔ خواہ ان ہر دو صورتوں میں سے کوئی صورت اختیار کیوں نہ کی جائے

ہندی زرعی کالج حیدرآباد کا قیام لازمی وضروری معلوم ہوتا ہے۔ اس سے قبل کہ ان کیجا کرنے پر تذکرہ بالا صورتوں میں سے کسی ایک کو ترجیح دی جائے۔ یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کے متعلق ماہرین فن کی رائے پیش کروں۔

سب سے پہلے کلکتہ یونیورسٹی کمیشن منعقدہ ۱۹۱۷ء و ۱۹۱۹ء نے بعد تحقیقات اپنی رپورٹ جلد پنجم حصہ دوم میں جس رائے کا اظہار کیا ہے وہ پیش کیا جاتا ہے۔

کمیشن کی رائے ہے کہ اس اسکیم (تعلیم زراعت) کے مندرجہ ذیل تین مقاصد ہونے چاہئیں۔

(۱) ضامن میکانکس۔ طبیعات۔ کیمیا اور علم الاشجار کے ساتھ انٹرمیجیٹ کی کامیابی کے بعد زرعی تعلیم کے ضروری مضامین مثلاً علم حیات۔ علم الحیوان بشمول علم بکٹیریالوجی۔ علم کیمیا۔ اور علم معدنیات کی ۳ سالہ عملی تعلیم کے لئے کلکتہ یونیورسٹی میں روانہ کیا جائے۔

(۲) اس ۳ سالہ تعلیم کے دوران میں ہر سال تین تین ماہ کے لئے کلکتہ کے قرب وجوار میں یونیورسٹی کے مزرعہ پر عملی تعلیم دی جائے اور اس کے ساتھ ساتھ تعلیمی سال میں وقتاً فوقتاً مزرعہ کا معائنہ بھی شریک رہے تاکہ طلباء کو فصلی تجربات کا موقع مل سکے۔

(۳) ایک سال یا اس سے زیادہ دو سال کی پیشہ عملی تعلیم سرکاری زرعی مدرسہ میں ہونی چاہئے۔ کمیشن کی یہ بھی تجویز ہے کہ نقرات ۱ و ۲ کے کامیاب طلباء کو بجائے زراعت کی ڈگری کے سائنس کی ڈگری دی جائے اور ان طلباء کو جنہوں نے اس کے ساتھ سرکاری مدرسہ زرعی کا ڈپلوما بھی حاصل کیا ہو زراعت کی ڈگری دی جائے کیونکہ ممکن ہے کہ بعض طلباء کی یہ خواہش ہو کہ ختم ۳ سالہ تعلیم پر کسی خاص فن میں مہارت حاصل کرنے کے لئے پوسہ کالج میں داخل ہو جائیں۔ کمیشن نے یہ رائے دی ہے کہ یونیورسٹی کے زرعی نصاب میں کیمیا۔ علم معدنیات۔ علم الحیوانات اور بکٹیریالوجی شامل رہے۔ علم زراعت کی خاص تعلیم کے علاوہ

زرعی معاشیات اور زرعی حساب و کتاب بھی داخل نصاب ہو۔ زرعی تعلیم میں کمیشن مفصلہ ذیل تعلیم کی تجویز کرتا ہے۔

زمین کھاد۔ ناگر کشی۔ فصول۔ کاشت اشیاء۔ خورد و نوش۔ آب و ہوا۔ اور دگر اجزاء جن کا اثر زراعت پر ہوتا ہو۔ اور انتظام زمینات۔

سررشتہ زرعی کے دوسرے سال کی تعلیمی نصاب میں طالب علم کو مزرعہ کے کاروبار ہی سے متعلق کرکے اُس کو اس کام کا معاوضہ دیا جانا چاہئے۔

مسٹر ملیگن نے اپنی یادداشت میں مقاصد مدرسہ کی اس طرح توضیح کی ہے۔ پہلے تو کالج کا خیال ہی دور کر دیا جائے۔ اور مدرسہ کو صرف مدرسہ زرعی سے موسوم کرنے پر اکتفا کیا جائے مدرسہ میں ایک موزوں اور موجودہ ترقی یافتہ اصول پر مزرعہ قائم کیا جائے تاکہ اس میں مختلف زرعی شعبہ جات کی تعلیم ہو سکے۔ جن میں مندرجہ ذیل اہم مضامین بھی شامل رہیں (۱) ناگر (الف) ملکی طریقہ پر (ب) ترقی یافتہ طریقہ پر (۲) کاشت (۳) پودوں کا انتخاب فراہمی تخم وغیرہ (۴) پیمایش اراضی (۵) تعمیر بند و نالہ (۶) تعلیم و ترسیم عمارات (۷) دخانی۔ روغنی۔ آبی۔ اور بادی قوت سے چلنے والے انجن (۸) استعمال قوت (۹) واٹر لفٹ اور پمپ (۱۰) بخاری و فٹنگ (۱۱) حفاظت و پرورش جانوراں (۱۲) زخموں کا علاج (۱۳) تشخیص امراض متعدی۔

اس امر کا خاص طور پر ملحوظ رکھا جانا ضروری ہے کہ تاوقتیکہ کوئی طالب علم کسی شعبہ میں مہارت حاصل نہ کرے اس کو قطع تعلق کرنے کی اجازت نہ دی جائے ایسے مدرسہ میں ہر قسم کے طالبعلم کے لئے تعلیم کا انتظام جملہ شعبہ جات متعلقہ زراعت میں اور اس کا نصاب مقرر کیا جا سکتا ہے کمیشن کا خیال ہے کہ مندرجہ بالا اسکیم جس کے زرعی شعبہ جات میں انجنیرنگ (سول و میکانیکل) پیمایش اراضی۔ علاج حیوانات۔ پرورش نسل چوپایہ اور ڈیری بھی شامل ہوں مفید ثابت ہوگا۔ بشرطیکہ ان سب مضامین کی تکمیل کا خیال کرکے زیادہ تر وقت لکچروں پر صرف نہ کیا جائے۔

کمیشن یہ موقع ظاہر کرتی ہے کہ یونیورسٹی زرعی سند کے علاوہ ڈگری نہیں عطا کرے گی
ملک بنگال میں عطاء ڈگری کا مسئلہ بالکلیہ محکمۂ زراعت سے کر دیا جانا چاہئے۔

۱۲۔ درس تحتانیہ۔ مدرسین دیہات کو کچھ زرعی تعلیم ہونی چاہئے جو وہ مدرسۂ معلمین میں حاصل کر سکتے ہیں۔ درسی کتب میں بیشتر اسباق زراعت سے متعلق ہوں حساب میں بھی زرعی کاروبار کے حسابات بتلائے جائیں۔

ہر دیہاتی مدرسہ کے کمپونڈ میں یا اس سے قریب ایک قطعہ زمین جو تعداد طلباء مدرسہ اور ان کی عمر کے لحاظ سے مقرر اور جو اندازاً سو طالب علموں کے لئے ربع ایکر کی حد تک ہو سررشتہ تعلیمات حاصل کرے جس میں ہر طالب علم کے لئے ایک ایک قطعہ دس دس فیٹ عرض و طول کا قائم کر کے اس پر طالب علم سے کام لیا جائے اگر بعض وجوہ سے یہ ہر مقام مدرسہ پر امکان میسر نہ ہو تو سررشتہ مدرسہ کے چھوٹے چھوٹے کمپونڈ میں پھول وغیرہ کے پودے بچوں کے ہاتھ لگوائے جائیں۔

اس کام کے لئے جو کچھ ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ کچھ آلات بچکانی ہوں اور کچھ تخم و کھاد کی فراہمی کے لئے رقم ہو۔ اول الذکر کا انتظام سررشتہ تعلیمات سے کیا جا سکتا ہے تخم و کھاد کے مصارف ابتداً تو سررشتہ زراعت برداشت کرنے آمادہ ہے پھر ہر مدرسہ میں تخم کافی مقدار میں تیار ہو جائے گا۔ برایں ہم اگر تعلیمات سے اس غرض کیلئے فی صد طلباء کے لئے سالانہ بارہ روپیہ بھی موازنہ میں رکھے جائیں تو کافی ہیں۔ اگر سررشتہ تعلیمات اتنی گنجایش اپنے موازنہ میں فراہم نہ کر سکے تو کمیٹی لوکلفنڈ ضلع سے اس قدر رقم کی منظوری ہونی چاہئے۔

شہروں کے مدارس میں مختلف طبقہ کے لڑکے زیر تعلیم رہتے ہیں انہیں قطعہ زمین اور کمپونڈ کی وسعت کے امکانات بھی نہ ہوں تو کونڈوں کے ذریعہ صرف شوقین طلباء کو یہ کام سکھلایا جا سکتا ہے جو صرف سبق آموز ہوگا بلکہ زینت دہ مدرسہ ہوگا۔

مدرسہ وسطانیہ و فوقانیہ۔ ان کے بارے میں ناظم صاحب کی رائے ہے کہ مدرسین میں سے کم از کم ایک زرعی گرائجویٹ ہونا چاہئے جو عملی تعلیم زراعت کا سلسلہ آغاز کردے جس کا درجہ بالکل ابتدائی ہوگا اور رفتہ رفتہ سہولتیں پہنچنے پر تعلیم کا معیار بڑھانا چاہئے۔ .....

(۱) زرعی تعلیم ابتداً عملی طور پر شروع کرنے کے لئے اولاً دو ضلع مثلاً ضلع میدک اور ضلع اورنگ آباد کا انتخاب کرکے اس کام کو ان اشخاص کے سپرد جو اس کے فروغ دینے میں بڑا دخل رکھتے ہیں ان کی کمیٹی قائم کرکے کیا جائے یعنے اول تعلقدار ضلع مہتمم تعلیمات ضلع اور انسپکٹر زراعت ضلع..... تین سال میں اس کا نہج قائم ہوکر جو نتائج ظہور پذیر ہوجائیں گے اس سے دیگر اضلاع میں وہی کام آغاز کرنے میں مدد ملے گی۔

(۲) مستقر ضلع جہاں کہ مدارس فوقانیہ وغیرہ ہوتے ہیں وہاں عملی زرعی تعلیم کے لئے سردست باغ لوکلفنڈ جو تقریباً ہر مستقر ضلع پر ہے (اور نہ ہو تو ہونا چاہئے) کام میں لایا جاسکتا ہے جس کا انتظام مہتمم لوکلفنڈ کے تحت رکھنے کے بجائے انسپکٹر زراعت کے تحت کیا جانا مفید ہے اور مصارف اب تک جس طرح لوکلفنڈ سے برداشت ہورہے ہیں اسی مد سے برداشت کئے جائیں ان باغات میں مناسب قطعات طلباء مدرسہ کی تعلیم باغبانی و زرعی کے لئے رکھے جائیں گے جو صدر مدرس و انسپکٹر زراعت کے باہمی انتظام سے مشخص ہوں گے..... اس انتظام سے جملہ باغات لوکلفنڈ تعلیم گاہ میں مبدل ہوجائیں گے۔

(۳) مدرسہ معلمین (نارمل اسکول) میں ایک زرعی گرائجویٹ کا تقرر کیا جائے کہ جب معلمین مدارس تحتانیہ وغیرہ بغرض ٹریننگ آئیں تو انہیں کم از کم ایک ٹرم زرعی و باغبانی تعلیم دلائی جائے تاکہ وہ اپنی جائے پر اس کام کا بہتر آغاز کرسکیں۔

(۴) ذریعہ کمیٹی لوکل فنڈ مدارس تعلقات سے دو۔ دو لڑکے ضلع میں اور ضلع سے بعد انتخاب صوبہ میں اور صوبہ سے اسی طرح خواہ بیرون ملک سرکار عالی یا دارالسلطنت سرکار عالی

یہ عطا، وظائف بہد لوکل فنڈ داخل ہوں تو یقیناً ملک کی شائستگی میں اور بھی ترقی ہوگی۔

ان ہر دو قیمتی آراء کو دیکھنے کے بعد ریاست ہذا کے لئے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا زرعی تعلیم کا انتظام مدارس تحتانیہ و وسطانیہ ہی میں نصاب زیادہ کرکے کیا جائے یا علیحدہ زرعی مدارس قائم کئے جائیں۔

پہلے طریقہ کو روبہ عمل لانے میں یہ فوائد بیان کئے جاتے ہیں کہ مدارس تحتانیہ و وسطانیہ میں زرعی عملی تعلیم شروع کرنے سے یہ فائدہ ہوگا کہ طلباء کو بالکل ابتداہی سے جسمانی محنت و مشقت کا جو اس وقت کھیل کود و ورزش جسمانی سے پوری کی جاتی ہے عادی بنایا جائے گا۔

نیز عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ جونہی ایک طالب علم پندرہ سولہ برس کی عمر کو پہنچتا اور تھوڑا سا لکھا پڑھنا سیکھ لیتا ہے تو اس کے سر میں بڑے بڑے خیالات پیدا ہونے شروع ہوتے ہیں جن کا پورا ہونا اگر قطعی ناممکن نہیں تو محال ضرور ہوتا ہے پس ایسے پراگندہ خیالات کو راہ راہ لانے کے لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ ہر طالب علم کو ابتداء ہی سے نظری دوستی تعلیم دی جائے اگرچہ یہ بھی درست ہے کہ ابتدائی تعلیم میں فن زراعت کو سمجھنا اور سیکھنا دشوار ہے لیکن پھر بھی یہ مدارج مدارس تحتانیہ و وسطانیہ ہی میں طے ہونے چاہئیں تاکہ زراعتی تعلیم گاہ کے کورس کو غیر معمولی طوالت نہ دینی پڑے۔ اس قسم کی تعلیم کو رواج دینے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہر سال چند اساتذہ کو زراعتی کالج میں دو سالہ شارٹ کورس کی تعلیم کے لئے روانہ کیا جائے۔

دوسرے گروہ کا یہ خیال ہے کہ پرائمری اور سکنڈری تعلیم جملہ اقسام کی تعلیم کی بنیاد ہے اور ہر خاص قسم کی تعلیم کے لئے طالب علم کو تیار کرتی ہے۔ اس لئے تمام اہل زراعت کو پہلے موجودہ ابتدائی تعلیم لازمی طور پر دلائی جائے اور اس کے بعد زراعتی تعلیم دلائی جائے تو ان کے لئے نہایت سودمند ثابت ہوگی۔

ان کا خیال ہے کہ اساتذہ کو ٹریننگ کالج میں زراعتی تعلیم دلانے میں یہ امر مانع ہے کہ ان کے مختلف مضامین ٹریننگ ہوتے ہیں کہ نہ وہ اس مضمون کی جانب پوری توجہ مبذول

کرسکتے ہیں اور نہ ایک سال میں وہ اس قدر معلومات بہم پہنچا سکتے ہیں کہ زرعی تعلیم دینے میں ان کو سہولت ہو۔

نیز زراعتی کالج میں مکمل کورس کی تعلیم کے لئے اساتذہ کو روانہ کرنے میں اکثر و بیشتر ان کی عمر اور ان کی دنیاوی مصروفیتیں مانع آتی ہیں۔ لہٰذا تحتانی و وسطانی مدارس میں زراعت دان معلمین کی سربراہی میں بھی دشواری ہے اگر اگریکلچرل گرائجویٹ کو تحتانیہ وسطانیہ مدارس میں رکھا جائے تو ہر مدرسہ کے اخراجات اس قدر کثیر ہو جاتے ہیں کہ ہر دو مدرسوں کے بجائے ایک مدرسہ بھی قائم نہیں رہ سکتا۔

علاوہ ازیں پرائمری اور سکنڈری مدارس کے طلباء اس قدر کم عمر ہوتے ہیں کہ مضمون زراعت کو سمجھنے اور سیکھنے کی ان میں قابلیت ہی نہیں ہوتی۔ یہ بھی اکثر دیکھا گیا ہے کہ ذیلی مدارس میں سے زراعت پیشہ لوگ اپنے بچوں کو بہت جلد علیحدہ کر لیتے ہیں تاکہ مویشی چرائی کا کام ان کے سپرد کر کے خود بڑے کاموں کی طرف متوجہ ہو سکیں۔ پس ایسی حالت میں اگر تحتانیہ مدرسہ کے نصاب میں تین ریڈر شریک بھی کر لئے گئے تو مدرسہ چھوڑنے اور چرواہی میں ڈپلومائے کر عملی زراعت شروع کرنے تک ان کے ذہن میں کیا باقی رہ سکتا ہے۔

ایک عام خیال یہ بھی ہے کہ ملک کی موجودہ حالت کے لحاظ سے پرائمری تعلیم میں زرعی تعلیم کا شریک کرنا پرائمری تعلیم کو عوام کی نظر میں غیر ہر دل عزیز بنا دے گا۔ کہ کوئی بھی اپنے ننھے بچوں کو عملی کام میں دیکھنا پسند نہیں کرے گا۔ تاوقتیکہ وہ خود تعلیم یافتہ نہ ہو۔

آراء متذکرہ بالا کو دیکھنے اور جانچنے کے بعد ہر قسم کی مشکلات کے باوجود مناسب یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ تعلیمات کے موجودہ نصاب میں اس شعبہ کا اضافہ کیا جائے۔ اور تجرباتاً ہر ضلع میں ایک دو گاؤں منتخب کر کے زراعتی مدارس محکمۂ زراعت کے زیر نگرانی قائم کئے جائیں۔ ابتداً ایسے مقامات کے انتخاب میں یہ سہولت مدنظر رکھی جا سکتی ہے کہ جہاں سررشتہ زراعت کے زراعتی مزرعہ جات موجود ہوں۔ ان مقامات پر زراعتی مدارس قائم کر کے

ضروری سامان سے اس حد تک مکمل کردئے جائیں۔ کہ یہ مدارس آپ اپنی نظیر ہوں اور جن میں بہولت تمام زرعی تعلیم تا حد وسطانیہ موجودہ زمانہ کے لحاظ سے مکمل طور پر دی جا سکے ان میں زیادہ تر ایسے ہی طلباء شریک کئے جائیں جو خود زراعت پیشہ ہوں کافی زمینات رکھتے ہوں۔ اور تعلیم کے بعد خود زراعت کرنے کے خواہش مند ہوں۔

ان مدارس کے اخراجات کا بار مزرعہ کی حد تک محکمۂ زراعت برداشت کرے اور مدرسہ کی حد تک محکمہ بوکلفنڈ بڑے بڑے زمیندار اور مقامی سربرآوردہ اشخاص چندہ سے کریں۔ اسی طرح پر اگر ہر تعلقہ کے بڑے زمیندار اور سربرآوردہ علم پرور اشخاص متحد طور پر اس معاملہ میں دلچسپی لے کر کام کریں تو یقین ہے کہ رفتہ رفتہ ہر تعلقہ میں ایک ایک کامیاب زرعی مدرسہ قائم ہو جائے گا۔ گورنمنٹ کا کام اتنا باقی رہ جاتا ہے۔ کہ عثمانیہ یونیورسٹی کے تحت ایک زراعتی کالج حیدرآباد میں قائم کرے۔ اور یونیورسٹی میں جو کمی ہے اس کو پورا کرکے ملکی اعتماد و مفاد کو ترقی دے۔

سنٹرل زراعتی کالج کا قیام عثمانیہ یونیورسٹی کے تحت بلدہ حیدرآباد میں ہونا چاہئے۔ اور اس کے تحت ایک زراعتی مزرعہ جس کا رقبہ کم از کم دو سو ایکڑ ہو۔ اور ایک دارالتجارب ہونا چاہئے۔ جس میں طلباء زرعی و سائنس کے تجربہ بدست خود کر سکیں۔

سائنس سائنس دان اور پبلک

کرنل سر رونالڈ راس کے۔ سی۔ ایم۔ بی۔ ڈی۔ ایس سی۔ ایم۔ ڈی۔ ایف۔ آر۔ ایس
کے خیالات ایک مشہور جرنلسٹ مسٹر آر۔ ایل۔ گلاز کے زبانی۔

(ماخوذ از سالیکٹرس ورلڈ بابتہ جولائی ۱۹۲۵ء)

قبل اس کے کہ ہم کرنل موصوف کے خیالات کا ترجمہ قارئین کرام کے سامنے پیش کریں اور یہ دکھائیں کہ سائنس دانوں اور عوام کی سائنس سے مستفید ہونے کے متعلق ان کی کیا رائے ہے یہ بہتر معلوم ہوتا ہے کہ اس مشہور سائنٹیسٹ کے کچھ حالات درج کریں

ان کا شمار اُن صاحبان کمال سے ہے کہ جن کے کمال نے انہیں دنیا کے گوشہ گوشہ میں روشناس کروادیا جن کا وجود نوع انسان کے لئے ایک نعمت ثابت ہوا

جن کے کارنامے ڈنکے کی چوٹ "ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما" کا نقش مرتسم کر چکے ہیں

مختلف ممالک کے لئے ملیریا (MALARIA) جیسا برباد کن مرض، دنیا جس کے ہاتھوں تنگ تھی۔ اور جس کا غیر پائیدار علاج یعنے سنکونا کے کھال کا استعمال اتفاقاً معلوم تو ہو گیا تھا مگر اس کا سبب اور حفظ ماتقدم کے ذرائع کسی کو معلوم نہ تھے۔ ایک عمر صرف کرکے سر رونالڈ راس نے معلوم کیا کہ مچھر جیسی ذلیل ہستی کہ جس کے وجود کی خبر ہمیں عموماً مچھر دان بغیر سوتے وقت ہی ہوا کرتی تھی اس مرض کی حامل ہے۔ اسی کے خون میں اس بیماری کے جراثیم پرورش پاتے ہیں اور اسی کی ڈنک سے انسان مبتلا ہوتا ہے۔ نہ صرف اسباب مرض بلکہ تجویز علاج اور مچھروں سے دنیا کو پاک کرنے کے طریقے بھی اسی سائنٹسٹ نے عالم کو بتلائے۔

سائنٹسٹ کی کیا شان ہوا کرتی ہے؟ وہ واقعات اور تحقیقی "واقعات" سے استنباط نتائج کا اس قدر عادی ہوتا ہے کہ شاعرانہ تخیل کی اس کے ہاں گنجایش ہی نہیں ہوتی۔ مگر سر رونالڈ اس میں یہ احتجاج ضدیں ایک عجیب کیفیت رکھتا ہے۔ سائنٹسٹ کس پایہ کا ہے یہ دنیا کے سائنس دانوں سے پوچھ دیکھئے جو انہیں متعدد علوم و فنون کا پیشوا مانتے ہیں، اس کے ساتھ ہی ساتھ ان کے تخیل نے انہیں ادبی دنیا میں ایک درست شاعر اور قابل قدر ناولسٹ کی حیثیت سے بھی روشناس کرا دیا ہے۔

آج بھی مملکت انگلستان کے محکمہ وزارت (وظائف Ministry of Pensions.) میں اس عالم گیر مرض ملیریا کے متعلق جتنے اہل پیش ہوں وہ انہی سے رجوع کئے جاتے ہیں۔ (اس انسٹیٹیوٹ (Ross Institute - جو امراض منطقہ حارہ کیلئے (Tropical Diseases) قائم ہوا ہے اس کے صدر بھی یہی ہیں، علاوہ اس کے متعدد ملکی و بیرونی طبی انجمنوں کی صدارت انہیں منہمک رکھتی ہے۔ مگر اس مصروفیت کے باوجود بھی ادبی مشاغل کے لئے وقت مل ہی جاتا ہے تخیل اور سائنس کی اجتماعی ذہنیت نے ان سے ریوس آف اور سیراکیوز (Reeds of Syracuse) جیسی ناول لکھوا دی اس کتاب کی تعریف میں صرف اتنا کہنا کافی ہے کہ رائڈر ہیگارڈ (Ryder Haggard) اسا بوڑھا ناولسٹ اس کتاب کا عاشق تھا۔ سر رونالڈ اس نے اور بھی بہت سے چھوٹے بڑے فسانہ و ناول لکھے ہیں جو ہنوز طبع نہیں ہوئے۔ البتہ فلاسفیز (Philosophies - اور سائیکالوجیز (Psychologies) انکی دو نظمیں شائع ہوئی ہیں۔

ان نظموں کے متعلق سٹر آر۔ ایل۔ مگر از بیان کرتے ہیں کہ میں اس کیف و سرمستی کا اظہار نہیں کر سکتا جو فلاسفیز اور سائیکالوجیز کے پڑھتے وقت مجھ پر طاری ہوئی۔ یہ نظمیں انکی اس جودت اور تخیل کا نتیجہ ہیں کہ جبکہ وہ ہندوستان میں ملیریا کے خلاف جہاد کر رہے تھے ان نظموں کے چھوٹے چھوٹے بند اور چیدہ چیدہ الفاظ میں شاعر نے کچھ

ایسی بڑی تصویریں پوشیدہ کی ہیں کہ ان پر غور کرتے ہوئے خود بخود انسان کا ذہن اُس عظیم الشان دماغ کے تحرک اور تموج تخیل کو حیرت کی نگاہوں سے دیکھتا کہ جس نے طبی دنیا میں ایسے ایسے اہم کام کئے اور ایسی ایسی نئی باتیں دریافت کیں"

طب سے متعلقہ علوم وفنون میں سر رونالڈ راس کے کئی تصانیف ہیں مگر ہر پڑھے لکھے شخص کے لئے ان کی ایک اور دلچسپ و قابل مطالعہ کتاب ان کے "میمائرز" (Memoirs) وغیرہ ہیں۔ اس کی کیفیت مثل اور آپ بیتیوں کے نہیں کہ جن کے ابتدائی چند صفحوں کے دیکھنے سے انسان ایسا اُکتا جائے کہ پوری کتاب دیکھنا وبال معلوم ہو بلکہ یہ شروع سے آخر تک مثل ایک دلچسپ فسانہ کے محو رکھنے والی کتاب ہے۔

ایسے شخص کے لئے جس کے دل و دماغ میں فطرت نے سائنس اور تخیل کو سا دی جگہ دی ہو میدان ادارت سے دور رہنا بعید از قیاس تھا۔ سر رونالڈ راس مدیر بھی ہیں اور رسالہ "سائنس پراگرس" انہیں کے زیر ادارت شائع ہوتا ہے۔ بڑی خوبی اس رسالہ میں یہ ہے کہ اس سائنس کو ہر فرد کے لئے قریب الفہم کرنے کی کوششوں میں کامیابی حاصل کرتے ہوئے اس امر کی پوری احتیاط برتی ہے کہ سائنس کے تحقیقی استخراجات کو غلط ثابت کرنے کی سعی لاحاصل نہ کرے

مسٹر آر۔ ایل۔ مگرز بیان کرتے ہیں کہ جب میں سر رونالڈ راس سے ملنے گیا تو پہلا سوال جو میں نے اس سائنٹسٹ سے کیا یہ تھا "سچی خوشی کیسے حاصل ہو سکتی کیا انسانی کامیابی کا یہ پیمانہ ہے کہ وہ جس کام کا آغاز کرے اس کے پورا کرنے میں ایک لذت اور ایک بے پایاں مسرت محسوس کرے"

سر رونالڈ راس جو سوال کہ آپ نے اس وقت کیا ہے وہ ایک نہایت اہم اور عظیم مسئلہ کے متعلق ہے۔ اگر آپ ایک سائنٹسٹ سے اس قسم کے سوالات کیا کریں گے تو آپ کو پہلے ہر مسئلہ زیر بحث کی تعریف اور تخصیص کرنی ہوگی۔ اور مجھے اس کا یقین ہے کہ آپ بھی خوشی کی کوئی تعریف کر سکتے ہیں اور نہ اس کے اسباب کو مختص کر کے بتلا سکتے ہیں۔

شیر کو خوشی کس میں حاصل ہوگی؟ شکار! یعنے ایک نفس کے ہلاک کرنے میں۔ مسرت کا معیار قائم کرنا تقریباً محال ہے۔ ماہر شخص کی خوشی کے اسباب اُس کے رجحان طبیعت پر منحصر ہیں۔ یہ سوال کا مادی رخ ہے..... رہی میری ذاتی رائے تو میں محسوس کرتا ہوں کہ یہ ایک ایسا وسیع مبحث ہے جس پر ایک یا دو جملوں میں گفتگو ختم نہیں کی جا سکتی" مسٹر گراز لکھتے ہیں کہ "میرا دوسرا سوال یہ تھا کہ اچھا پھر یہ فرمائیے کہ کیا انسان کا نصب العین تحصیل مسرت ہو؟ مگر سر رونالڈ اس نے اس سوال کے جواب میں بھی شاعرانہ تخیل کا استعمال جائز نہ رکھا جس کا کہ میں متوقع تھا اور فرمایا۔ "اس سوال کا جواب حاصل کرنے کے لئے بھی پہلے آپ کو خوشی کی تعریف اور تخصیص کرنی ہوگی۔ آپ جانتے ہیں کہ میں ایک سائنٹسٹ ہوں اور کسی مسئلہ پر بحث کرنے کے پہلے زیر بحث شئے کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہتا ہوں اور یہ بغیر پوری تعریف کے ممکن نہیں اور میں نے پہلے ہی عرض کر دیا ہے کہ خوشی ایک ایسا لفظ ہے جو بار تعریف سے ہمیشہ بری رہا ایک پادری کو خوش کرنے کے لئے کیا چاہیے ہی کہ ایک جماعت کثیر اس کے پند و نصائح کو سنے اور اُس کی ہدایات پر عمل پیرا ہو اور پادری کی ہنیت والے شخص کے لئے اس طرح کی کیفیات سے مسرور ہونا بعید از قیاس نہیں بالکل اسی طرح امیابی کی تعریف بھی ممکن نہیں۔ مجھے تو ایسا نظر آتا ہے کہ کامیابی اور خوشی میں نہ صرف چولی دامن کا ساتھ ہے بلکہ ایک دوسرے کے لئے راہ نما اور دلیل ہے"

سائنس اور عقل سلیم مسٹر گراز "کیا ایک سائنٹسٹ کے کسی مسئلہ پر غور کرنے کے اور استخراج نتائج کے طریقہ ایک عام انسان کے طرز تفکر سے جدا ہوتے ہیں"

سر رونالڈ "نہیں میں ایسا نہیں سمجھتا بلکہ میں ہکزلی (Huxley) کی اس رائے سے متفق ہوں کہ انسان کی عقل سلیم کے منظمانہ استعمال کا نام سائنس ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ ہر شخص کسی مسئلہ پر غور کرتے وقت اپنے قوائے ذہنی سے ایسا کام لے کہ اس کو اس مسئلہ کے ہر پہلو پر غور کرنے کا موقع حاصل ہو سائنٹفک دل و دماغ رکھنے والے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ متنبط نتائج میں بے لوث ہو یعنے یہ کہ اُس کی نظر تنقیدی رہے وہ ثبوت کی تلاش میں ڈوبا ہوا ہو"

وہ اندھا دھند نتیجوں پر پہونچنے سے احتراز کرے اور وہ ایک جماعت یا فرقہ کی رائے کو آخر ان مسائل میں شریک نہ کرے۔ ایک مدبر اور ایک سائنٹسٹ میں فرق یہ ہے کہ سائنٹسٹ کسی جماعت کی رائے کی ترجمانی نہیں کرتا۔

مسٹر مگراز "کیا آپ بتلا سکتے ہیں کہ ایک سائنٹسٹ اور ایک آرٹسٹ کی ذہنیت میں ایسی حالت میں کوئی مشابہت ہوتی ہے جب کہ وہ اپنے قوت انتخاب کے استعمال سے مختلف کیفیات اور تاثرات کو ان کے موزونیت کا لحاظ کرتے ہوئے ایک جگہ جمع کرتا ہے۔

سر رونالڈ راس "میں اپنی دانست میں ایک سائنٹفک موجد کو مصور ہی سمجھتا ہوں" اور دونوں کی ذہنیت کے مشابہ خیال کرتا ہوں بڑی بات یہ ہے کہ سائنٹسٹ کو خود غرض نہ ہونا چاہئے اور ایک سائنٹسٹ کی شان ذاتی منفعت کے خیال سے ارفع و اعلیٰ ہونی چاہئے افسوس کہ دنیا میں زیادہ تر ایسے نفوس ہوتے ہیں جو اپنے اور اپنے اہل و عیال اور متعلقین کی فکر میں لگے رہتے ہیں اور اس کے وجہ ان کے خواہشات نفس تن پروری ہوا کرتی ہے۔

کیا سائنس دنیا کے لئے خوفناک طریقوں سے مضر و مہلک ثابت ہو رہا ہے

مسٹر مگراز کہتے ہیں کہ اس سلسلہ گفتگو میں مجھے خیال پیدا ہوا کہ سر رونالڈ راس سے اس قول کی تصدیق کروں جو آج کل بکثرت سننے میں آرہا ہے کہ سائنس آئے دن نئے نئے آلات ہلاکت و بربادی مہیا کر کے نوع انسان کے لئے خطرناک اور مضر ثابت ہو رہا ہے۔ میرے اس سوال کے جواب میں سر رونالڈ نے کہا کہ "میں ایسا نہیں سمجھتا" یہ خیال میری دانست میں احمقوں کا یا ان لوگوں کا ہے یعنی وہ لوگ جو سائنس کے وجود یا اس کے مفید خلق ہونے سے انکار کرتے ہیں جن کا میں نے نیا نٹسٹ (Nescientists) نام رکھا ہے" میں نے اس مسئلہ پر اپنے رسالہ سائنس پر اگر میں ایک جامع بحث کی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ مجھے کسی ایسے سائنٹفک شغل کا نام جو نہیں معلوم جو مضر خلق ثابت ہوا ہو یا ہو سکے۔ یہ ممکن ہے کہ آپ آسانی سے اپنے سوال کی وسعت کو محدود کر دیں اور میرے سامنے اُن نت نئے آلات و ہتیار و جنگ اور جدید اقسام کے

بارود اور نئی نئی دہماکہ پیدا کرنے والی اشیاء کو پیش کریں جو سائنس کے تحقیقات جدید کا نتیجہ ہیں، مگر پھر بھی میرا وہی جواب ہوگا جو ابھی عرض کر چکا ہوں اور ثبوت اس کا واقعات کی شکل میں موجود ہے۔ سابق کی دست بدست لڑائیوں میں مقتولین کی تعداد نسبت آج کل کی لڑائیوں کے کہیں زیادہ ہوتی تھی چیوی چیس (Chavy Chase) کی لڑائی میں دونوں طرف کی فوجیں تقریباً سب کل کی کل کٹ گئیں، اسی طرح کریسی (Creecy) اور ایجن کورٹ (Agin Court) کی لڑائیوں میں ایک طرف یعنے فرانسیسی سپاہ کا بری طرح سے قتل عام ہوا اس طرح کے دست بدست کے لڑائیوں میں جب ایک سپاہی اپنے حریف پر غالب آتا تو سوائے ہلاک کرنے کے اور کوئی چارا نہیں پاتا"

مسٹر مگراز "کیا وہ اسلحہ جنگ جو آج کل استعمال ہو رہے ہیں بہ نسبت سابق کے ہتیاروں کے زیادہ ہلاک اور سپاہوں کی بڑی تعداد کو وقت واحد میں ہلاک کرنے والے ہیں"

سر رونالڈ راس "سب کچھ سہی مگر یہ ملاحظہ فرمائیے کہ مقابلتاً مقتولین کی تعداد زمانہ حال کی لڑائیوں میں کم ہے۔ یورپ کی اس عظیم الشان جنگ کے دوروں میں میدان کارزار کو جتنے سپاہی بھیجے گئے اُن میں سے صرف دس فی صدی ہلاک ہوئے، اور تاریخ کی ورق گردانی کیجئے آپ کو صفحے کے صفحے زمانہ گذشتہ کے خونی معرکہ آرائیوں سے رنگین دکھائی دیں گے عموماً یہ نظر آئے گا کہ ساٹھ ساٹھ فی صدی سپاہی ایک ایک لڑائی میں مارے گئے"

مسٹر مگراز "مگر ایک جماعت کی ہلاکت کے لئے متعدی امراض کے جراثیم کو اُن میں پھیلایا جا سکتا ہے"

سر رونالڈ راس "میں تو نہیں سمجھتا کہ ایسا ممکن ہے، بلکہ مجھے یہ ممکن نظر آتا ہے کہ جنہیں اس قسم کے جراثیم کا ہر وقت مقابلہ رہے ان میں بہت ہی جلد ان امراض کے قبول کرنے کی صلاحیت ہی باقی نہ رہے گی۔ جن دنوں میں محکمہ جنگ میں کام کر رہا تھا تو مجھسے اس مسئلہ پر رائے لی گئی تھی، محکمہ جنگ کو اس کا اندیشہ ہوا کہ دشمن ہوائی جہازوں کے ذریعہ کہیں اسی طرح کے

خوفناک جراثیم کو انگلستان میں نہ پھیلائے۔ میں نے اپنی رائے ظاہر کردی تھی کہ اس طرح پھینکے ہوئے جراثیم منتشر ہوجائیں گے اور بغیر کسی شدید نقصان پہونچانے کے ضائع جائیں گے۔ یہ ممکن ہے چند لوگ ان کے اثر سے ہلاک ہوں مگر لندن جیسی کثیر آبادی والے شہر میں بھی اُن کے مضر اثرات بہت نمایاں نہ ہوں گے۔ دوسری بات یہ ہے کہ جو فوج کے اس طرح شیطانی حرکات کا ارادہ کرے گی وہ خود کب اِن کی مضرتوں سے محفوظ رہ سکے گی اگر مقابل کی سپاہ ایسے متعدی امراض پھیلا دے گئے تو وہ اُدھر بھی ضرور پھیلیں گے چاہے وہ متناثرہ فوج کی قربت کے سبب ہی سے کیوں نہ ہو۔ فی زمانہ اس طرح کی جنگ مجھے بہت ہی مشکل نظر آتی ہے اس میں شک نہیں کہ انسان بڑا ہی ہوشیار اور فریس مخلوق ہے ممکن ہے کہ اپنی ہلاکت اور فنا کے نئے نئے راستے نکال لے مگر یہ ایک دو دن میں ہونی والی بات نہیں"

کیا سائنس کے تحقیقات اور انکشافات جدیدہ سے دنیا پوری طرح سے مستفید ہو رہی ہے

مسٹر مگراز" آپ کے خیال کے بموجب تو سائنس سوسائٹی کے لئے کسیطرح مضر اور خوفناک ثابت نہیں ہوتی اچھا پھر یہ فرمائیے کہ دنیا سائنس کے تحقیقات اور انکشافات جدیدہ سے خاطر خواہ مستفید ہو رہی ہے یا نہیں"

سر رونالڈ راس" اسی علم طب جدید کو ملاحظہ فرمائیے کہ اس کے انکشافات سے کونسی قوم پوری طرح فائدہ اُٹھا رہی ہے اور کس شرمناک طریقہ سے اس کے مفید خلق معلومات سے لاپروائی برتی جا رہی ہے۔ مرض ملیریا اور اُس کے روک تھام کی اچھی مثال ہمارے پیش نظر ہے اس خوفناک بیماری کے جراثیم کی ہلاکت اور فنا کرنے کے جتنے بھی ذرائع تحقیق جدید نے دنیا کو بتلائے اُن میں سے دس فی صدی سے بھی دنیا نے نفع حاصل نہ کیا۔ میں گزشتہ پچیس برس سے کہتا آرہا ہوں کہ کیا کرنا چاہئے اور کیسے کرنا چاہئے مگر اس ربع صدی کے تعلیم اور تعلم کے بعد بھی عالم کے تمدن اور تعلیم یافتہ بستیوں اور گھنی آبادیوں کے قریب ملیریا کے مچھروں کے دل بادل پرورش پاتے اور اپنے زہریلے اثرات پھیلاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یہ صرف اس لئے کہ بسنے والوں نے

ان کی تعداد کو گھٹانے یا مٹا دینے کی کوشش نہیں کی۔ اگر ارادہ کرتے تو ایک آسان سا کام تھا کبھی کے ہو چکتا، میں نے ایسا محسوس کیا ہے کہ اس میں زیادہ تر قصور محکمۂ جات صفائی کا ہے اور یہ یقینی ہے کہ انگلستان یا دوسرے یوروپین حکومتوں نے منطقہ حارہ (Tropics) میں اپنے زیر اثر ممالک کے مقامی حکومتوں کو مجبور نہیں کیا کہ اس طرف بھی پوری طرح متوجہ ہوں اور اپنا فرض ادا کریں"

مسٹر مگراز "انگلستان میں بھی مچھر بہت پیدا ہو گئے ہیں کیا یہ بھی خوفناک ثابت ہوتے ہیں"

سر رونالڈ راس "جی ہاں ان کا وجود بھی خوف و مضرت سے خالی نہیں۔ زمانۂ جنگ میں مجھے کہ از کم چار سو مریض ملیریا کے ایسے ملے کہ جن کے متعلق تحقیق ہو سکی کہ ان میں اس بیماری کے اثرات یہیں پیدا ہوئے تھے۔ انگلستان کا مشرقی ساحل اس سے متاثر ہو چکا ہے اور کنیٹ (Kent) کے سواحل تو اس سے بھی بدتر حالت میں ہیں۔ مگر اب یہ مرض بتدریج مفقود ہوتا جا رہا ہے"۔

مسٹر مگراز "جتنے بھی مچھر فضا میں اڑتے نظر آتے ہیں کیا وہ سب ملیریا کے جراثیم کے حامل ہوتے ہیں"

سر رونالڈ راس "جی نہیں ان میں سے صرف ایک قسم ان جراثیم کی حامل ہوتی ہے جس کا نام انافیلس (Anapheles) رکھا گیا ہے یہ نام کل جنس کا ہے اور اس جنس کے چند خاص نوع (Genera) ہیں کہ جن کے خون میں ملیریا کے کیڑے پرورش پاتے ہیں دوسرے انواع ان سے بری ہوتی ہیں۔ یہ بیماری انگلستان میں زیادہ نہیں پھیل سکتی کیونکہ یہاں کی آب و ہوا مچھروں کے لئے بھی موزوں نہیں موسم کے اثرات سے وہ خود بخود بہت جلد ہلاک ہو جاتے ہیں دوسرا سبب یہ ہے کہ یہاں کا ایک چپہ بھر زمین بھی ایسی افتادہ اور بیکار نہیں کہ اس میں ان کے انڈے بچے پرورش پا سکیں بلکہ زراعت نے کافی طور سے ان کی جگہ لے لی ہے"

مسٹر مگراز "مرض ملیریا کا شیوع کس طرح ہوتا ہے کیا مچھر بذاتہ زہریلے ہوتے ہیں؟"

سر رونالڈ راس "مچھر صرف اس بیماری کے جراثیم کے حامل ہوتے ہیں جب وہ اس مرض سے مبتلا آدمی کو کاٹتے ہیں تو اس کے خون کے ساتھ ساتھ ملیریا کے کیڑے بھی اُن کے جسم میں داخل ہو جاتے ہیں، اس طرح کے متاثر مچھر جب کسی توانا آدمی کو کاٹتے ہیں تو یہ جراثیم اُس کے خون میں سرایت کر جاتے ہیں اس قسم کے حشرات الارض کے اجسام میں فطرت نے ایسا انتظام مہیا کر دیا ہے کہ وہ خود بغیر متاثر ہوئے ایک جسم سے دوسرے جسم میں ان بیماریوں کو پہونچا دیتے ہیں چاہیئے انسانوں میں ہو یا حیوانات و نباتات میں، امراض متعدی سے متاثر ہونے کے جملہ علل اور اسباب کی تعلیم ہر مدرسہ میں ہونی چاہیئے

انکشافات سائنس سے افادہ | مسٹر مگراز "کیا ایک حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ تحقیقات سائنس کے نتائج سے سوسائٹی کو فائدہ پہونچانے کا ذمہ لے لے"

سر رونالڈ راس "اس میں شک نہیں کہ عہدہ داران حکومت اور مدبرین اگر سیاسیات کے شور و شغف کو کم کر دیں اور سائنس کا زیادہ مطالعہ کیا کریں تو دنیا رہنے اور بسنے کیلئے زیادہ خوشگوار مقام ہو جائے"

مسٹر مگراز "سائنٹیفک انکشافات اور تحقیقات جدیدہ نے مختلف فنون کے میدان عمل میں جن نئے نئے طریق اور طرز کار کو پیش کیا ہے کیا یہ ممکن ہے کہ انپر عمل پیرا ہونیکی مخالفت اس وجہ سے کیجائے کہ قدیم طرز عمل سے تجارتی دلچسپیاں وابستہ ہیں؟"

سر رونالڈ راس "مجھ سے اس سوال کا جواب طلب کرنا ظلم ہے۔ ایک سائنٹسٹ کا یہ کام نہیں کہ انکشافات اور تجربات پر تجارتی نکتہ نظر سے عمل پیرا ہو، رہا تجارتی دلچسپیوں کا مسئلہ یا سرمایہ کو نفع کی غرض سے خرچ کرنیکا سوال تو اس کے متعلق میرے ذہن میں ایک خیال آتا ہے، اگر ملیریا یا دوسرے امراض کو منطقہ حارّہ سے دفع کرنے کیلئے بڑی کمپنیاں قائم ہو جائیں تو خوب ہو وہ مقامی حکومتوں سے کہیں زیادہ مفید ثابت ہونگی۔

مسٹر مگراز "مگر ایسی کمپنیوں کو تجارتی نفع کیا حاصل ہوگا؟"

سر رونالڈ راس "یہی تو پیچیدہ سوال ہے اور یہی سبب ہے کہ کسی قسم کے امراض کے لئے اس طرح کی دماغی کاروائیاں نہیں کی جاتیں۔ مگر دیکھئے میں ایک بات آپ کو بتادوں اگر کسی ملیریس (Malarious) مقام کے لوگوں کو سمجھایا جائے کہ ایسی تجارتی جماعت کہ جس نے ملیریا کے دماغ کا کام اپنے ذمہ لیا ہے ایک مقررہ ٹیکس ادا کیا کریں تو یہ طریق کار وہاں کے باشندوں کے لئے کتنا مفید ثابت ہوگا۔ اسی طرز کا ایک راکفیلر انسٹیٹیوٹ (Rockfeller Institute) امریکہ میں ہے اور کیسے اچھے اچھے کام کر رہا ہے اور یہی کیفیت فیڈریٹڈ ملایا اسٹیٹس (Federated Malaya states) میں ہے۔"

مسٹر مگراز "جس زمانہ میں آپ کا ذوق شاعری جاری تھا تو طرز انہماک اور طریقہ کیا بالکل ویسا ہی تھا جیسا کہ تحقیقات مرض ملیریا کے دوران میں رہا؟"

سر رونالڈ راس "حقیقت تو یہ ہے ان نظموں کی ترتیب بھی اسی زمانہ کی ہے جب میں ان سائنٹیفک مشاغل میں منہمک تھا۔ اسی اثنا میں میں نے بہت سے ناول بھی لکھے جیز (Jenner) جو واکسینیشن کا (Vaccination) کا موجد تھا اور ہمپری ڈیوی (Humpry Davy) نے بھی اپنے ادبی مشاغل یوں ہی جاری رکھے تھے۔ اور بہت کم لوگوں کو اس کا علم ہوگا کہ رائل سوسائٹی کا صدر نشین بھی ایک زبردست شاعر ہے"

گفتگو یہاں تک پہونچی تھی کہ سر رونالڈ نے مجھ سے یکایک سوال کیا کہ کیا تم کو ریاضیات سے بھی دلچسپی ہے؟ مجھے جواب میں اس علم سے اپنی کامل ناواقفیت کا اظہار کرنا پڑا"

سر رونالڈ راس "میں نے اپنی عمر کا بہت بڑا حصہ اس فن کی تحصیل میں صرف کیا اور مجھے اندیشہ ہے کہ یہ وقت ضائع گیا"

مسٹر مگراز "کیا ریاضی بھی تحقیق و انکشافات حقیقت کا ویسا ہی ذریعہ ہے جیسا کہ علمی سائنس"

سر رونالڈ "جوں ہی سائنس اپنے مبادیات سے ترقی کرتا ہے اور اس درجہ سے آگے

بڑھ کر کہ جس کا نام میں نے سب سائنس (Sub Science) رکھا ہے مشق (مشق) شکل اختیار کر لیتا ہے تو اپنے اپنے طریق استخراج و استدلال میں ریاضیات کے اصول کا پابند ہو جاتا ہے۔ چنانچہ میں نے امراض متعدی کا ریاضیات کی رو سے ایک نقشہ تیار کیا ہے جس میں تمام امراض متعدی کو ایک مساوات (Equation) کے تحت پایا۔ اور ان سب کے کرتبی بھی بیماریاں تھیں وہ سب کے سب ایک ناقوس نما منحنی (Curve) پر بڑھتی گھٹتی تھیں میرے ان استخراجات کو رائل سوسائٹی نے شائع بھی کر دیا تھا،،

حسب توقع اس رسالہ سے تو انگلستان میں کوئی دلچسپی نہیں لی گئی مگر آج کل امریکہ میں اس رسالہ کے ہر نکتہ پر نہایت گہری دلچسپیوں سے غور کیا جا رہا ہے اور اس کے استخراجات سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی جا رہی ہے

مسٹر مگراز کے اس سوال کا کہ "کیا ہمارے ملک میں سائنس اور سائنٹسٹ سے بہ نسبت دوسرے ممالک کے زیادہ لاپروائی برتی جاتی ہے" جواب دیتے ہوئے سر رونالڈ راس نے کہا کہ "ہاں واقعہ تو یہی ہے اور اس لئے تعجب خیز ہے کہ ہماری قوم نے نیوٹن (Newton) کے بعد بھی بہترین سائنٹسٹ دنیا کے آگے پیش کئے، مگر ہمارے عوام کو ان علوم و فنون سے کوئی دلچسپی نہیں"

مسٹر مگراز "کیا یہ ہمارے طرز حکومت کا قصور ہے؟"

سر رونالڈ راس "بڑا سبب یہ ہے کہ ہماری حکومت نے سائنٹیفک انکشافات پر روپیہ صرف نہ کرنے کی قسم کھائی اور سائنس کے مفید خلق بنانے میں ہم دوسری قوموں سے بہت پیچھے ہیں میڈیکل (Medical Science) سائنس کو ہی دیکھئے ہماری چار کروڑ (ایک کروڑ) آبادی ہے اور ہم سالانہ ایک لاکھ اسی ہزار پونڈ اس فن پر صرف کرتے ہیں اس حساب سے فی کس ایک پنی ایسے کثیر المنفعت فن پر خرچ کیا جاتا ہے۔ اس بخل کا اثر یہ ہے کہ اس ملک میں کوئی سائنٹفک انکشاف یا تحقیق جائے نوع انسان کیلئے کتنی ہی نفع رساں کیوں نہ ہو اپنے موجد کو کسی قسم کا فائدہ نہیں پہنچا سکتی نتیجہ یہ کہ

ب اُمنس سے لاپروا ہوجاتے ہیں اور اسکی ریاضتوں کو غیر نفع بخش سمجھکر احتراز کرتے ہیں۔
مسٹر گراز" تو کیا سائنٹفک تحقیقات کے نتائج اور انکشافات تمام تر اُن لوگوں کے ہاتھ میں رہا کرتے ہیں کہ جن کے ہاں روپیہ زیادہ ہے یا جنہیں مالی نفع کا خیال بہ نسبت سائنٹفک ذوق کے زیادہ ہے؟"

سر رونالڈ راس" ہاں ایک حد تک مگر حقیقت یہ ہے کہ بہت سارے انکشافات و تحقیقات سائنس ایسے بھی ہیں کہ جن کا کوئی تجارتی استعمال کیا جا سکتا ہے اور نہ وہ نفع رساں ثابت ہو سکتے ہیں حالانکہ اُن کے مفید عام ہونے میں کوئی شک نہیں۔ حاصل مطلب یہ ہے ان علوم و فنون کی تحصیل اور ان کے تحقیقی مدارج کی ریاضتوں میں کوئی فائدہ نہیں اس لئے نوجوان طبقہ ان سے پریشان ہو کر دور رہتا ہے۔ دیکھئے! بڑے سے بڑے انکشافات جو علم طب میں اس صدی کے دوران میں ہوئے ایسے تھے کہ اُن کے سبب سے امراض منطقہ حارہ کے جملہ کیفیات و اثرات و عوارض و معالجات واضح ہو گئے مگر ایک شخص بھی سوائے میرے ایسا بتلائیے کہ جس نے اس میدان میں اپنی جانفشاں ریاضتوں سے سوسائٹی کو ایسے ایسے فائدے پہونچائے ہوں اور سوسائٹی نے اس کا معاوضہ دیا ہو، البتہ مجھے تو (معلوم ہے) سویڈن نے نوبل (Noble Prize) پرائز دیا ہے۔ مجھے سب سے زیادہ حیرت و استعجاب تو اس غفلت و لاپروائی پر ہوتا ہے جو انگلستان کے عوام الناس نے ان مفید تحقیقات سے برتا بہ غضب تو دیکھئے کہ مشکل ہی سے کسی کو اُس شخص کا نام معلوم ہوگا کہ جس نے تاریخ عالم کے سب سے زیادہ خوفناک اور مہلک مرض یعنے طاعون کے متعلق تحقیقات کی اور یہ بتلایا کہ اس مرض کو عذاب کے فرشتہ آگ کی تلواریں ہاتھوں میں لئے ہوئے نہیں پھیلاتے پھرتے ہیں، بلکہ یہ مرض اُن پسوؤں کے ذریعہ پھیلتا ہے جو وہ چوہوں کے جسم پر رہتے ہیں۔ خیر آج دنیا ان محاسن کمالوں سے بے پروا ہے تو کیا ایک زمانہ آئیگا بلکہ آج سے ایک صدی

ل نوٹ یہ عیسائیوں کا عقیدہ تھا۔

بعد ہی یہ لوگ اس دور (بیسویں صدی) کے سب سے زیادہ قابل تد
جائینگے۔ کیا یہ عوام الناس کی طفلانہ حماقت نہیں کہ قابل ترین سائنٹسٹ کی برسوں
ریاضت کے نتائج سے فائدہ نہ اُوٹھائے بلکہ انہیں لاپروائی سے ٹھکرا دے۔
میرے بعض احباب اور کرم فرماؤں نے ارادہ کیا ہے کہ میرے لئے ایک انسٹیٹیوٹ
بنوائیں۔ مگر مجھ سے کہیں زیادہ قابل اور لائق ہمدردی لوگ اس وقت موجود ہیں
کہ جن کے ساتھ اتنی بھی مراعات روا نہیں رکھی گئی +"

جس انسٹیٹیوٹ کا سر رونالڈ راس نے ذکر کیا ہے وہ راس انسٹیٹیوٹ ہے
جو بتقام پٹنی (Putney) انگلستان میں امراض منطقہ حارہ کے لئے قائم کیا گیا
ہے اور ۱۹۲۵ء کے موسم خزان میں اس کا افتتاح ہو چکا ہے۔

ب اُمنہ

ٹرانٹو کانفرنس امریکہ

مس آمنہ پوپ پرنسپل زنانہ کالج ناصلی حیدرآباد ایک طول رخصت پر امریکہ گئی تھیں اور حال میں بعد ختم رخصت واپس آئی ہیں۔ ایام قیام میں کینڈا کے تعلیمی کانفرنس میں آپ کو شریک ہونے کا موقع ملا وہاں آپ نے حیدرآباد کے تعلیمات سے متعلق جو مضمون پڑھا وہ ناظرین المعلم کے معلومات کے لئے شائع کیا جاتا ہے۔

(المعلم)

صدر انجمن نے بکمال مہربانی مجھ سے فرمایا کہ میں اس وقت اپنے اُن خدمات کا ذکر کروں جو میں نے اب تک ہندوستان میں انجام دے ہیں۔

گزشتہ دس سال سے میں ریاست حیدرآباد کے محکمہ تعلیمات میں مامور ہوں اعلیحضرت نظام دکن۔ ہندوستان کی سب سے بڑی ریاست کے فرمان روا ہیں۔ آپ نہایت ذی اقتدار اور روشن خیال بادشاہ ہیں جن کا مطمح نظر ہمیشہ رعایا کی ترقی اور بہبودی رہا ہے۔ اعلیحضرت کو تعلیمی اُمور سے گہری دلچسپی ہے اور آپ کا قیمتی وقت ریاست کے مسائل تعلیمی پر غور و خوض فرمانے میں صرف ہوتا ہے۔ آج سے کئی سال قبل حضرت اقدس و اعلیٰ نے اس امر کو محسوس فرمایا کہ مغربی طرز کی تعلیم جس سے ہندوستانی دماغ اب تک پرورش پاتے رہے خاطر خواہ مفید ثابت نہیں ہوئی اور جب کہ ہندوستان کے مدبرین نے سمجھا حضرت اقدس و اعلیٰ نے یہی محسوس فرمایا کہ اگر تعلیم کا اصلی منشاء یہ ہے کہ انسان میں تدبر و فکر کی صلاحیت پیدا

کرے تو یہ بات غیر زبان یعنی انگریزی میں تعلیم دینے سے حاصل نہیں ہو
چاہیئے کتنی ہی عام اور مقبول ہو ہندیوں کے لئے ہمیشہ غیر زبان رہے گی۔
مطالب اگر غیر زبان میں بیان کئے جائیں تو ان کے سمجھنے میں طلبہ کو دشواری
ہوتی اور ان کا وقت ضائع ہوتا ہے اور پھر اصلاحات کی تفہیم بھی باعث تقیع اوقات ہوتی
اور ان سب خرابیوں کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ طلبہ کی تعلیمی ترقی محدود اور نا قابل اطمینان
ہو جاتی ہے۔

اعلیحضرت اور دیگر عہدہ داران متعلقہ نے کامل غور و فکر کے بعد آٹھ سال کے
قبل ایک یونیورسٹی کا قیام فرمایا جو عثمانیہ یونیورسٹی کے نام سے موسوم ہے: در
جس میں ذریعہ تعلیم اردو ہے۔ اردو ہندوستان کی عام زبان ہے۔ اور اس کو
ہندوستانی بھی کہتے ہیں۔ اس یونیورسٹی میں انگریزی کو لازمی قرار دیا گیا ہے اور اس کا
معیار اتنا ہی اعلیٰ ہے جتنا کہ دوسرے ان ہندی یونیورسٹیوں میں ہے جہاں کہ انگریزی
زبان اول ہے چونکہ اردو میں بعض مضامین مثلاً سائنس اور تاریخ کے متعلق کافی کتب
موجود نہ تھے اس لئے ترجمہ کے لئے یونیورسٹی سے متعلق ایک دارالترجمہ قائم کیا گیا
اور انگریزی۔ فرانسیسی۔ جرمن کے متعدد مشہور اور مسلمہ کتابوں کا اردو میں ترجمہ کیا گیا
تاکہ جدید اصول پر اعلیٰ تعلیم ہو سکے۔

اس جامعہ کو توقع سے زیادہ کامیابی حاصل ہوئی۔ طلیسانیوں کی بڑھتی ہوئی
تعداد اس امر کی دلیل ہے کہ اس یونیورسٹی کی راہ میں جو مشکلات اور موانع تھے
وہ ایک حد تک رفع ہو گئے۔

حیدرآباد کے سب سے بڑے مدرسہ نسوان پر میرا تقرر عمل میں آیا۔ یہ مدرسہ
مدراس یونیورسٹی سے تعلق رکھتا تھا جس کی زبان اول انگریزی تھی۔ اس مدرسہ کو
قائم ہو کر ۴۰ برس گزرے۔ اس سے قبل اہل حیدرآباد کے خیال میں تعلیم نسوان

ں اُمنی ضروری نہ سمجھی جاتی تھی جیسی کی تعلیم ذکور۔

مدرسہ چار لبقوں پر مشتمل ہے۔ ابتدائی۔ تحتانیہ۔ وسطانیہ۔ فوقانیہ۔ طالبات کی تعداد (۲۲۵) ہے۔ طالبات نہایت ذہین و فہیم ہیں۔ مدرسہ کا نتیجہ ہمیشہ تشفی بخش رہتا ہے لیکن ابھی تک لڑکیوں کے لئے یونیورسٹی کی تعلیم کا انتظام نہیں ہوا۔

چونکہ طالبات پردہ کی نہایت پابند ہیں یہ امر ناممکن ہے کہ وہ طلبہ کے ساتھ تعلیم پا سکیں مجھے ہندوستان کے قیام کے زمانے میں لڑکیوں کے تعلیمی ضروریات کے متعلق غور کرنے کا موقع ملا اور میں نے یہ رائے قائم کی کہ ماہران فن تعلیم کی غایت یہ نہ ہونی چاہیئے کہ وہ مغربی نقطہ نظر کو ہمیشہ پیش نظر رکھیں بلکہ تعلیم میں مقامی ضروریات اور ماحول کو ملحوظ رکھیں۔ ہندوستان کی شریف الخاندان لڑکیوں سے کسب معاش کی توقع نہیں کیجاتی ہے۔ وہ قدیم طرز اور ایک لائق تحسین اصول کے موجب کہ عورت کا پہلا فرض یہ ہے کہ ایک اطاعت گزار بی بی اور اچھی ماں بنے پرورش پاتی ہیں۔ ہندوستانی لڑکیاں ایک نہ ایک روز بیاہ دی جاتی ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ لڑکوں سے قبل تعلیم ترک کر دیتی ہیں۔

میں سمجھتی ہوں کہ ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ لڑکی اپنے شوہر کی بہتر رفیق ثابت ہو سکتی ہے۔ میں اس امر کی ضرورت بھی محسوس کرتی ہوں کہ زبان کی مشکلات کے عبور کرنے میں لڑکوں کا جو وقت ضائع ہوتا ہے اس کا اضعاف لڑکیوں کے لئے ہوتا ہے۔

میں نے بہت کچھ غور و خوض کے بعد ایک اسکیم قیام کالج کے لئے پیش کیا تاکہ میرے مدرسہ کی طالبات فوقانیہ تعلیم کے بعد یونیورسٹی کی تعلیم پا سکیں۔ اعلیحضرت نے اس تجویز کو منظور فرمایا اور تین سال قبل میرے مدرسہ میں ایف۔ اے کی جماعتیں قائم کی گئیں۔ مضامین جو طالبات نے لئے انگریزی۔ اردو۔ عربی۔ فارسی۔ تاریخ انگلستان اور تاریخ ہندوستان ہیں۔ باستثنائے مضمون انگریزی دگر مضامین کے لئے

ذریعہ تعلیم اُردو ہے۔

سال گذشتہ طالباۃ کے پہلے گروہ نے امتحان دیا جس میں سے ایک طالبہ جملہ مضامین میں کامیاب ہوئی اور مجھے اطلاع ملی ہے کہ وہ انگریزی میں ممالک محروسہ میں پہلی رہی۔ اس لئے ظاہر ہوتا ہے کہ اگرچیکہ اردو ذریعہ تعلیم ہے لیکن اس سے بھی طلبہ اور طالباۃ اپنے کو انگریزی میں بھی برتر ثابت کر سکتے ہیں۔

ہندوستان اور حیدرآباد میں تعلیم نسوان کے مسئلہ پر ان پہلوؤں سے غور نہیں کیا جا سکتا جو ممالک مغرب میں ماہران فن کے پیش نظر رہتے ہیں۔ مثلاً پردہ کی قیود سے جو مشکلات حائل ہوتے ہیں وہ مسئلہ تعلیم کو زیادہ پیچیدہ کر دیتے ہیں۔ ایسی حالت میں گورنمنٹ کو نہ صرف مدراس نسوان کے لئے لائق اسٹاف اور روشن ہوادار عمارات کی ضرورت ہوتی ہے بلکہ طالباۃ کی آمد و رفت کے لئے پردے کی سواریوں کا انتظام بھی کرنا پڑتا ہے۔ ان سواریوں کے ساتھ ایک عورت ملازم رکھی جاتی ہے تاکہ کوئی غیر معمولی واقعہ پیش نہ آئے اور لڑکیاں بخیر بہال سے مدرسہ تک پہونچا دی جائیں۔

ایک ایسے اسٹاف کی فراہمی جو اُردو اور انگریزی میں تعلیم دے سکے مشکلات پیدا کرتی ہے۔ چونکہ تعلیم نسوان کا احساس پیدا ہو گیا ہے یہ امر زیادہ تر توجہ کے قابل ہوتا جا رہا ہے۔

میرے مدرسہ میں یہ نظارہ کوئی غیر معمولی نہیں ہے کہ ایک لڑکی اور اس کی ماں ایک ہی درجہ میں دوش بدوش بیٹھتی ہیں اور تعلیم حاصل کرتی ہیں۔

ہندوستان میں لڑکیوں (جو آئندہ مائیں ہونے والی ہیں) کی تعلیم کے متعلق عام بیداری پیدا ہو گئی ہے۔ اہل ہند ماؤں کا بیحد احترام کرتے ہیں۔ چنانچہ میر انیس نے کہا ہے کہ "زیر قدم والدہ فردوس بریں ہے۔ اور یہی وہ ملک ہے کہ جس کے شاہنشاہ نے

تاج محل آگرہ بنا کر ہندوستان کی عورتوں کی عزت اور حرمت کا سبق سکھایا۔

بیج

اگر ہم کسی پودے کی نسبت معلومات حاصل کرنا چاہیں تو ہم کو چاہیے کہ ہم اُس کے بیج کے اُگنے سے بارآور ہونے اور پکنے تک کے حالات کو غور کریں اس غرض سے ہم چند تخم کا امتحان کرینگے اور ان کے اُگنے کی نسبت چند تجربات کریں گے ؟

سیم کا بیج ! ؟ سیم کے بیج کو غور سے دیکھو اس کی شکل گردے نما ہے اور رنگ بھورا ہے اس کے ایک کنارے پر کچھ سفید اُبھرا ہوا حصہ ہے اگر تمہارے پاس سیم کی پھلی ہو تو اسے کھول کر دیکھو کہ بیج پھلی میں کس طرح لگے ہوئے ہیں۔ یہ سفید داغ اُس حصہ کو ظاہر کرتا ہے جس کا تعلق پھلی سے تھا اس داغ کو **ناف** کہتے ہیں ناف کے ایک کنارے پر ایک چھوٹا سا سوراخ ہے بھیگے ہوئے بیج کو ذرا دباؤ پانی کا ایک قطرہ ناف کے ایک گوشہ میں نمودار ہوتا ہے بیج کو دبانے سے یا نی منفذ

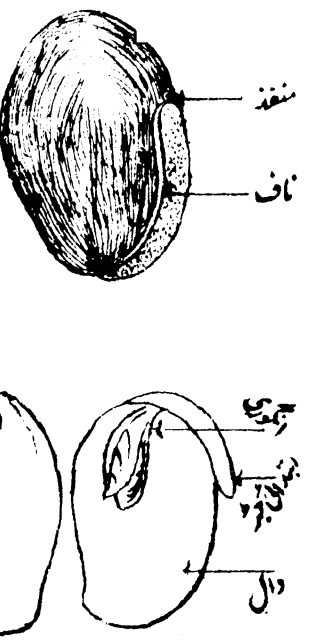

سے خارج ہوتا ہے اس کی پوست کو علیحدہ
کرو تم کو دو دالیں نظر آئیں گی دالوں کو علیحدہ کرو
اس کے اندر ابتدائی جڑ اور انگوری نظر آتی ہے
اور انگوری کے چھوٹے چھوٹے چھوٹی چھوٹی پتیاں نظر
آتی ہیں؟

چنا؟ چنے کے بیج کو مشاہدہ کرنے سے تم کو
معلوم ہوگا کہ اس کا رنگ سرخ کا ہوتا ہے۔
ایک کنارہ انکیلا ہوتا ہے نکیلے کنارے کے
ایک گوشہ میں داغ ہے جسے **ناف** کہتے ہیں
نکیلے کنارے اور ناف کے درمیان **منفذ** ہے
یہ سوراخ بہت چھوٹا ہے اس لئے اس کو دیکھنے
کے لئے ایک کلاں نما شیشہ استعمال کرو؟
ناف کے دوسری جانب کچھ فاصلہ پر ابھرا ہوا۔
سیاہ حصہ ہے جسے پیندی (**Chalaza**)
کہتے ہیں پوست علیحدہ کرنے سے دو دالیں نظر
آتی ہیں جس کے اندر ابتدائی جڑ اور انگوری بھی
ہوتی ہے دالیں ابتدائی جڑ سے دو چھوٹے
چھوٹے ڈنٹھلوں سے تعلق رکھتی ہیں سیم اور
چنے کے بیج میں توشہ نہیں ہوتا۔

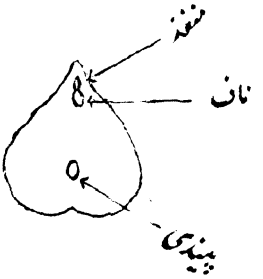

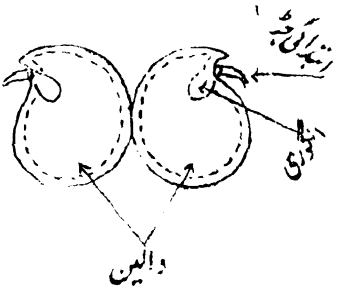

ارنڈی کا بیج - اس کا پوست بہت سخت
اور جیتی دار ہوتا ہے بیج کے ایک کنارے پر

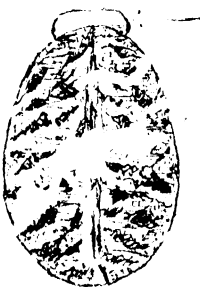

گنڈی نما اُبھرا حصہ ہوتا ہے جسے **قشرک** کہتے ہیں ہوشیاری سے اس کے پوست کو علیحدہ کرو چاقو سے چپٹی سطح کے متوازی بیج کی وسط سے دو حصے کرو۔ قشرک کی طرف ابتدائی جڑ نظر آتی ہے اور انگوری دو باریک نازک دالوں کے اندر ملفوف رہتی ہے دالیں بیضوی شکل کی ہیں کیونکہ ان میں وسطی رگ اور دیگر چھوٹی چھوٹی رگیں نظر آتی ہیں یہ دالیں توشہ میں موجود ہیں جہاں سے بآسانی علیحدہ کی جا سکتی ہیں اس لئے بیج کو توشہ دار بیج کہتے ہیں توشہ کو کاغذ دباؤ تم دیکھو گے کہ کاغذ پر تیل کا داغ پڑ جاتا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ توشہ میں تیل کی افراط ہے لہذا ان بیجوں سے ارنڈی کا تیل نکالا جاتا ہے؟!

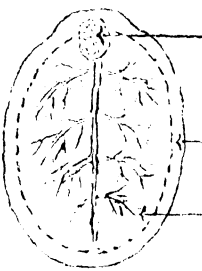

مکا؛ مکئی کا دانہ جسے بیج کہتے ہیں دراصل پھل ہے جس کے اندر صرف ایک بیج ہوتا ہے۔

حولِ ثمر۔ اور بیج کا پوست باہم اسقدر چمٹ گئے ہیں کہ علیحدہ نہیں ہو سکتے چپٹی سطح کے ایک جانب نکیلے کنارے کی طرف بیضوی نشان ہے جس کا رنگ بیج کے اور حصوں سے ہلکا ہے یہ حصہ **جنین** کے مقام کو ظاہر کرتا ہے اس حصے

سے پوست علیحدہ کرو نیز دانتوں سے کچھ حصہ
تراشو لیکن [illegible] خیال رہے کہ زیادہ
گہرائی کا [illegible] بیچ میں بیضہ نما ایک ہڈی
دار [illegible] طشت کہتے ہیں ابتدائی جڑ
اور انگوری کا امتیاز کرنا مشکل ہے لیکن کاٹنا
شیشہ سے ان دونوں کو ہم [illegible]
بیج کے بقیہ حصے میں توشہ ہے طشت ایسی
توشہ میں موجود رہتا ہے ؟!

بیجوں کا اگنا ؟

بیجوں کے اگنے کا مطالعہ کرنے کے لئے
(۲۴) چوبیس گھنٹے تک بیجوں کو پانی میں بھگنے دو
اس کے بعد ان کو تر برادے میں رکھو۔ ایسا
کرنے سے چند دنوں میں بیج اگ آتے ہیں اور
اور ان کا مشاہدہ آسانی کیا جا سکتا ہے اگر
ہم انہیں مٹی میں بوئیں تو انکی جڑیں راسخ ہو جاتی
ہیں اور ان کے نکالنے میں جڑوں کے ٹوٹنے
کا اندیشہ ہے بیجوں کے مختلف مدارج کا مطالعہ
کرنے کے لئے بیجوں کو ایک دو دن کے
وقفے سے بونا چاہیے تاکہ وقت واحد میں ان کے
مختلف مدارج کا مشاہدہ کیا جا سکے ؟

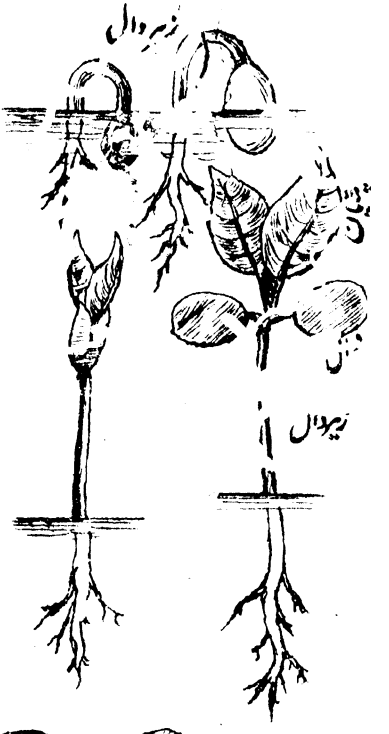

سیم کا بیج؛ جب سیم کا بیج بویا جاتا ہے تو چند دنوں میں ابتدائی جڑ منفذ سے نکل کر زمین میں داخل ہو جاتی ہے اور اس کے بعد حلقہ نما ایک حصہ زمین کے اوپر نظر آتا ہے اس حلقہ نما حصے کو دالوں کے [illegible] کہتے ہیں اور اس قسم کے دالوں کو برزمین کہتے ہیں اس حلقہ نما حصے کے ذریعے دالیں زمین کے اوپر نکل آتی ہیں سیم کی دالیں روشنی میں آنے سے سبز ہو جاتی ہیں لیکن پتوں کی شکل اختیار نہیں کرتیں؛

چنا؛ ابتدائی جڑ پوست کو پھاڑ کر منفذ کے ذریعے باہر نکل آتی ہے اسی اثنا میں دالوں کے ڈنٹھل بھی بڑھتے ہیں جنکی وجہ سے دالیں علیحدہ ہو جاتی ہیں اور انگوری ان میں سے جھانکتی ہوئی نظر آتی ہے شروع میں صرف حلقہ نما حصہ زمین کے اوپر نظر آتا ہے ابتدائی جڑ بڑھ کر زمین کے اندر داخل ہو جاتی ہے۔ مگر انگوری کچھ عرصہ تک حلقہ دار ہی رہتی ہے لیکن بتدریج جوں جوں بڑھتی ہے سیدھی ہوتی جاتی ہے انگوری کے اوپری حصے میں دالوں کے اوپر چھوٹی چھوٹی پتیاں نظر آتی ہیں دالوں کے نیچے کا حصہ

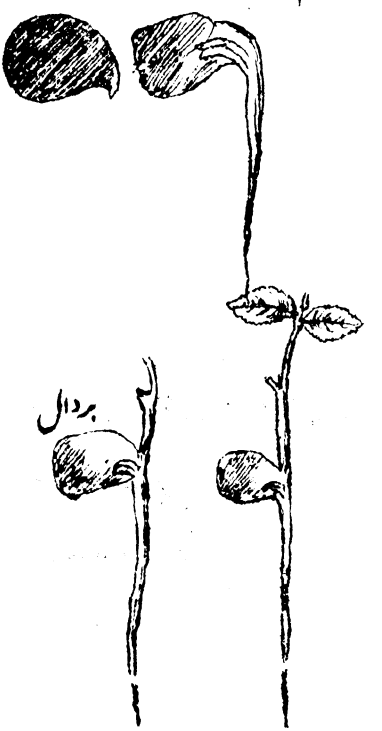

زیر دال کہلاتا ہے۔ اس [illegible] ابتدائی
جڑ سے [illegible] نکلتی [illegible] اور بھی بڑھ
جاتی ہے شرو [illegible] ہی
ہیں لیکن [illegible] ہے جو [illegible] ہر
کے [illegible] ن وصاد قدوے [illegible] ہوتے
[illegible]
[illegible]
کے اوپر نہیں [illegible] اس لئے ان کو زیر [illegible]

[illegible]

ارنڈی کا بیج؛ اس بیج میں بھی پہلے ابتدائی جڑ نکلتی ہے۔ اس کے بعد زیر دال حلقہ کی شکل میں زمین کے اوپر نکل آتی ہیں۔ حلقہ کافی لمبا ہو جاتا ہے پتہ نما دالیں بیج کے اندر ہی کچھ وقت تک رہتی ہیں اور توشہ سے خوراک حاصل کر کے بڑھتی رہتی ہیں اس کے بعد زیر دال سیدھی ہو جاتی ہے اور دالیں توشہ میں ملفوف زمین کے اوپر نکل آتی ہیں تب یہ دالیں سبز پتوں کی شکل میں نمودار ہوتی ہیں۔

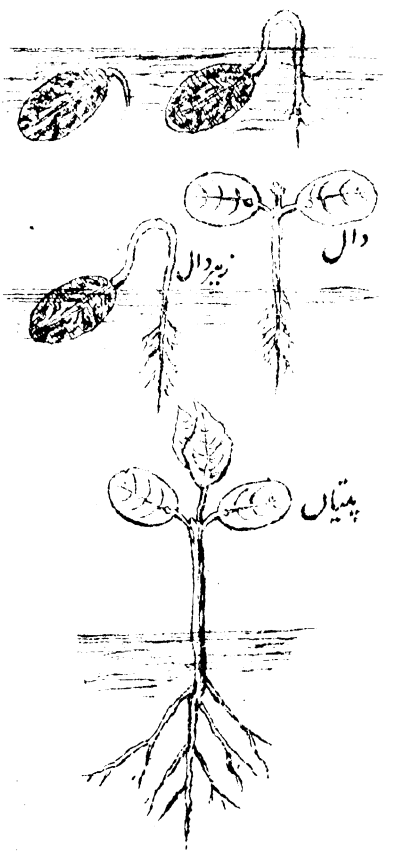

مکئی؛ شروع میں ابتدائی جڑ نکلتی ہے اس کے بعد انگوری حول ثمر اور بیج کے پوست کو پھاڑ کر زمین کے اوپر نکل آتی ہیں لیکن طشت زمین کے اندر ہی رہتی ہے یعنی زیر زمین ہے۔ ابتدائی

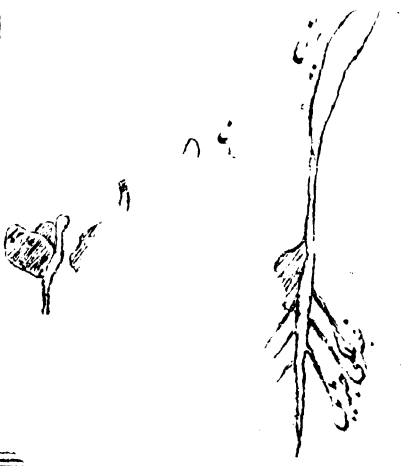

جڑ کے علاوہ انگوری کے قاعدے سے دیگر
جڑیں نکل آتی ہیں یہ غیر ملکی جڑیں ہیں ابتدا
ہی سے بیج کے اندر پائی جاتی ہیں غلاف نما حصہ
زمین کے اوپر نکل آتا ہے جن کے اندر بیج ہوتی ہے

شذرات

تعلیم کے متعلق جاپانی فرمان شاہی

ما بدولت کی رعایا کو معلوم ہو۔

ما بدولت کے اسلاف شاہی نے ایک وسیع اور دائمی بنیاد پر سلطنت کی داغ بیل ڈالی ہے اور اسکی گہرائیوں میں حق صداقت کا ایک مستقل بیج بویا ہے۔ ما بدولت کی رعایا وفاداری و فرزانگی میں ہمیشہ متحد رہی اور عہد بہ عہد اس صداقت کے حسن کو بے نقاب کر دکھایا۔

ما بدولت کی سلطنت کی یہ بنیادی خصوصیت اس کی عظمت ہے اور یہیں ہماری تعلیم کا سرچشمہ ملیگا۔

اے رعایا۔ تم اپنے والدین کی فرمانبرداری۔ بھائی بہنوں سے محبت کرو۔ زن و شو کی حیثیت سے باہمی مصالحت و ارتباط سے رہو۔ اور دوست کی حیثیت سے اپنے آپ کو سچا دوست ثابت کرو۔ اعتدال و پاکبازی تمہاری زندگی کا شعار ہو۔ تمہاری ہمدردی اور خیر خواہی عام ہو۔ علم کی تلاش اور فنون لطیفہ کی آبیاری سے اپنی ذہنی قوتوں کو نشو نما اور اخلاقی قوتوں کو بایہ تکمیل کو پہنچاؤ۔ اس سے زیادہ یہ کہ عام بہبودی اور مفاد عامہ کو ترقی دو اور اگر ضرورت داعی ہو تو اپنے آپ کو مردانہ وار ملک کے لئے

پیش کرو اسطرح قائم رہنے والے زمین و آسمان کے [illegible] شاہی تخت و تاج کی سرسبزی و شادابی کو قائم رکھو اور اسکی حفاظت کرو۔ اسطرح تم نہ صرف [illegible] دولت کے بہترین اور وفادار رعایا ثابت ہو گے بلکہ ہمارے اسلاف کی بہت [illegible] کی خدمت کرو گے۔

یہاں جو طریقہ بتایا گیا ہے وہ فی الحقیقت [illegible] ہمارے [illegible] شاہی نے عطا فرمائیں جو ہر زمان و مکان [illegible] ہیں جن پر انکی اولاد اور رعایا [illegible] کسان عمل کرتے ہیں۔

ما بدولت کی یہ خواہش ہے کہ پورے پورے احترام کے ساتھ [illegible] رعایا کے ہم آہنگ ہو کر یہ امر ذہن نشین کر لیا جائے کہ ہم تمام اس صداقت کو حاصل کریں۔

مہر شاہی

مرقومہ اکتوبر سنہ ۱۸۹۰ء

شاہ امان اللہ خان نے مصر کے عربی عجائب خانہ کو تین ہندوقین۔ دو تلواریں اور ایک سنہری کام کی قرابین جو عرب کے اٹھارویں صدی کی مصنوعات ہیں بطور تحفہ عطا فرمائیں۔

سر اتوس جیتر جی نے مجلس صدر معلمات میں "ہندوستان میں تعلیم نسواں" پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ کسی اور ملک کی بہ نسبت جس سے میں واقف ہوں ہندوستان میں گھر کی زندگی پر عورتوں کا بہت زیادہ اثر پڑتا ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ اگرچہ گھر کے باہر عورتوں کا اثر اتنا مزاحم نہیں ہوتا لیکن قوی ضرور ہوتا ہے۔ ہر وہ سیاست دان یا حاکم یا پیشہ ور شخص جو عورتوں کے اندرونی و بیرونی اثرات سے بے پرواہی

برتتا ہے اپنے ... ہیں قطعاً ناکام رہیگا۔ سرانوس نے ہندوستانی عورتوں کی تعلیم کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے کہا کہ شادی کی عمر میں اضافہ کرنے اور ان بیواؤں کے لئے جو دوبارہ شادی نہیں چاہتیں پیشوں کی فراہمی کے پیش نظر تعلیم کی سخت ضرورت ہے

ہز مجسٹی شاہ ان اللہ خان نے نیشنل اسکول اور مدرسہ سورہ کا معائنہ فرمایا جہاں ہز مجسٹی نے چند کیمیائی تجربات بھی دیکھے۔ ہز عجسٹی نے فرمایا کہ افغانستان کی قوم کے لئے مدرسہ کی ضرورت ہے اور وہ افغانی طلبا کی ایک جماعت کو بغرض تعلیم مصر بھیجینگے۔ ہز مجسٹی نے مدرسہ کی سیڑھیوں پر کھڑے ہوئے ایک ہزار طلبا کو مخاطب کیا اور ایک تقریر فرمائی جس میں اس اُمید کا اظہار فرمایا کہ تعلیم میں افغانستان بہت جلد مصر کے برابر ہو جائیگا۔

تعلیمی معاملات میں جرمنی کا نقطہ نظر انفرادی نہیں بلکہ قومی ہوتا ہے۔ چنانچہ وہاں کے ارباب تعلیمات نے امتحان اسکول لیونگ کے نصاب میں جس کا کامیاب کرنا جامعہ میں شرکت کے لئے ناگزیر ہے۔ "جسمانی تعلیم" کو بھی داخل کر لیا ہے۔ اسطرح انہوں ٹھیک راستہ پر قدم اُٹھایا ہے اور یہ اس قابل ہے کہ ہندوستان میں بھی اسکی تقلید کی جائے۔ ہمارے ہاں طلبہ۔ اساتذہ۔ مہتممین۔ پروفیسر صاحبان۔ منتظمین مدارس خانگی۔ نظمار تعلیمات سب ملکر امتحانات کو ایک ہوت بنا دیتے ہیں۔ خواہ کوئی اصلاح ہو اس وقت تک بار آور نہیں ہو سکتی تاوقتیکہ اس کو امتحانات میں "جو ترقی کا زینہ ہے" جگہ نہ دیجائے۔ رضا کارانہ طریقہ اور طریق ترغیب و تحریص سے کام نہیں چل سکا۔ اگر کسی مفید مضمون کو داخل نصاب کرنا مقصود ہو تو اس کو امتحان کے لئے بھی لازمی قرار دینا چاہیئے۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ حکام تعلیم جسمانی کو داخل امتحان کرتے ہوئے کیوں

جھجکتے ہیں۔ ہمارے طلبہ کی جسمانی حالت قابل افسوس ہوتی جارہی ہے۔

ہز اکسلنسی وائسرائے نے جو ہندوستان و برما کے چیف سکوٹ کمشنر ہیں۔ انجمن ہائے اسکوٹ کلکتہ کا معائنہ فرماتے ہوئے اسکوٹرز سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ درج ذیل باتیں ذہن نشین رکھیں ایک یہ کہ وہ اپنے ہتھیار صاف رکھیں اور ڈنڈا سیدھا رکھیں۔ یہ ایسے معمولی سے سبق ہیں جو تحریک اسکوٹ کے اطفال اور معلمین اسکوٹ کے غور و تدبر کے مستحق ہیں تحریک اسکوٹ (جمعیت اطفال) نے ہمارے ہاں ابھی قابل ستائش ترقی نہیں کی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے ہاں کے اسکوٹ اچھے بینڈ میں بہت کچھ تماشہ دکھاتے ہیں اور عوام کو محظوظ بھی کرتے ہیں۔ لیکن تعمیری کام بہت کم نظر آتا ہے۔ کیا اس تحریک نے مشاہدہ و استخراج اور جستجو کی روح پھونک دی ہے؟ کیا اس سے اسکوٹس کی صحت میں اضافہ ہوا ہے؟ کیا وہ جسمانی حیثیت سے پہلے سے زیادہ قوی ہو گئے ہیں؟ کیا وہ صحراکاری (Woold Craft) یا کم از کم میدانی کرتبوں سے ہی پوری طرح مانوس ہو چکے ہیں؟ یا کسی حد تک بھی انکو میدانی زندگی (Out door life) سے شغف پیدا ہو چکا ہے؟

مسٹر جے سی ڈیوس، ناظم تعلیمات ویلز نے گذشتہ ہفتہ انجمن اساتذہ کے ایک خطبہ میں بعض اہم باتیں بتلائیں ان کا خیال ہے کہ عام تعلیم سے شہر کو جتنا فائدہ پہونچا اتنا فائدہ دیہاتی رقبوں میں نمایاں نہیں ہوا۔ چنانچہ آج کل کے دیہاتی مدارس نے اتنی ترقی نہیں کی جتنی کہ شہری مدارس نے کی ہے۔ وہاں اساتذہ بمشکل ملتے ہیں اور مشکلات میں دن بدن اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ ترقی کی رفتار سست ہے اور مواقع چند اس کے ساتھ ساتھ دیہاتی آبادی میں لا علاج انحطاط ہی ہو رہا ہے جسکی وجہ دیہاتی

زندگی کی بیکاری تعلیمی سہولتوں کا فقدان ہے ایسی صورت میں عمر شرکت مدرسہ میں اضا کرنے سے بہت سے فوائد حاصل ہونگے لیکن سب سے پہلے اسٹاف اور مدرسہ کے ساز و سامان کو درست دینا ضروری ہے شمالی ویلز کے بعض ہی مدارس میں سائنس کی عملی تعلیم کا جس کے بغیر دیہاتی مدرسہ تقریباً بیکار ہو جاتا ہے کافی انتظام ہے۔ مسٹر ڈیوس کا یہ کہنا کہ دیہاتیوں اور مدرسہ میں زیادہ ربط کی ضرورت ہے بالکل صحیح ہے کیونکہ جیسا کہ اون کا بیان ہے صرف مقامی انتظام حکومت کے اکثر بار آور نہیں ہو سکتے اور عایا کی دماغی سطح پست ہو۔

لندن کے ایک اخبار نے بچوں سے اون کے اپنے مقاصد پر مختصر مضامین لکھوا کر جمع کئے ہیں جس کے نتائج مجید دلچسپ ہیں۔ یہ نتائج ہمارے اون جلد باز نقادوں کی توجہ کے لائق ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ مدرسوں کی تعلیم طلبار کو صرف دفتری کام کے لئے تیار کرتی ہے اور وہ بھی ناکام طور پر۔ ایک چودہ سالہ لڑکی کہتی ہے کہ اوس کا ارادہ بیارسٹر بننے کا ہے اور اوس کا بیان ہے کہ میں ایک مدرس کی صابرانہ زندگی اپنے لئے پسند نہیں کرتی۔" ایک لڑکا جو ٹپہ خانہ کے ہرکارہ کی حیثیت سے شریک ہوا ہے کہتا ہے کہ وہ صدر پوسٹ ماسٹر بننے کی اُمید میں کلاس کو آتا اور محنت کرتا ہے ایک عجیب و غریب خواہش ایک (۷) سالہ لڑکے کی ہے جس کا نام گورڈن پم ہے۔ وہ کہتا ہے کہ "میں چمنی صاف کرنیوالا بنونگا کیونکہ اس میں بارہ بجے کام ختم ہو جاتا ہے اور اُجرت معقول ملتی ہے۔" ماسٹر ڈیوڈ ایونس جسکی عمر (۱۵) سال کی ہے عملی کیمسٹ بننا چاہتا ہے۔

بقیہ میں سے ایک کوئلہ نکالنے والا بننا چاہتا ہے۔ دوسرا درزی اور تیسرا بڑھئی تیسرا جو بڑھئی بننا چاہتا ہے یہ کہتا ہے کہ وہ چھاپنے والا نہیں بنیگا کیونکہ اوس میں اتنا صبر نہیں کہ گھنٹوں ایک جگہ بیٹھ سکے۔

امریکہ کی مجلس انتظام آصمین نے حال میں ایک کمیشن اس غرض سے مقرر کیا تھا کہ وہ بچوں کی سمعی کمزوریوں کے پتہ چلانے اور اون کے علاج معالجہ اور موزون تعلیم کے عمدہ طریقے دریافت کرے۔ یہ کمیشن بعد غور و خوض حسب ذیل نتائج پر پہونچا ہے منجملہ اون دو طریقوں کے جو عام طور پر سمعی کمزوری کا پتہ چلانے کے لئے رائج ہیں "گھڑی کی ٹک ٹک" کا طریقہ بہ نسبت "کانا پھوسی" کے طریقہ کے زیادہ مفید ہے کیونکہ ہر بچہ کا امتحان علیحدہ علیحدہ لینا پڑتا ہے اور زیادہ تعداد کے لئے وقت بہت صرف ہوتا ہے اس لئے ایک آواز کا آلہ (Audiometer) ایک عرصہ کے تجربہ کے بعد بنایا گیا ہے۔ اس میں ایک فوٹوگراف لٹکا رہتا ہے جس میں معمولی نمبر کے رکارڈ چلتے ہیں؛ اور آواز برقی تاروں کے ذریعہ ٹیلیفون کے آلوں تک پہونچائی جاتی ہے آواز کی شدت کو یکسانیت کیساتھ گھٹایا جاسکتا ہے اس آلہ کے ذریعہ (۴۰) بچوں کا امتحان ایک وقت میں ہوسکتا ہے چنانچہ تین مدارس میں اس آلہ کے ذریعہ امتحان لینے پر معلوم ہوا کہ۔

(۱۴) فیصدی لڑکے ایسے ہیں جن کا شمار اونچا سننے والوں میں ہوسکتا ہے

کمیٹی نے سفارش کی ہے کہ ہر سال تمام بچوں کا امتحان لیا جائے اور ہر ایسے بچہ کی جسکی سماعت ناقص ہو کسی معتبر (Aurist) سے تشخیص کرائی جاکر اوس کا رکارڈ دکھایا جائے بچوں کے اساتذہ کو اسبات کی ہدایت دیجائے کہ وہ اون بچوں کے لئے امدادی تدابیر اختیار کریں مثلاً جماعت میں ان بچوں کو پہلی صف میں بٹھلائیں۔ نیز بچوں کے والدین کو مشورہ دیا جائے کہ ضرورت ہو تو وہ بچہ کو کسی (Ear-clinic) کے پاس رجوع کرائیں۔ کمیٹی کی رپورٹ میں ایسے بچوں کو بہروں کے مدرسہ یا اور کوئی خاص مدرسوں کو بھیجنے کے طریقہ کی مخالفت کیگئی ہے اور سفارش کیگئی ہے کہ ان بچوں کو معمولی مدارس میں رکھا جاکر بذریعہ (Lip Reading) انکی تعلیم دیجائے۔

جرمنی کے ایک کاریگر نے ایسی بائیسکل ایجاد کی ہے جو پانی پر جولانی کرتی ہے اس بائیسکل کو چلانے کے لئے ایک مشین اس کے ساتھ لگا دی گئی ہے جو ½ اگھوڑے کی طاقت رکھتی ہے۔ یہ سمندر میں آٹھ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چل سکتی ہے۔

ایک آسٹروی ڈاکٹر ریڈ آف آئرن میجر نے ایک کھربائی آلہ ایجاد کیا ہے جو ایسے مریض کے پیٹ پر رکھ دیا جاتا ہے جو قریب المرگ ہو یا بالکل مردہ کی طرح بے حس و حرکت ہو جائے۔ آلہ مذکور کے رکھنے کے ساتھ ہی کھربائی قوت اپنا عمل شروع کر دیتی ہے اور وہی مریض جو لب گور ہو آلہ کی میکانکی کی بدولت پھر زندگی کے سانس بھرنے لگتا ہے۔ اس آلہ کا استعمال بالعموم اس وقت ہوتا ہے جب کہ انسان پانی میں ڈوبنے یا آتشزدگی یا دھوئیں یا کسی گیس سے گلہ گھٹنے کی وجہ سے قریب بہ ہلاکت ہو۔

مدرسہ سلطانیہ بنگلور ڈی | بتاریخ ۲۸ دی ۱۳۳۰ء روز شنبہ بزیر صدارت جناب مولوی سید محمد حسین صاحب بی۔ اے۔ آکن۔ نائب ناظم تعلیمات ملک سرکار عالی مدرسہ ہذا کا سالانہ جلسہ ہوا۔ عمائدین و معززین قصبہ اور اولیائے طلبار کی کثیر تعداد جلسہ میں شریک تھی۔ جلسہ کی ابتدا تلاوت قرآن مجید سے ہوئی۔ اس کے بعد علم و دولت پر مدرسہ کی مختلف جماعت کے بچوں میں مناظرہ رہا۔ جنہوں نے نہایت خوبی اور معقولیت سے اپنے اپنے مباحث کی تقویت و تائید میں موثر و دل نشین تقریریں کیں۔ اختتام مناظرہ پر چند کم سن بچوں نے اُردو حمدیہ اور تعلیمی نظمیں نہایت خوش الحانی سے پڑھ کر حاضرین کی سامعہ نوازی کی۔ اور مولوی محمد فیض اللہ صاحب منتظم فوج نے بھی ایک تعلیمی نظم جو خاص کر اس موقع کے لئے موزوں کی گئی تھی سُنا کر حاضرین کو محظوظ فرمایا۔ اس کے بعد انگریزی نظموں کا سلسلہ رہا۔ بعدہٗ بچوں نے ایک تاریخی اور بصیرت افروز

ڈرامہ انگریزی میں پیش کیا۔ ازاں بعد مولوی محمد عبدالغفور صاحب مددگار مدرس نے رپورٹ مدرسہ سنائی۔ جس میں مدرسہ کی سابقہ حالت اور اسکی تدریجی ترقی اور موجودہ اُمید افزا و خوشگوار منظر اور ضروریات مدرسہ کا نہایت جامع اور عمدہ پیرایہ میں تذکرہ کیا گیا۔ اس کے بعد مولوی عابد حسین خانصاحب صدر مدرس نے ایک مختصر سی معنی خیز تقریر فرمائی۔ اور خصوصیت کے ساتھ موجودہ طریقہ خیر خیرات کو غیر موزوں و نامناسب بتلاتے ہوئے پورفنڈ مدرسہ کی جس نے ملک کے یتیم بیکس بے وسیلہ بچوں کی تعلیم و تربیت اپنے ذمہ لے رکھی ہے۔ امداد و اعانت کی تحریک فرمائی خاتمہ تقریر پر اسی پورفنڈ سے متعلق ایک لڑکے نے نہایت درد انگیز لہجہ میں نظم سنائی اس کے بعد میں جناب صدر صاحب نے تقریر فرمائی حاضرین کو مستفید فرماتے ہوئے مناظرین علم و دولت کے ازالۂ غلط فہمی کے لئے مختلف امثال و نظائر کو پیش فرما کے علم کی جانب فیصلہ فرمایا۔ اور تقریر صدارت کو ختم فرماتے ہوئے انعامات تقسیم کئے جس میں خوبیت کے ساتھ مناظر دولت عنایت الدین صاحب تلمیذ مدرسہ کو عمدہ تقریر کرنیکے صلہ میں اول درجہ کا انعام یعنی ایک نقرئی تمغہ اور محمد اعظم صاحب مناظر علم کو دوم درجہ کا انعام عطا فرمایا گیا۔ ڈرامہ کا پہلا انعام بھی عنایت الدین صاحب کو مرحمت ہوا۔ اس کے علاوہ اور بہت سارے بچے انعامات سے سرفراز فرمائے گئے اعلیحضرت بندگانعالی و شہزادگان بلند اقبال و شہزادیاں ہمایوں فال کی دعائے سلامتی و ترقی اقبال حاضرین کے شکریہ کے ساتھ جلسہ برخاست ہوا بوقت مراجعت جناب صدر نے شہری زندگی و دیہاتی زندگی کے نمونوں کو جن کو گیٹ مدرسہ کے قریب طلبا مدرسہ نے ترتیب دیا تھا۔ ملاحظہ فرما کر خوشنودی اور پسندیدگی کا اظہار فرمایا اور اپنی جانب سے انعام عطا فرما کر بچوں کی عزت افزائی فرمائی۔

اسی دن سہ پہر میں بازی گاہ مدرسہ پر زیر سدارت جناب ممدوح جلسہ اسپورٹس

منعقد ہوا جس میں معززین و دیگر حضرات بہ تعداد کثیر شریک تھے۔ جناب صدر کا مجمع کے سا
فوٹو لیا گیا۔ اختتام اسپورٹوں پر جناب صدر نے ایک مفید پُر مغز تقریر فرمائی اور ہمارے
ملک کی مناسبت کے لحاظ سے دیسی کھیل اور ورزشی کرتب کی ترویج کی جانب جو مفید
تر اور کم خرچ ہیں توجہ دلائی جیتنے والے بچوں کو انعامات تقسیم کئے۔ بالخصوص محمد
سیف الدین صاحب تلمیذ مدرسہ کو دوڑ میں اول آنیکی وجہ ایک نقد رقمی تمغہ عطا فرمایا گیا۔

نتیجہ امتحان صنعت و حرفت ۱۳۷۰ف مدرسہ صنعت و حرفت مکھل ضلع محبوب نگر

نمبر شمار	نام سعہ ولدیت	فنون	گریڈ	درجہ کامیابی
۲	محمد قاسم ولد حسین خاں	پارچہ بافی	فرسٹ گریڈ	اول
۵	محمد قتال ولد محمد مولانا	〃	〃	دوم
۳	شیخ علی ولد شیخ محمد	〃	〃	سوم
۴	شیخ میران ولد شیخ امام	〃	〃	سوم
۱	فقیر محمد ولد محمد اسمٰعیل	〃	〃	سوم
۱	محمد خواجہ ولد عبد اللہ	پارچہ بافی	سکنڈ گریڈ	اول
۲	شیخ امام ولد محمد یعقوب	〃	〃	دوم
۳	سید مخدوم محی الدین ولد سید شمس الدین	〃	〃	سوم
۴	عبد الرحمن ولد محمد یوسف	〃	〃	سوم

۵	عبداللہ ولد محمد حنیف	〃	〃	سوم
۱	ہنمتو ولد تینا	بخاری	فرسٹ گریڈ	اول
۲	نرسپا ولد بگیا	〃	〃	دوم
۳	بالیا ولد ہنمنا	〃	〃	سوم
۴	کرشناجی ولد مھادیوجی	〃	〃	سوم
۱	غلام رسول ولد عباس علی	خیاطی	فرسٹ	سوم

ماڈل سکول دوباک بتاریخ ۱۶ بہمن ۱۳۱۰ف بروز سہ شنبہ ماڈل سکول قصبہ دوباک تعلقہ سدپیٹھ ضلع میدک کا سالانہ دوسرا جلسہ دو بجے دن سے بہ صدارت راجہ آماریڈی صاحب زمیندار قصبہ مذکور منعقد ہوا۔ شرکاؤں کی تعداد کثیر ہونے کے باعث مکان مدرسہ کے صحن اور بیرونی دروازہ تک لوگوں کا اژدہام تھا۔ عمارت مدرسہ کو نہایت آراستہ و پیراستہ کیا گیا تھا۔ بموجب پروگرام جلسہ کا آغاز حمد و ثنا سے کیا گیا۔ من بعد طلباء جماعت چہارم و سوم مدرسہ نے مناظرہ زراعت و تجارت پر مقابلہ کے ساتھ دلچسپ لہجہ میں مضامین پڑھکر حاضرین کو محظوظ کیا۔ اس کے بعد صدر مدرس صاحب و مددگار صاحبان مدرسہ نے مناظرہ کا تصفیہ کرکے اردو تلنگی میں علم کی حقیقت اور عام غلط فہمیوں پر پُرزور تقرین کیں اس کے ساتھ ہی صدر صاحب نے نتیجہ امتحان کی اشاعت کرکے جو طلبہ ہر جماعت میں اعلیٰ و اول آئے ہیں۔ اُن کو ایک ایک بلہ مانیٹری و نائب مانیٹری (جو مدرسہ کے جانب سے تیار کروائے گئے تھے) عطا فرمایا۔ حضرت اقدس و اعلیٰ و شہزادگان بلند اقبال کے سلامتی کی دُعا کے بعد عطریان کی تواضع سے جلسہ برخاست ہوا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مراسلہ صدر دفتر نظامت تعلیمات ممالک محروسۂ سرکار عالی

وقع ۵ دی ۱۳۳۷ف

نشان ۲۵۸

منجانب ناظم تعلیمات سرکار عالی

خدمت صدر مہتمم صاحبان صدر مہتمم صاحبہ علاقہ ہذا

مقدمہ

خریدی رجسٹرات مطبوعہ مدارس سرکار عالی

بگارش ہے کہ محکمۂ سرکار صیغۂ فینانس نے ذریعہ مراسلہ نشان (۳۴۳۴) مورخہ ۲۵ آذر ۱۳۳۷ف حسب سالگذشتہ مدارس شاہی و لوکلفنڈ سرکار عالی کیلئے مطبوعہ رجسٹرات تیار کردہ اعظم اسٹیم پریس خریدنے کی منظوری صادر فرمائی ہے پس براہ کرم ۱۳۳۷ف و ۱۳۳۸ف میں مدارس مذکور کے رجسٹرات مطبع مذکور سے خریدے جائیں۔

مطبع مذکور نے رجسٹر کلان ½ رو بکاری کی قیمت (۴) اور خرد ½ رو بکاری کی (۲) سکہ عثمانیہ مقرر کی ہے بشرطیکہ قیمت مذکور دار الطبع کے نرخ سے کم ہو۔

مثنےٰ خدمت صدر محاسب صاحب سرکار عالی شاخ بلدہ و اضلاع سمت مرہٹواڑی و تلنگانہ و لوکلفنڈ بحوالہ مراسلہ محکمۂ سرکار صیغۂ فینانس اطلاعاً مرسل ہے۔

ایک ایک کاپی خدمات اول تعلقدار صاحبان صیغہ محاسب و میر مجلس صاحبان لوکلفنڈ و مہتمم صاحبان سررشتہ ہذا و مولوی سید عبد القادر صاحب مالک اعظم اسٹیم پریس بلدہ مرسل ہے۔

شد دستخط مددگار ناظم تعلیمات

اُردو

نستعلیق ٹائپ میں

رُوح جاپان

نواب مسعود جنگ بہادر کا

وہ معرکۃ الآرا لکچر جو پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے

(اور)

اُس کا اُردو نستعلیق ٹائپ میں چھپنا قابل دید ہے ایسا نستعلیق ٹائپ ابھی تک تیار نہیں ہوا تھا بلحاظ طباعت روح جاپان ایک یادگار کتاب ہے اور بلحاظ مضمون بھی جاپان کی روح کی تصویر ہے۔ اسطرح یہ رسالہ آنکھ اور دماغ دونوں کی بہترین ضیافت ہے قیمت صرف (۶) علاوہ محصول ڈاک)

دفتر رسالہ "المعلم" سانیجہ توپ حیدرآباد دکن سے طلب کیجئے

سیرۃ المحمود

(یعنی)

سوانح عمری خواجہ جہاں عمادالدین محمود گاوان

(وزیر سلاطین بہمنیہ)

عالیجناب مولوی محمد عزیز مرزا صاحب مرحوم و مغفور کی شہرۂ آفاق کتاب سیرۃ المحمود کا تیسرا دیدہ زیب ایڈیشن تیار ہو گیا ہے۔ مرحوم نے یہ کتاب اس خیال سے تحریر فرمائی تھی کہ قومی عظمت کے لئے شخصی ترقی کی بڑی ضرورت ہے۔ اس لئے اس زمانہ میں قومی فرض ہے کہ مشاہیر کے واقعات زندگی ایسے پیرایہ میں لکھے جائیں جو عام کی دلچسپی کا باعث ہوں۔ سیرۃ المحمود میں صرف خواجہ جہاں کے واقعات لکھنے پر ہی اکتفا نہیں کیا گیا ہے بلکہ قابل مولف نے اس کے زمانہ کے سیاسی و معاشرتی حالات کی سچی تصویر کھینچ دی ہے۔

قیمت فی جلد ..... (عہ) ۸ سکہ عثمانیہ

ملنے کا پتہ

دی حیدرآباد بک ڈپو چادر گھاٹ حیدرآباد

مکتبۂ ابراہیمیہ۔ اسٹیشن روڈ حیدرآباد دکن

ریاض السلاطین ۲۱
پنج ان گنج ۳۰۶

جلد چہارم
نمبر ۸ و ۹

المعلم

اسفندار و فروردی ۱۳۳۷ ف

محمد سجاد مرزا ایم اے (کنٹ)

اعظم اسٹیم پریس چار مینار حیدرآباد
(دکن)

قواعد

(۱) یہ محض تعلیمی رسالہ ہے جس میں تعلیم کے مختلف شعبوں کے متعلق مضامین درج ہوں گے۔ سیاسی وغیرہ سے پرہیز کیا جائے گا۔

(۲) یہ رسالہ ہر ماہ فصلی کے پہلے ہفتہ میں شائع ہوگا۔

(۳) پرچہ وصول نہ ہو تو ہر ماہ فصلی کی ۵ تاریخ تک خریدار صاحبان بحوالہ نمبر خریداری مطلع فرمائیں۔

(۴) جو مضامین ناقابل طبع متصور ہوں گے انکی واپسی خرچہ ڈاک کی روانگی پر منحصر ہوگی۔

(۵) اس رسالہ کی قیمت سالانہ (۴ ہے) مع محصول ڈاک ہے جو پیشگی لی جائے گی۔

(۶) نمونہ کا پرچہ چھ آنہ کے ٹکٹ وصول ہونے پر ارسال کیا جائے گا۔

(۷) جواب طلب امور کیلئے جوابی کارڈ وصول ہونا چاہیے ورنہ اوائی جواب میں مجبوری رہے گی

(۸) اجرت طبع اشتہارات درج ذیل ہے۔ رقم وصول ہونے پر اشتہارات طبع کئے جائیں گے۔

تعداد دفعات	صفحہ	نصف صفحہ	ربع صفحہ
ایک بار	۴	۲ ۸ ر	۱ ۸ ر
سہ بار	۳ ۸ ر	۲	۱ ۸ ر
سہ ماہ	۱۰	۵ ۸ ر	۲
سالانہ	۳۲	۱۶	۸ ۸ ر

(۹) جملہ مراسلات بنام سیکرٹری رومنی آرڈر بنمبرہ پتہ ذیل پر ہونی چاہیئے

دفتر رسالہ المعلم بلگرامی ہوز سانچہ توپ نیدر آباد دکن

نقل مراسلہ صدر دفتر نظامت تعلیمات ممالک محروسہ سرکار عالی واقع ۵ مرد ۱۳۳۶ف

نشان ۲۵۰

جانب ناظم تعلیمات سرکار عالی

خدمت صدر مہتمم صاحبان و صدر مہتمم صاحبہ علاقہ ہذا

مقام

خریدی رجسٹرات مطبوعہ مدارس سرکار عالی

نگارش ہے کہ محکمہ سرکار صیغہ فینانس نے بذریعہ مراسلہ نشان (۲۰۳۴/۴۴) مورخہ ۲۵ مرآذر ۱۳۳۶ف سابق مدارس شاہی و لوکلفنڈ سرکار عالی کے لئے مطبوعہ رجسٹرات تیار کردہ اعظم اسٹیم پریس خریدنے کی منظوری صادر فرمائی ہے پس براہ کرم ۱۳۳۷ف و ۱۳۳۸ف میں مدارس مذکور کے رجسٹرات طبع مذکور سے خریدے جائیں۔

مطبع مذکور نے رجسٹر کلاں ۱/۴ رو بکاری کی قیمت (۴ر) اور خرد ۱/۸ رو بکاری کی (۲ر) سکہ عثمانیہ مقرر کی ہے بشرطیکہ قیمت مذکور دار الطبع کے نرخ سے کم ہو۔

مثنے خدمت صدر محاسب صاحب سرکار عالی شاخ بلدہ و اضلاع سمت مرہٹواڑی و تلنگانہ و لوکلفنڈ بحوالہ مراسلہ محکمہ سرکار صیغہ فینانس اطلاعاً مرسل ہے۔

ایک ایک کاپی خدمات اول تعلقدار صاحبان صیغہ حساب دیر مجلس صاحبان لوکلفنڈ و مہتمم صاحبان سررشتہ داد موی سید عبدالقادر صاحب مالک اعظم اسٹیم پریس بلدہ مرسل ہے۔

نشر دستخط

مددگار ناظم تعلیمات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مندرجات

(۱) مدرسین اور تحریک امداد باہمی — از مسٹر سی لیف اسٹرک لینڈ آئی۔ سی۔ ایس / مترجمہ مولوی سید محمد عسکری صاحب جعفری (۱ تا ۱۶)

(۲) کھیل اور اخلاق (کیرکٹر) — از مولوی محمد ہادی صاحب بی اے (آکسن) ناظم ہاسٹل کرسچن مشن ہائی سکول جہلم (۱۷ تا ۲۵)

(۳) سائنس اور مذہب — از ڈاکٹر میکائیل پیرس مترجمہ مولوی سید محمد عسکری صاحب جعفری (۲۶ تا ۲۹)

(۴) سن بلوغ اور نفسیات تربیت — از مولوی میر یوسف علی صاحب ایم اے مدرس کارنس ہائی سکول ایبٹ آباد (۳۰ تا ۳۴)

(۵) شہر پر لڑکے — از مولوی محمد عبدالحمید صاحب بی اے صدر مدرس رشید ہائی سکول پشاور (۳۴ تا ۳۸)

(۶) سیر مقامات — از مولوی محمد عبدالسلام صاحب مدرس انجمن اساتذہ سوبہ بگلگرہ (۳۹ تا ۴۰)

(۷) تاریخ کی تعلیم دینے کا مقصد اور طریقہ — از یک مضمون نگار (۴۱ تا ۵۰)

(۸) کیانڈا کے تعلیمی حالات — از س۔ م۔ ع۔ (۵۱ تا ۶۰)

(۹) مدارس کا اثر صحت پر — از جناب بابو سورتی صاحب ایف اے سی ایس سینول سرجن بگلگرہ (۶۱ تا ۷۳)

(۱۰) نوآبادین ہند کی تعلیمی کانفرنس — از مسٹر پروبھت چندر سنیال (۷۴ تا ۸۰)

(۱۱) خوش نسی — از مولوی میر نہیت علی صاحب مدرسہ [illegible] (۸۱ تا ۸۴)

(۱۲) بمبئی۔ ریاست مسور کی تعلیمی حالت (۸۴ تا ۸۶)

(۱۳) شذرات۔ (۸۶ تا ۹۶)

جلد (۴) | بابتہ ماہ اسفندارو فروردی ۱۳۲۷ف | نمبر (۷ و ۸)

مدرسین اور تحریک امداد باہمی

از

(مسٹر سی۔ الیف اسٹرک لینڈ آئی۔ سی۔ ایس)

(مترجمہ)

جناب سید محمد عسکری صاحب جعفری

مسٹر اسٹرک لینڈ نے چند ماہ قبل ٹریننگ کالج لاہور میں یہ مضمون سنایا تھا۔ مضمون مفید

تحریکات کا ایک ذخیرہ ہے اُمید کہ ناظرین المعلم خصوصاً مدرسین مدارس دیہات شروع سے آخر تک بغور ملاحظہ فرمائینگے اور اس ملک کے موجودہ حالات کا لحاظ رکھتے ہوئے تحریکات مندرجہ مضمون کو یہاں بھی جاری کرنے کی کوشش فرمائینگے۔

(المعلم)

قبل اس کے کہ مسئلہ امداد باہمی پر بحث کیجائے مناسب ہوگا کہ اس کے ایک وسیع اور جامع پہلو کو واضح کیا جائے۔ یعنی ان تعلقات کی جانب توجہ منعطف کیجائے جو کہ مدارس اور قوم کے درمیان ہیں جس کے افراد کو وہ تعلیم دے رہا ہے یا جس ملک کہ ابھی قومیت کا [illegible] مدا نہیں ہوا اور وہ کوشاں ہے کہ اس کے افراد میں قومیت کا احساس پیدا ہو جائے۔

مدرسہ خواہ گاؤں کا ہو یا شہر کا سماجی بیداری اور مشغولیت کا [illegible] چاہیئے اور اسکو ایک ایسا مصدر علم و عمل ہونا چاہیئے کہ نئی تحریک سے دلچسپی رکھنے والے کی نظر عام ازیں کہ وہ تحریک سماجی ہو یا اقتصادی ہدایت ہمدردی اور تنظیم کے لئے سب سے پہلے مدرسہ پر پڑے۔ اور جب وہ تحریک میدان عمل میں آجائے تو بھی اس کا مدرسہ ہی رہنما اور ہادی ہو سکے۔

دنیا کے ایسے ملکوں میں جیسے کہ ممالک متحدہ امریکہ اور اس کے خصوصاً اولین حصوں میں جنہوں نے میدان ترقی کو ابھی پوری طرح طے نہیں کیا ہے مقامی کمیٹیوں کے سرگروہ ہمیشہ مدرسین ہی ہوا کرتے ہیں۔ امریکہ اور یورپ میں معلمات کو بھی یہی مقام حاصل ہیں۔

جہاں تک مدرسین کے فرائض میں یہ داخل ہے کہ طلبہ کو امتحان میں کامیاب ہونے کے قابل کردیں وہ لوگ جو امتحانات کو ہی تعلیم کا مقصد اور اساتذہ کا نصب العین قرار دیتے ہیں قابل ملامت نہیں ہو سکتے خصوصاً ایک جمہوری مملکت میں یا ایک ایسے

ملک میں جبر[illegible] اج حاصل کر لیا ہو یا جو سوراج حاصل کرنے کی فکر میں لگا ہوا ہو تو
[illegible] ے بار[illegible]وں کو جمہوریا انقلاب کنندگاں کے سامنے اہل ثابت کرنے کے لئے
ضرور ہوگا کہ مدارس میں امتحانات لئے جائیں اور طلبہ کو کامیاب ہونیکا موقع دیا جائے
مانا کہ بعض مدرسین کا مطمح نظر اس سے بلند ہوتا ہے اور ان کے پیش نظر صرف
امتحانات کی کامیابی ہی نہیں ہوتی بلکہ وہ اپنے شاگردوں کو حقیقتاً تعلیم یافتہ اور مکمل
افرادِ قوم بنانا چاہتے اور ہر قسم کے قیمتی معلومات بھی ان کے لئے مہیا کرتے ہیں اور اسکی
بھی کوشش کرتے ہیں کہ ان کے عادات اور اخلاق اچھے ہو جائیں تاہم یہ[illegible]
حال یہ ہے کہ ہندوستان میں اکثر مدرسین حتیٰ کہ بعض [illegible] بھی یہ[illegible]
رکھتے ہیں کہ وہ مدرسہ کی حد تک ہی طلبہ کے نگرانی کے ذمہ دار ہیں۔ [illegible] اس لئے
دوسرے معاملات میں مدرسین کا خیال نہیں ہوتا وہ خود کو مدرسہ [illegible] اور باہر طلبہ کا
ذمہ دار سمجھتے ہیں۔ ایسا ہی ہندوستان کے اساتذہ کو سمجھنا چاہیئے۔

معلم کی حیثیت ایک ایسے مقامی عہدہ دار کی ہوا کرتی ہے جیسے انگلستان کے
شہروں میں برگو ماسٹر (BURGO MASTER) یا ہندوستانی دیہات کے
تھانہ دار اور نمبردار کی۔ مدرس اگر ملازم سرکار نہ بھی ہو تو اپنے قبیلہ کی خدمت کا ذمہ دار
ہوا کرتا ہے اس کا کام صرف اپنے بچوں کو تعلیم دینا ہی نہیں ہے بلکہ طلبا اور اولیاء طلبہ
اور اپنے قبیلہ کے ہر فرد کو بیدار مغز اور روشن خیال بنانا بھی اس کا فرض منصبی ہے۔
ممکن ہے کہ چیدہ چیدہ ایسی مثالیں نظر آجائیں کہ کسی گاؤں [illegible]
عموماً جاہل ہوں ایک مدرس غیر معمولی شخصیت اور اثر پیدا کر لے یا ایک بڑے شہر میں
ایک تعلیم یافتہ مدرس جو تعصب مذہبی سے بری ہو اور شہر کے بچوں اور بوڑھوں پر
اچھا اثر ڈال سکے اور ان کی رہنمائی کر سکے لیکن افسوس کہ ایسے مدرسین عنقا کا حکم رکھتے
ہیں مدارس اور اساتذہ کی حالت ڈنمارک اور سویڈن میں بالکل ایسی ہے جیسی کہ ہونی چاہیئے

یعنی وہاں ہر مدرسہ علم و عمل کا مرکز ہوتا ہے۔ مدارس دیہی کی وجہ مدرسین بود [illegible] سے سابقہ پڑتا ہے اور دیہاتی مدرسین کو اپنا لیڈر اور سرغنہ سمجھکر ان کی عزت کرتے ہیں یہ عالم انگلستان میں ہے اور علی الخصوص آئرلینڈ کے ان حصوں میں جہاں کی حالت پنجاب سے بہت مشابہ ہے وہاں کیفیت یہ ہے کہ اگر کسی قصبہ کو ایک روشن خیال اور ہمدرد استاد میسر ہو جاتا ہے تو گاؤں اسکی طرف متوجہ اور وہ بھی سید القوم خادمہم، کی حیثیت اپنے میں محسوس کر کے طالبان اعانت کی کرنے تیار رہتا ہے [illegible] وسیع اور مستحکم کرنے کی غرض سے حال ہی میں ایک نئی تحریک کا [illegible] ہے [illegible] کونسل (COMMUNITY COUNCIL) قائم کئے گئے ہیں یہ نیم سرکاری [illegible] ان کے اراکین میں سے چند تو کونٹی کونسل (COUNTY [illegible]) کے عہدہ دار ہوتے ہیں اور چند ایسے غیر [illegible] اراکین ہوتے ہیں کہ جن کا تعلق قومی اداروں سے ہو جیسے بائز اسکوٹس، سانوں کے کلب انجمن [illegible] خواتین۔ زراعتی انجمنیں وغیرہ۔ یہ تمام اراکین اس نیم سرکاری انجمن میں جمع ہوتے اور کوشش کرتے ہیں کہ انگلستان کی دیہاتی زندگی کو دلچسپ بنائیں جو گذشتہ سو سال کے دوران میں خشک اور بے لطف ہو گئی ہے صنعتی انقلاب کے زمانہ سے جس کو واقع ہوئے ایک صدی گذر چکی ہے انگلستان کے دیہاتی زندگی کا شیرازہ [illegible] گیا اور ایک افسوسناک تغیر پیدا ہو گیا ہے اس صنعتی انقلاب نے شہروں کو گنجان کر دیا ان کی آبادیوں کو بہت کیا یہاں تک کہ شہری مدارس تعیش اور مضر اخلاق [illegible] سے مامور ہوتے گئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انسانی تکالیف اور مصیبتیں بہت بڑھ گئیں پس کمیونٹی کونسل (COMMUNITY COUNCIL) کے انگلستان اور آئرلینڈ میں قائم ہونے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ شہروں کی طرف آبادی کے میلان کو روکا جائے۔ اور اب یہ ادارے ان ممالک کے نصف سے زیادہ قصبوں میں

امرؤ ہاتے ہیں۔ ان کی کوشش یہ ہے کہ مقامی اداروں کو زیادہ دلچسپ بنائیں
یہی رلہ بائزاسکوئس۔ گرلز گائڈ۔

گرجے اور فوج وغیرہ کے مختلف تحریکات میں حصہ لیں اور ان کے دلچسپ مشاغل
میں وسعت پیدا کریں اسطرح کی کونسلیں ہندوستان کے شہروں اور قصبوں میں
بھی قائم ہوسکتے ہیں جہاں کہ لوگ جمع ہوکر مثلاً ایک دوسرے کو باغات لگانے کی ترغیب
دیسکتے ہیں اور یہ باغ نہ صرف تجارت کی غرض سے لگائے جاسکتے ہیں بلکہ گل ولالہ۔
نسرین اور نسترن نسیم سحری اور صبح بہار کی دلچسپیوں سے بہرہ ور ہونے کے لئے
علاوہ تعلیم بالغان کا انتظام کرسکیں اور بتدریج اناث کے لئے [illegible] انتظام
بھی عہدہ لے سکتی ہیں۔ انگلستان میں کمیونٹی کونسل کے ارکان [illegible] نہیں ہوا کرتے
بلکہ اسکی رکنیت ایک ایسے عہدہ دار تعلیمات کے لئے تجویز کی جاتی ہے کہ جس کا درجہ
ہندوستان کے مہتمم مدارس کے مساوی ہو۔ اسمیں خوبی یہ ہوتی ہے کہ کونسل کو اس
شخص کے اثرات سے مستفید ہونے کا موقع ملتا ہے۔ مثلاً اگر کسی سرکاری محکمہ یا غیر
سرکاری ادارے کو لکچر دینا مقصود ہوتا ہے تو اساتذہ ہر قسم کی امداد دینے تیار ہوجاتے
اور گاؤں والوں کو جمع کرتے ہیں اور مدرسہ سے میجک لنٹرن مستعار لیجاتی ہے اور بسا
اوقات مدرسین ہی اس کا انتظام کرتے ہیں کہ باہر سے آنے والے لکچرار کو گاؤں
والوں کے پاس مہمان کردیں۔ کیا ہندوستان کے مدرسین بھی یہ سب کچھ کرسکتے
ہیں؟۔ انگلستان میں ان سربراہیوں کے لئے جس پر سب سے پہلے نظر پڑتی ہے
وہ مدرس ہی ہوا کرتے ہیں اور وہ ایک ایسے صاحب اثر شخص ہوتا ہے کہ جس کے
ذرا سے اشارہ پر پورا گاؤں اور شہر متحرک ہوجاتا ہے۔ انگلستان میں عموماً اساتذہ کی
آمدنی بہت کم ہوا کرتی ہے اور وہ بالکل سادہ زندگی بسر کرتے ہیں لیکن ان میں جو
بلند خیال اور نیک خصلت ہوتے ہیں وہ صرف اپنے مدارس ہی کو سنبھالنے میں مہمک

نہیں ہوتے بلکہ ہر قسم کے مقامی تحریکات میں بھی حصہ لیتے ہیں۔

انگلستان۔ آئرلینڈ اور امریکہ میں سب سے زیادہ جو مفید خدمت دیہات انجمنوں نے دی ہے وہ دیہاتی کتب خانوں۔ شہری کتب خانوں اور گشتی کتبخانوں کا قیام ہے۔ اب سے بیس یا پچیس برس قبل ممالک متحدہ امریکہ کے ایک کروڑ پتی سٹر کارنیجی (MR CARNEGIE) نے اپنی جائداد کا بہت بڑا حصہ اس لئے وقف کر دیا کہ اس روپیہ سے ان کے ہموطنوں کی یعنی اہل اسکاٹ لینڈ کی تعلیم اور [illegible] سکے۔ مگر جو رقم کہ وقف کیگئی تھی وہ اتنی زیادہ تھی کہ انگلستان اور آئرلینڈ کو [illegible] سے مفید ہوئیہ [illegible] قرار دیا گیا۔ اس وقف سے ہر اس ضلع کو جو اپنی رعایا پر ایک لب [illegible] قائم کرنے کے لئے ٹیکس لگانے آمادہ ہو کتابیں مفت مہیا کرنے کا انتظام کیا جائے گا وعدہ کیا گیا۔ ہر ضلع کو پیام دیا گیا۔ کہ اگر وہ اپنی کونسل کے ذریعہ ایک کتب خانہ کے وجود میں لانے اور اس کو جاری رکھنے کا انتظام کر سکے تو وقف سے ہی ابتدائی مصارف برداشت کر لئے جائیں گے۔ یہی نہیں بلکہ ابتدائی دو سال کیلئے ماہرین فن مشورہ کے لئے مستعار دے جائیں گے۔ چند روز ہوئے کہ پنجاب میں ایک کمیونٹی بورڈ قائم ہوا ہے اور ناظم صاحب حفظان صحت نے گذشتہ سال اپنے سررشتہ کے مددگاروں کو روانہ کیا تھا اور انہیں ہیجک لنٹرن بھی دی تھی کہ اس کے ذریعہ مختلف دیہاتوں میں حفظان صحت پر لکچر دیں۔ اب وہی کمیونٹی بورڈ (RURAL COMMUNITY BOARD) نے یہ تجویز کی ہے کہ انگلستان اور آئرلینڈ کی طرح یہاں بھی دیہی کمیونٹی کونسل (RURAL COMMUNITY COUNCILS) ہر اس گاؤں میں قائم کی جائے جن میں اس قسم کے مشاغل سے دلچسپی لینے والے افراد فراہم ہو سکیں۔ پنجاب کا دورل کمیونٹی بورڈ اور دیہات کے کمیونٹی کونسل اپنی تحریکات کو قابل عمل بنانے کے لئے جو ذریعہ تلاش کریں گے وہ مدرسین ہی ہونگے۔ یہ طے پایا ہے کہ ہر قصبہ کے لئے ایک یا دو میجک

لوکل بورڈ کے سپرد کئے جائیں اور سرکاری مدارس کے سائنس ماسٹروں کو ان کا ذمہ دار کیا جائے
کونسل کے اراکین میں کچھ تو ڈسٹرکٹ بورڈ کے ممبر ہوں گے اور بعض مقامی سرکاری
عہدہ دار جیسے مہتمم تعلیمات۔ مہتمم زراعت وغیرہ۔ اور چند اراکین ایسے ہونگے کہ جن کا
تعلق حکومت سے نہ ہو میاجک لکچرز کے لکچر کا انتظام مدرسہ میں ہی ہوا کریگا اور مدرس
سے خواہش کیجائیگی کہ وہ خود بھی شریک ہو اور مدرسہ کے طلبہ اور گاؤں کے جوانوں
اور بوڑھوں کو بھی شریک کرے۔ اس بورڈ کا مقصد شہری اور دیہاتی باشندگان کی
تعلیم اور تربیت ہے۔ لفظ باشندگان کے استعمال سے مقصد یہ ہے کہ ناظرین
اذہان کو ہندوستان کی اوس اندیشناک حالت کی طرف متوجہ کیا جائے۔ جو
وضع قوانین یا انڈین اسمبلی کے انتخاب کنندگان کو جاہل رکھنے سے پیدا ہوگی۔
موجودہ حالت میں ہندوستان کی قسمتوں کا فیصلہ ایسے لوگوں کے ہاتھ ہے کہ جن میں سے
اکثر جاہل محض ہیں۔ یہ بیچارے قابل ہمدردی ہیں۔ ان کی حالت مثل بہائم کے ہے اور
ان میں جانوروں میں کچھ فرق نظر نہیں آتا۔ یہ حالت بدلنی اور یہ جہالت کا تیرہ و تار مطلع
دور ہونا چاہیئے۔ عام جہالت صرف مدارس کی معروضہ تعلیم سے دور نہیں ہو سکتی۔ بلکہ اس کے
لئے چاہیئے کہ ہندوستانیوں کے خیالات کو وسیع کیا جائے اور انہیں حقیقی معنی میں
(CITIZEN) شہری بنانا چاہیئے۔ وہ سمجھ سکیں کہ ڈسٹرکٹ بورڈ کا وجود کس لئے
ہے شاہراہوں اور راستوں کی کس کے حکم سے تعمیر ہوتی ہے۔ اگر گاؤں میں نالا یا تالاب
کا کٹنا یا دوسرے ذرائع آبرسانی ٹوٹ پھوٹ جاتے ہیں تو ان کی تعمیر اور مرمت میں
انہیں مدد کرنے پر کیوں مجبور کیا جاتا ہے۔ اس وقت رعایا سرکار کے حکم کو سرکار کا
ظلم سمجھتی ہے اگرچہ گورنمنٹ کے حکم تعمیل تو کرتی ہے لیکن ساتھ ہی گورنمنٹ ان کے
نظروں میں ایک بہوت۔ ظالم۔ اور اخلاقی احساسات سے خالی چیز ہے۔ وہ کبھی یہ
محسوس ہی نہیں کرتے کہ سلطنت کے معنی ہم اور تم ہیں یا ایسے اشخاص جو بالکل ہمارے

مانند ہوں جن پر خستگی بھی غالب آتی ہو جنہیں غصہ بھی آتا ہو اور جن کی حالت فطرتاً نوع انسان کی حالت سے جدا نہیں ہوتی اور باوجود اس کے ان میں سے اکثر ہے۔ پیش نظر رہتا ہے کہ انتظام مملکت سے وہ امور سرزد ہوں جو حقیقتاً قوم اور ملک کے لئے مفید ہیں۔

مجھے ایک مرتبہ سویڈن کے کسان کے گھر جانے کا اتفاق ہوا جہاں اس کے اور اس کی بیوی کے ہمراہ چاء خوری کا موقع ملا۔ وہ مشکل سے انگریزی بول سکتا تھا گو آسانی سے زبان پڑھ سکتا تھا ان کی کتابوں کی الماری میں انگریزی فرنچ۔ جرمن زبان کی متعدد کتابیں موجود تھیں۔ اس کسان کے قبضہ میں صرف سو ایکڑ زمین تھی۔ ہندوستان میں کتنے ایسے کسان بتلائے جا سکتے ہیں جنکی حیثیت صرف سو ایکڑ زمین کی ہو۔ وہ انگریزی۔ فارسی۔ اردو۔ عربی اور سنسکرت زبانیں پڑھ سکتے ہوں۔ سویڈن کے جس کسان کا ابھی ذکر کیا گیا اس نے ان زبانوں کی تحصیل مدرسہ میں نہیں کی بلکہ بطور خود گھر ہی میں سیکھا۔ وہ کیا چیز تھی جو اس کو مطالعہ کا چسکا لگائی وہ گاؤں کا مدرسہ تھا کہ جس میں چراغ علم روشن تھا اور جس کی شعاعیں جہل کی تاریکی کو دور کر رہی تھیں جہاں علمی جلسے ہوا کرتے جن میں مختلف ممالک کے سیاسی زراعتی اور صنعتی حالات پر دلچسپ بحثیں ہوتیں اور اولاد کی تعلیم اور تربیت کے متعلق اہم مسائل پر روشنی ڈالی جاتی تھی۔ یہی صحبتیں ان کسانوں کے لئے تحصیل علم کی ترغیب کا باعث ہوئیں۔ کیا یہ ہندوستانی میں ممکن ہے؟۔

ہندوستانیوں کو چاہیئے کہ یہ اپنے فرائض کی وسعت کو محسوس کریں۔ یورپ کے اکثر ممالک ایسے ہیں کہ جو مثلاً ملک پنجاب سے زیادہ زرخیز نہیں۔ اور وہاں کے افراد میں پنجابیوں سے زیادہ اسکی صلاحیت نہیں کہ حقیقی رہنما ملنے پر معیار علم و کمال کو پہونچ سکیں۔ پنجابیوں کی خلقی ذہنیت یورپین اقوام کی طرح بلند ہے مگر جس چیز کی

کی ہے وہ اتحاد دوستی ہے۔ اتحاد سے یہ مطلب نہیں کہ سب متفق ہو کر کسی پر حملہ آور ہوں گو آج کل عارضی اتفاق اس غرض سے پیدا کیا جاتا ہے اساتذہ کا مطمح نظر اس سے بلند ہو۔ ہر ایک مدرس اس قابل ہو جائے کہ ہر گاؤں یا شہر کے ایک ایک بچے جوان اور بوڑھے میں یہ سمجھنے کی صلاحیت پیدا کر دے کہ وہ ایک عظیم الشان سلطنت کا شہری (CITIZEN) ہے اور اس کا فرض ہے کہ ذاتی اور قومی اعلیٰ فرائض کو اپنا نصب العین قرار دیکر خود کو برائیوں اور عیوب سے پاک کرے۔

اس طولانی بحث کے بعد اب مسئلہ امداد باہمی کا ذکر کیا جاتا ہے۔ امداد باہمی کے معنی کیا ہیں؟ اس کا جواب بعض حضرات یہ دینگے کہ یہ ساہوکاری کا ایک نیا طریقہ ہے جو کسانوں اور شہریوں کو قرض کی بلا سے نجات دلانے کے لئے جاری ہوا ہے یہ جواب کلی نہیں، قرض کا لینا دینا امداد باہمی کی ایک ضمنی اور غیر اہم غایت ہے جو ضرورتاً اس ملک میں جاری ہو گئی ہے۔ درحقیقت امداد باہمی ایک ایسی تنظیم ہے کہ جس کے ذریعہ مختلف افراد کسی ایسے کاموں کو متفقہ طور پر انجام دینے کے لئے جمع کئے جاتے ہیں جو ان کی مادی اخلاقی اور روحانی فلاح اور نجات کا باعث ہوں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کار عظیم میں مدرس کا کیا حصہ ہو سکتا ہے۔ اور کیوں امداد باہمی کی تعلیم اور تلقین مدرس کا نصب العین ہونا چاہیئے۔ بات یہ ہے کہ دنیا میں ایسے افراد کم نظر آتے ہیں کہ جن کی اخلاقی قوت اتنی بلند ہو کہ قرض بیماری رنج و غم کے مصائب میں مبتلا رہکر بھی اخلاقی یا روحانی کمال کے اعلیٰ مدارج کی تمنا کریں۔ عموماً یہ دیکھا گیا ہے کہ ایسے مصائب میں مبتلا رہنے والوں میں یہ صلاحیت ہی باقی نہیں رہتی کہ وہ خود اچھے فرد قوم بنیں یا اپنے ہمسایوں کو ایسا بنا سکیں۔ اسلئے امداد باہمی کی بڑی غایت یہ ہے کہ قوم کی اقتصادی حالت درست کیجائے مگر مقصد اعلیٰ یہ ہے کہ جماعتوں کی روحانی قوتوں کو ترقی دیجائے۔ اور اہلے ملک کو بہتر انسان

بہتر شہری۔ اور بہتر وطن پرست بنایا جائے اس مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے تحریک امداد باہمی کو کامیاب بنانے کے لئے پہلے پہل اسکی کوشش کیجاتی ہے کہ صناعوں کو عمال دفاتر کو کسانوں کو بلکہ کل قوم کو مالی مشکلات سے رہائی دلائی جائے دنیا کی آبادی کا بہت بڑا حصہ اپنی زندگی قصبات اور دیہات میں بسر کرتا ہے۔ ہر ملک میں تقریباً ہر دس میں سے نو افراد دیہاتی ہوتے ہیں۔ مگر تمدن جدید کے مفید اور قابل قبول اثرات اور بیش بہا ارتقائی خیالات جو شہروں میں پھیلتے اور شہریوں کو ہی پہونچتے ہیں۔ گاؤں اور قصبوں تک نہیں پہنچنے پاتے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہر قسم کی سہولتیں اور اسباب ترقی ایک شہری کے لئے تو فراہم ہو جاتے ہیں لیکن نو دیہاتی ان سے محروم رہتے ہیں۔ لازم ہے کہ دیہاتیوں کی فلاح اور بہبود کے لئے بھی تدابیر اختیار کیجائیں۔ لیکن خیال رہے کہ گاؤں والوں کو ایسی تعلیم نہ دیجائے کہ وہ گاؤں کو ویران کر کے شہروں میں آبسیں بلکہ وہ جہاں ہیں انہیں وہیں رہنے دیا جائے اور ایسی تعلیم اور تربیت کیجائے کہ وہ اپنے ملک کے اچھے باشندہ ذی علم و ہوش افراد بنجائیں۔ اور تحریک امداد باہمی کا نصب العین یہی ہے۔

ڈاکٹر رابرٹسن اس کاٹ (Dr Robertsun Scoot) کی کتاب فونڈیشن آف جاپان (FOUNDATION OF JAPAN) ایک نہایت اچھی تصنیف ہے۔ اس میں جاپانیوں کی قومی اور شخصی زندگی کے پوست کندہ حالات درج ہیں۔ ڈاکٹر موصوف نے اپنی اس کتاب میں کئی جگہ بتلایا ہے کہ جاپانی دیہات میں امداد باہمی زراعت اور صنعت و حرفت کی تنظیم مکمل ہو چکی ہے یہی نہیں بلکہ ایسی انجمنیں بھی قائم ہو چکی ہیں کہ جن کے اراکین کا یہ فرض ہوتا ہے کہ صبح کو قبل طلوع آفتاب بیدار ہو جائیں۔ یہ ایک مضحکہ خیز چیز معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اس سے قوم کی منظم زندگی کا پتہ چلتا ہے۔ جاپان پر کیا منحصر ہے بعض یورپین ممالک کو دیکھئے مثلاً بلقانی ممالک میں سے رومانیہ کو لیجئے یا اٹلی اور ڈنمارک

حالات پر نظر ڈالئے تو یہاں بھی آپ کو قومی زندگی مثل جاپان کے منظم نظر آئیگی۔ ہر جگہ آپ ایسے اداروں کو موجود پائینگے جو زراعت۔ سیاسیات۔ مذہبی اور قومی اغراض کیلئے قائم ہوئے ہوں۔ ان اداروں کے رہنما اور سرگروہ کون ہوا کرتے ہیں صرف دو افراد ہوتے ہیں ایک پادری۔ دوسرے مدرس ہندوستان میں اختلاف مذاہب کی وجہ کسی خاص مذہب کے پیشوا کو وہ مواقع حاصل نہیں ہوتے جو یورپ کے ملکوں میں پادریوں کو حاصل ہیں۔ ان ممالک میں پادری امداد باہمی کی تحریک میں حصہ لیتے۔ سیاسی گتھیوں کو سلجھاتے اور معاشرتی اصلاحات میں ہمیشہ ذیل رہتے ہیں یہی کیفیت مدرس کی ہوا کرتی ہے رومانیہ میں جو ایک زرعی ملک ہے اور فی زمانہ میدان ترقی میں بسرعت گامزن ہے۔ امداد باہمی کی تحریک کی ابتدا اساتذہ نے ہوئی۔ ابتداً اس مفید تحریک کی تنظیم انہی ہی مبارک ہاتھوں عمل میں آئی اور آج بمشکل کوئی ایسا گاؤں نظر آتا ہے کہ جہاں معلمین کی رہنمائی سے تحریک امداد باہمی نے وسیع نشو ونما نہ پائی ہو۔ وہاں کے مدرسین ہندوستان کے اساتذہ کیطرح درس وتدریس میں مصروف نہیں رہتے بلکہ افراد قوم کو مفید اور کارآمد بنانا ان کا مطمح نظر ہوتا ہے۔

مدرسین تین ذرائع سے دیہاتی زندگی کی تنظیم اور اصلاح کر سکتے ہیں۔

۲۔ سب سے پہلا کام اس میدان میں معلمین کا یہ ہے کہ وہ گاؤں والوں کو اپنی مالی حالت درست کرنے کے راستے بتلائیں۔ یہ کام بادی النظر میں بہت مشکل ہے اور اس سے یہ مطلب نہیں ہے کہ مدرسین خود تجارت بھی شروع کر دیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ مدرسین زراعت پیشہ۔ تجارت پیشہ افراد اور مصلحان قوم کو ہر وقت مشورہ دیتے رہیں۔ کہ وہ ملک کے اقتصادی حالات کو بہتر کرنے کے لئے انجمنیں قائم کریں۔ ہر مدرس کو چاہیئے کہ اپنے قصبہ میں کوآپریٹو ایسوسی ایشن بڑھانے کی کوشش کرے۔ اور قصبہ کے

مختلف افراد کو ہم خیال اور ہم زبان ہوتے ہوئے دیکھکر خوش ہو۔ سوائے مجھ باتوں کے باقی ہر غرض کی تکمیل کے لئے متفقہ عمل اچھا ہوتا ہے۔ آج کل ہندوستانی دیہات اور قصبات کی یہ کیفیت ہے کہ سوائے روزآنہ اور تجارتی کاروبار اور اولاد کی تعلیم کے مشاغل کے کسی مرد کی زندگی میں کوئی اور غرض و غایت نظر نہیں آتی۔ عورتوں کے اغراض زندگی تو اس سے کہیں زیادہ محدود ہیں۔ متفرق افراد قصبہ میں اتفاق و اتحاد پیدا کرنے میں مدد دیتے ہوئے ایسے اغراض اور اسباب مہیا کئے جا سکتے ہیں کہ جن سے زندگی زیادہ دلچسپ اور مفید ہو سکتی ہے۔ اگر معلمین اہل دیہہ کو وہ باتیں سمجھایا کریں کہ جن پر دوسرے ممالک میں عمل ہو رہا ہے اور بتایا جائے کہ وہی یہاں بھی ممکن العمل ہیں تو ایسی تعلیم کا دیہات اور قصبات میں کتنا مفید اثر ہوگا۔ کچھ اس طرح ضمناً امداد باہمی کے متعلق بھی سبق دیں۔ اگر وہ خود زراعت پیشہ نہ بھی ہوں اور فن زراعت کے پیچیدہ معلومات سے مزارعین کے برابر واقفیت نہ رکھنے کی وجہ اس بارہ میں انکی مدد بھی کر سکیں تو اتنا تو ضرور کر سکتے ہیں کہ فن زراعت کے متعلق لکچرس اور کتابوں کے خلاصے انہیں سنائیں جاپان، بلجیم، امریکہ اور انگلستان کے کسانوں اور دیہاتیوں کی خانگی زندگی کے حالات بیان کریں اور انہیں سمجھائیں کہ کوئی کام ان ممالک میں ایسا نہیں ہوا جو ان کی قوت وغیرہ سے باہر ہے۔ مدرسین یہ سب کچھ کر سکتے ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ وہ اپنی خود زندگی کو منظم کریں اور اپنے ذہنوں کو نئے خیالات قبول کرنے کے قابل بنائیں۔ امداد باہمی کے محرکوں نے اساتذہ کی اعانت کا ہمیشہ بڑے تپاک سے خیر مقدم کیا ہے اور ان سے مدد کا مطالبہ نہ صرف اس بنا پر کیا ہے کہ بحیثیت ملازم سرکاری ان کا یہ فرض ہے بلکہ اس لئے بھی کہ اس تحریک کے اشاعت سے ہندوستان کا ایک قوم بن سکنے کا امکان ہے۔ اہل ہند میں جب تک کہ روزآنہ زندگی کے معمولی اغراض و مقاصد کے لئے آپس میں متحد ہونے کا مادہ نہ پیدا ہوگا ان میں یہ صلاحیت

ہو کی کہ ایک دوسرے کی زیادتیوں کو درگذر کریں۔ سیاسی اور رسمی اختلافات اور مذہبی تنازعات کو بھول جائیں۔

۲۔ دوسرا ذریعہ جس کے ذریعہ مدرس دیہاتیوں کی زندگی کو درست کرسکتا ہے اور جو امداد باہمی کا ایک اہم مقصد ہے وہ کفایت شعاری کی تعلیم ہے۔

جب کبھی کفایت شعاری کا ذکر آجاتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ ہندوستان مفلس ترین ملک ہے یہاں کے لوگوں کو اتنا میسر ہی نہیں ہوتا کہ اپنے ضروریات زندگی مہیا کرنے کے بعد کچھ پس انداز کرسکیں۔ اس کا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ جب تک کفایت شعاری سے کام نہ لیا جائے اور کچھ پس انداز نہ کیا جائے قرض کی بلا سے نجات ممکن نہیں ایک شخص جب کفایت سے کام لیتا ہے تب ہی وہ قرض ادا کرنے کے قابل ہوسکتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ باوجود یورپ سے زیادہ زرخیز زمینات رکھنے کے ہندوستان ان ممالک سے مفلس ترین کیوں ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ گذشتہ تین سو سال سے یورپ کی مزروعہ زمین کھاد کے ذریعہ زیادہ زرخیز ہوتی جارہی ہے۔ انگلستان کی قابل زراعت زمینات نو انچ گہرائی تک فطری حالت میں نہیں ہیں بلکہ انسان کے مہیا کئے ہوئے کھاد سے لدی ہوئی ہے۔ اس لئے اب وہاں زمینات زیادہ شاداب ہوگئی ہیں۔ تقریباً ایک ہزار برس سے بعض ممالک یورپ کے باشندوں نے کفایت کو اپنا شعار بنا لیا تھا وہ پس انداز کرتے جاتے تھے اور اسطرح کی جمع شدہ رقم کو آنے والی نسلیں ہر قسم کے زرعی اصلاحوں میں صرف کرسکیں اور زمانہ موجودہ کی عظیم الشان دولت کا یہی وہی ابتدائی چھوٹی چھوٹی سی بچت ہوئی۔ افلاس سے بچنے کے لئے ہر شخص کو کچھ پس انداز کرنا چاہیئے اور جب تک کہ ایسا نہ کیا جائے افلاس سے نجات ممکن نہیں اور اس کو پیش نظر رکھکر پنجاب کے سررشتہ امداد باہمی گذشتہ چند سال سے پوری کوشش کررہی ہے کہ اساتذہ کے درمیان کفایت شعاری سکھانے کے لئے امداد باہمی

کی انجمنیں قائم کرے۔ تاکہ اساتذہ خود کفایت شعار ہوں اور طلبہ کو کفایت شعار سبق دیسکیں۔ کیا اچھا ہو کہ ہر مدرس ذیل کا سیدھا سادہ حساب اچھی طرح سے طلبہ کے ذہن نشین کرا دے۔

ایک شخص نے جس نے پس انداز کیا ہی نہیں۔ اس کو روپیہ کی ضرورت لاحق ہوئی سو روپیہ پچیس فیصدی سود پر قرض لیتا ہے اس کی آمدنی (۵۰) روپیہ ماہانہ ہے اور ارادہ کرتا ہے کہ اس میں سے تین روپیہ یا پانچ روپیہ قرض کی ادائی کے لئے پس انداز کرے اور اسطرح سے وہ قرض بتدریج ادا کرتا جاتا ہے مگر اس دوران میں جو سود ادا کرنا پڑا ہے اگر وہ پانچ روپیہ ماہانہ سے بھی ادائی کر سکے تو سود کے سبب سے (۲۶) ماہ میں ادائی ہوگی ایک دوسرا شخص ہے جو پانچ روپیہ ماہانہ سے بچت کرنا شروع کرتا ہے اور پچیس مہینے تک برابر پس انداز کرتا ہے اور یہ بچت انجمن امداد باہمی کی بنک میں محفوظ کرتا جاتا ہے۔ اس جمع شدہ رقم پر اس کو سود (۶) فیصدی ماہانہ ملتا ہے اور ہر ششماہی پر یہ سود بھی بنک میں جمع کرتا جاتا ہے ان دونوں کیفیتوں کو بیان کر کے طلبہ سے سوال کیا جائے کہ پہلے شخص نے (۲۶) ماہ میں کیا ادا کیا اور دوسرے نے کیا جمع کیا؟ اس چھوٹی سی مثال سے معلوم ہو جائیگا کہ کفایت شعاری کیا چیز ہے

دنیا میں انسان اس لئے قرضدار نہیں ہوا کرتے کہ وہ بدقسمتی سے اپنے ارادے اور منصوبوں میں ناکام رہے یا انہیں اپنے والدین کی تجہیز و تکفین کے مصارف اٹھانے پڑے یا اُن کو اپنی لڑکیوں کی شادیاں کرنی پڑیں بلکہ اس لئے قرضدار ہوتے ہیں کہ انہوں نے ان ضرورتوں کے لئے کچھ پس انداز نہیں کیا۔ اگر کسی شخص کو لڑکی پیدا ہو تو اسے چاہیئے کہ اسی روز وہ قریب کے ٹپہ خانہ یا امداد باہمی کی بنک میں اس لڑکی کے نام سے کھاتہ کھولدے اور آٹھ آنے ماہانہ اسکی شادی کے لئے جمع کرتا جائے یہ رقم صرف شادی کے وقت بنک سے نکالی جائے۔ ذرا آٹھ آنے ماہانہ سے پندرہ

ماں سے (۶) فیصدی سود در سود سے میزان کیجائے اور ملاحظہ کیا جائے کہ کتنی رقم ہوگی۔ اگر کوئی شخص ایسا کرے تو پھر اس کو شکایت نہیں ہو سکتی کہ وہ لڑکی کی شادی کی وجہ سے قرضدار ہو گیا۔

۳۔ تیسرا کام جو مدرسین کو دیہات میں انجام دینا چاہیئے وہ یہ ہے کہ آپس میں لڑنے جھگڑنے سے اہل دیہہ کو روکے۔ یہ کام بڑا اہم اور دشوار ہے جس کا سرانجام ہونا دشواریوں سے خالی نہیں اگر کوئی استاد اہل ملک کی اقتصادی حالت کی تنظیم کے لئے آمادہ ہو تو قوم اس کا بڑے تپاک سے خیر مقدم کریگی اگر وہ ملک میں کفایت شعاری کی تبلیغ کرے تو اس کی کوششوں کو بری نظر سے نہ دیکھا جائے گا۔ لیکن جب وہ دوسروں کے جھگڑوں میں مداخلت کرے گا تو بہت جلد مصیبتوں میں پھنس جائیگا۔ بر ہنہم ہر ایک معلم کا اخلاقی فرض ہے کہ وہ نوجوانوں کے اجسام کی حفاظت کے ساتھ ارواح کی حفاظت اور نگہداشت بھی کرے۔ پس کیا اچھا ہو کہ آئندہ کے اثرات فسادات اور رفع عداوت میں یہاں بھی ویسے ہی موثر نظر آئیں جیسے کہ امریکہ اور آئرلینڈ وغیرہ میں دکھائی دیتے ہیں۔

ہندوستان میں سب سے زیادہ نفع بخش ذریعہ آمدنی سود خواری ہے اور اس کے بعد وکالت کا نمبر آتا ہے۔ اس ملک کی بدقسمتی ہے کہ ان دونوں بلاؤں سے دفعتہً نجات حاصل نہیں کر سکتا مگر بہی خواہاں اور ہمدردان وطن کا فرض ہے کہ ان خوفناک اور برباد کن قوم و ملک امراض کے مہلک اور مضر اثرات کو کم کرنیکی حتی الوسع کوشش کریں۔

اب سے چار سال پہلے پنجاب میں ایک خاص طرز کی انجمن ہائے امداد باہمی قائم ہوئی تھیں جن کا مقصد ذریعہ ثالثی فیصلہ خصومت کرنا تھا۔ جو اشخاص اس کے رکن ہوتے وہ طفی معاہدہ کرتے کہ ہر جھگڑا اور فساد جو کہ ان کے اور دوسرے رکن کے

درمیان پیدا ہو تو بغرض تصفیہ انجمن کے آگے پیش کریں گے۔ اس میں قانونی
پیدا ہوگئیں اور وزیر عدالت کے حکم سے یہ انجمنیں بند کر دیگئیں۔ مگر حال ہی میں حکو
نے چند نئے قوانین کا نفاذ کیا ہے اور اب ذریعہ ثالثی یا پنچایت فیصلہ خصومت کیلئے
انجمن امداد باہمی کے قائم کرنے کی اجازت ہوگئی ہے۔

فرض کیجئے کہ زید ایک انجمن امداد باہمی فیصلہ خصومت کا رکن ہے اور اس کا
ایک بالکل جائز دعویٰ اس کے ہمسایہ کے خلاف ہے۔ اور انجمن نیک نیتی کے ساتھ
اپنی دانست میں زید کے دعویٰ کو غلط سمجھکر مقدمہ اس کے خلاف فیصل کر دیتی ہے
اور زید کو اس کے یہاں سے دست بردار ہونا پڑتا ہے۔ دوسرا شخص خالد ہے جو
رکن انجمن نہیں ہے اور کسی شخص کے مقابلہ میں کسی قسم کا دعویٰ سرکاری کورٹ میں
پیش کرتا ہے اور عدالت [illegible] اور جیتتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ زید فائدہ
میں رہا یا خالد۔ جواب صاف ہے کہ زید کیونکہ خالد نے اگرچہ مقدمہ جیتا لیکن مقدمہ
بازی میں تباہ و برباد ہوگیا اور مقدمہ کا جیتنا یا جیتنا اس کے حق میں ایک ہوا پس معلمین
مدارس کا فرض ہے کہ انجمن امداد فیصلہ خصومت کو قائم کرنیکی کوشش کریں۔

حال ہی میں ایک نئی طرز کی انجمن امداد باہمی کا آغاز ہوا جس کا مقصد یہ ہے کہ
اراکین کو بہتر طریقہ پر زندگی بسر کرنے کے راستے بتلائے۔ دیہاتی ہوں کہ شہری
ان انجمنوں کے اراکین وقتاً فوقتاً جلسوں میں اس غرض سے شریک ہونے کا
معاہدہ کرتے ہیں کہ وہاں اپنی طرز زندگی کی اصلاح کے متعلق رائے اور مشورے
دیں ان جلسوں میں عموماً اسطرح کہ تصفیہ ہوا کرتے ہیں کہ فلاں فلاں رسوم پر اتنی
رقم سے زائد خرچ نہیں کیا جائیگا یا رکن اپنی عورتوں کو روزانہ کی خرید و فروخت کیلئے
مقررہ رقم دیں گے۔ جب تک کہ ان کے فیصلوں کی پابندی اراکین سے نہ کرائی جائے
اس طرح کی انجمنیں قائم کرنا لاحاصل ہوتا اس لئے ایک دفعہ قانونی موجود ہے

۔ وہ اشخاص جو ان انجمنوں کے رکن ہوں اور ان کے فیصلوں کی پابندی نہ کریں تو انہیں جرمانہ کیا جائے۔ اور انجمن کے درخواست پر حکومت جرمانوں کے وصل کرنے میں مدد کرتی ہے اس طرح کی انجمنوں کے قیام اور ان کی تحریکات سے عوام کو باخبر کرنے میں اساتذہ مفید ثابت ہو سکتے ہیں۔

کھیل اور اخلاق (کیرکٹر)

از مولوی سید محمد ہادی صاحب

انسانی کی درستی میں کھیل جو اہمیت رکھتی ہے اس کو قریب قریب سب محققین نے مان لیا ہے شلاً پیٹو۔ لاک۔ اور گٹس ان سب نے اپنی تصانیف میں بتلایا ہے کہ مدرسہ کی تعلیم کے ساتھ لڑکوں کو کھیل بھی سکھائے جائیں تاکہ ان کے اخلاق درست ہوں۔ چنانچہ اسی غرض سے آرنلڈ نے ۱۸۴۱ء میں رگبی اسکول میں کھیلوں کو نصاب میں شریک کیا اور کہا کہ اس سے صرف یہ مدعا نہیں کہ لڑکوں کی جسمانی حالت درست ہو بلکہ یہ بھی ہے کہ ان کے اخلاق پر اچھا اثر پڑے چنانچہ انگلستان کے تمام مدارس نے اس کی تتبع کی اور اس وقت بھی کھیل کو نہایت اہمیت دی جاتی ہے۔ امریکہ میں کھیل کی تعلیم ہر اسکول میں لازمی گردانی گئی ہے۔

کیرکٹر کا انحصار انسان کے احساسات و جذبات پر ہے۔ اور زیادہ تر ان ہی کا اثر اس کے افعال پر پڑتا ہے۔ چونکہ جذبات کے افشا کے لئے حرکت ضروری ہے لہٰذا کھیل جو ان کا فطری نمائندہ ہے کیرکٹر کے ترقی کا ایک اہم جز ہونا چاہیئے۔ کسی حرکت کی جانچ کہ وہ اخلاقی صفات کو ترقی دینے میں کیا وقعت رکھتی ہے ان جذبات و احساسات پر منحصر ہوتی ہے جو اس حرکت کی بدولت وقوع میں آتے ہیں۔ جب کسی ولولہ کو عملی جامہ پہنایا جائے تو وہ ایک مدت کے بعد عادت میں منتقل ہو جاتا ہے۔ یہ قاعدہ

جس طرح ایک متنفس پر صادق آتا ہے اسی طرح ایک نسل پر بھی صادق آسکتا ہے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جن ولولوں پر ہمارے اجداد عمل کیا کرتے تھے وہ ہم میں بھی عقل حیوانی کے ذریعہ آجاتے ہیں۔ پس عقل حیوانی اور عادات کی اصل ایک ہے صرف فرق اتنا ہے کہ عادت ہر شخص اپنے لئے جدا گانہ پیدا کرتا ہے لیکن عقل حیوانی نسلاً بعد نسلاً حاصل کی جاتی ہے۔ ہر شخص کی ابتدائی تحریک جبلی وجذبات کا میلان گو کہ موروثی ہوتا ہے لیکن حوالی اثرات اور آگے چل کر فہم وفراست کے اثرات بھی نہایت ہی اہم ہوتے ہیں۔ ان اشخاص کے کیرکٹر کا اثر جو کسی بچے کے نزدیک رہتے ہوں اس پر ضرور پڑتا ہے کیونکہ اس میں نقل کرنے کا مادہ بہت زیادہ ہوتا ہے چنانچہ وہ اپنے بزرگوار کے تمام حرکات اور اطوار پر غور کرتا ہے اور ان کا [illegible] ہے۔

جب کہ ہم یہ [illegible] تحریک جبلی بدل کر نئے سانچے میں ڈھالی جاسکتی ہے تو کیرکٹر کے درست کرنے کے اصول تیار کرنا دشوار امر نہیں۔ ہر ایک دانشمند باپ یا استاد ان صفات کو جو ایک بچے میں پائے جاتے ہیں جس طرح چاہے بدل دے سکتا ہے۔

امتناع کی حد اور طریقہ ہر بچے کے لئے جداگانہ ہونا چاہیئے۔ اگر بچے کو ہر بات میں ٹوکا جائے تو اسکی قوت اختراع اور قوت ارادہ دونوں کمزور ہو جاتی ہیں اور اگر اس کو بالکل منع نہ کیا جائے اور اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے تو اس میں خود رائی کا مادہ پیدا ہوتا ہے۔ اسی لئے کوشش اس امر کی کرنی چاہیئے کہ جب تک بچہ اپنی حد پر قائم ہے امتناع نہ کیا جائے لیکن جب وہ حد سے گذر جائے تو منع کرنا لازمی ہے۔ بجائے اس کے کہ کسی لڑکے کی بری عادت کو توڑنے کے لئے سختی برتی جائے اور بار بار منع کیا جائے کوشش اس امر کی رہے کہ اسکی بری عادت کسی اچھی عادت سے بدل دی جائے۔

ہر ایک بچہ کی عمر اور اس کے رجحان کے مطابق اخلاقی تعلیم کا طریقہ بنانا چاہیئے ولیم مکڈوگل لکھتے ہیں کہ اخلاق کی چار حدیں ہیں۔ جن کو طے کئے بغیر کوئی شخص درجہ اعلیٰ کو نہیں پہنچ سکتا۔

سب سے پہلا درجہ وہ ہے جبکہ بچہ صرف عقل حیوانی پر چلتا ہے اور سوائے تکلیف یا خوشی کے اور کسی بات کو محسوس نہیں کر سکتا۔

دوسرا درجہ وہ ہے جبکہ بچہ کے ایسے افعال جنکا وہ عقل حیوانی کے ذریعہ کیا کرتا ہے انعام کی لالچ یا سزا کی ذلت سے بدل جاتے ہیں مثلاً ایک بچہ باغ میں کھیلنا اور منع کرنے پر رونے لگتا ہے مگر جب اسے کہا جائے کہ اگر تم نہ روؤ تو تمہیں مٹھائی دیں گے تو وہ بخوشی مان لیگا اور اپنی حرکت سے باز آئیگا۔

تیسرے درجہ پر پہنچنے کے بعد اخلاق کی تعریف اور مذمت کا خیال پیدا ہو جاتا ہے اور انسان اپنی عادات کو اس طرح ڈھالنے کی کوشش کرتا ہے کہ خلق اس سے خوش ہو اور وہ بدنامی سے محفوظ رہے۔

چوتھا درجہ وہ ہے جبکہ انسان کو خلق کی تعریف اور مذمت کی پرواہ ہی باقی نہیں رہتی بلکہ وہ خود اپنے لئے ایک ذہنی قانون اخلاق بنا لیتا ہے۔ اور یہ قانون اس کے خیال میں دنیا کے تمام قوانین سے بہتر ہوتا ہے۔ وہ حتی الامکان اس پر عمل کرنے کی کوشش کرتا ہے

جس طرح کہ انسان اخلاق کی چار حدیں یکے بعد دیگرے طے کرتا ہے اسی طرح مختلف اخلاقی صفات بھی انسان میں عمر کے لحاظ سے پیدا ہوتے جاتے ہیں۔

بعض شخصی صفات ہیں مثلاً جرأت و عزم جن کا تعلق صرف اُسی شخص سے ہوتا ہے جس میں یہ موجود ہیں نہ تو یہ دوسروں سے حاصل کئے جاتے ہیں اور نہ دوسروں کو دیئے جا سکتے ہیں اور بعض صفات ایسے ہیں جو ایک شخص کو وراثتاً ملتے

اب دیکھنا یہ چاہیئے کہ شخصی صفات کو ہم کھیل کے ذریعے کس طرح ترقی دے سکتے ہیں جرأت عزم وجوش یہ شخصی صفات ہیں اور بچپن ہی سے نمایاں ہوتے ہیں والدین یا اُستاد کو بچے میں ان صفات کے پیدا کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہوتی ہے بلکہ صرف یہ درکار ہوتا ہے کہ کسی طریقے سے بچے کو ایسے کام بتلائے جائیں جن میں وہ اپنے ذاتی صفات کو صرف کرے اور ان کو ترقی دے۔ اگر یہ نہ بتلایا جائے تو خوف اس کا ہے کہ یہی عمدہ صفات اس کو کوتاہ خیال، خود غرض وظالم بنا دیں گے۔ لہذا راشد، الدین اس امر کی کوشش کرتے ہیں کہ بچہ ایسے کھیل کی طرف راغب ہو جائے جس میں جرأت، جذبہ اور عزم کی ضرورت ہو اور جس میں خود غرضی کا خلل نہ ہو۔ مثلاً فٹبال اس کھیل میں اگر کوئی کھلاڑی خود غرضی دکھائے تو وہ کبھی عمدہ کھلاڑی نہ کہلائیگا اور چونکہ اسکی وجہ دوسرے کھلاڑیوں کا کھیل خراب ہوگا اس لئے ممکن ہے کہ ایسے شخص کو ٹیم ہی سے خارج کر دیا جائے یہ ایسی سزا ہے کہ اس کے ذہن سے بہت سارے خود غرض کھلاڑی راہ راست پر آگئے ہیں یقیناً انہیں تمام عمر کے لئے یہ سبق مل گیا کہ خود غرضی ایسی صفت ہے جو پسند عوام نہیں اور جس سے نقصان ہی نقصان ہے۔

جرات ایسی صفت ہے جس پر ہر شخص ناز کرتا ہے اور سب اوصاف پر اسے ترجیح دیتا ہے۔ وہ قومیں جنکو ہر وقت دشمن کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس صفت کو بڑا رتبہ دیتی ہیں۔

اس زمانے میں کھیل لڑائی کا عوض سمجھا جاتا ہے اُن اوصاف کو زندہ رکھنے میں مدد دیتا ہے جو لڑائی میں کارآمد ثابت ہوتے ہیں چنانچہ تمام مقابلے کے کھیل جرأت کو بڑھانے میں مدد دیتے ہیں اکثر دیکھا گیا ہے کہ ناتواں اور کمزور لڑکے اپنی جرأت کی بدولت توانا اور زبردست پر غالب آتے ہیں اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ جس طرح تاریخی واقعات پڑھنے سے انسان کے دل میں جوش پیدا ہوتا ہے اسیطرح

بچے بھی اپنے بچپن کے جری کرتوتوں کو یاد کر کے زندگی کے بڑے بڑے مراحل بلا کسی کمزوری اور بزدلی کے طے کرتے ہیں۔

ذکاوت کامیابی کے لئے ضروری صفت ہے۔ مثلاً ایک لڑکا جو ٹینس کا عمدہ کھلاڑی ہے لیکن اس صفت سے بہرا ہے وہ ہرگز ایسے رتبے کو نہیں پہنچ سکتا جیسے کہ دوسرا کھلاڑی جو ذکی ہو پہنچ گیا۔ کیونکہ ٹینس ایسا کھیل ہے جس میں اپنے مخالف کی کمزوریوں اور خوبیوں کو جاننا نہایت اہم ہوتا ہے کامیاب وہی کھلاڑی ہوتا ہے جو اپنے مخالف کی کمزوریوں کو فوراً تاڑ جائے اور اس بات کی کوشش کرے کہ اُن سے فائدہ اٹھائے اور مخالف کھلاڑی کو موقع نہ دے کہ وہ اپنے بہترین اسٹروکس کھیل سکے جو لڑکا اس کھیل میں ترقی کرنا چاہتا ہے اس کو چاہیئے کہ اپنے کو ذکی بنانے کی کوشش کرے لیکن یہ بتلانے کی ضرورت ہے کہ ذکاوت گو ایک نہایت ہی عمدہ صفت ہے لیکن اسی وقت تک جب تک کہ وہ قانون اور راست بازی کے حدود سے باہر نہ ہو جائے جو ذکاوت کہ راست بازی پر مبنی نہ ہو وہ مذمت کے قابل ہے۔

اسکول میں جو کھیل سکھائے جاتے ہیں اُن کی ایک غرض یہ بھی ہے کہ لڑکے میں رہنمائی کا مادہ پیدا کریں اور یہ ایسی صفت ہے جو آئندہ چل کر اُن کے لئے نہایت فائدہ مند ثابت ہوتی ہے۔ قوت فیصلہ سے مراد صرف یہ نہیں ہے کہ ایک شخص کسی کام کے کرنے کا ارادہ کر لے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس شخص کے لئے ایک کام کے بجالانے کے واسطے کئی طریقے موجود ہیں لیکن وہ فوراً جانچ لیتا ہے کہ ان میں سے بہترین طریقہ کونسا ہے اور فوراً ہمت کے ساتھ اس کو اختیار کر لیتا ہے۔ ٹیم گیمس کی بدولت اس صفت کو ترقی دی جا سکتی ہے۔ مثلاً ایک ہاکی کا کھلاڑی گیند لیجا رہا ہے اور مخالف کھلاڑی گیند لینے کے لئے بھاگے آ رہا ہے اول الذکر کھلاڑی کو فوراً فیصلہ کر لینا پڑتا ہے کہ گیند کسی اپنے ساتھی کے پاس بھیج دیا جائے یا وہ خود مخالف کھلاڑی کو

چوک دیکر اور آگے بڑھے۔ وہ لڑکے جن میں صفت فیصلہ نہیں ہوتی ہے خود سر
ہوتے ہیں اکثر غلطی کر جاتے ہیں جس کا نتیجہ ان کے حق میں برا نکلتا ہے۔ وہ استاد جو بچوں
کو ہاکی سکھاتا ہے ان کو اسکی بھی تعلیم دیتا ہے کہ کس وقت کیا کرنا چاہیئے اور اسطرح
بچوں میں صفت فیصلہ پیدا ہوتی ہے جسکو وہ خود ترقی دے سکتے ہیں۔

استقلال نہایت ہی اہم اخلاقی صفت ہے۔ بہت سارے اشخاص ایسے
ہیں جو کسی کام کو نہایت ہی گرم جوشی سے شروع کرتے ہیں لیکن جیسے جیسے وقت گذرتا
جاتا ہے یا کسی دقت کا سامنا ہوتا ہے تو ان کا شوق ٹھنڈا پڑنے لگتا ہے اور ان کے منصوبے
بلبلے کی طرح ہوا میں اڑ جاتے ہیں لیکن وہ اشخاص جن میں استقلال ہوتا ہے
ہر قسم کے مصائب و زحمتیں اٹھانے پر بھی اپنی کوشش جاری رکھتے ہیں اور ایک نہ
ایک روز اپنے مقصد میں کامیاب ہوتے ہیں۔ اس صفت کو کھیل کے ذریعے بچوں
میں پیدا کرنا دشوار امر نہیں۔ بہت سارے کھیل ایسے ہیں جو بچوں کو یہ سبق دیتے ہیں
کہ کوشش جاریہ کے طفیل کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ مثلاً آدھ میل یا ایک میل کی دوڑ
اس میں وہی لڑکا کامیاب ہوتا ہے جس نے روزانہ ایک یا دو میل دوڑنے کی
مشق کی ہو۔ بعض لڑکے ایسے ہوتے ہیں کہ پہلے چند روز تو ایک یا دو میل دوڑ لیتے ہیں
لیکن جب انہیں تکان معلوم ہونے لگتی ہے وہ اس کام کو دشوار و تکلیف دہ سمجھکر
اپنی مشق چھوڑ دیتے ہیں۔ حالانکہ اگر وہ اسی طرح اپنی مشق کو آٹھ روز تک جاری رکھیں تو
اُن کا مقصد پورا ہو جاتا ہے یعنی دو میل دوڑنا انہیں بار نہیں معلوم ہوگا بلکہ وہ اس فاصلے
کو بہ آسانی طے کرنے کے عادی ہو جائینگے اور مقابلے کے وقت ممکن ہے اپنے مخالفین
سے بازی لے جائیں۔ میں جن لڑکوں نے استقلال سے کام لیا اور اپنے کو دو میل
دوڑنے کا عادی بنا لیا انہیں ضرور استقلال کی اہمیت اور فائدہ مندی کا ثبوت مل گیا
اور عمر بھر وہ اس سبق کو کبھی نہیں بھلا سکتے۔

عزم سے مراد یہ ہے کہ جس شخص نے کسی کام کو کرنے کا ارادہ کیا بس اس کو
انجام تک پہنچا کر ہی چھوڑے گا خواہ اس کو اس امر کی انجام دہی میں پہاڑ ہی پھوڑنا
کیوں نہ پڑے بچوں میں فطرتی طور پر یہ خواہش پیدا ہوتی ہے کہ وہ جس کھیل میں حصہ لیں
اس میں اپنے کو یکتا بنائیں اور کامیابی حاصل کریں۔ اگر کبھی انہیں شکست
ہوتی ہے تو ان کو صدمہ پہنچتا ہے لیکن بار دیگر جب وہ میدان میں آتے ہیں تو
عزم کر لیتے ہیں کہ اس مرتبہ ہم اپنے مخالفین کو شکست دیں گے۔ اگر ایک ٹیم کے
سب کھلاڑی عزم کر لیں کہ وہ جیت ہی کر میدان سے ہٹینگے تو انہیں کامیابی [illegible]
ہونا ناممکن نہیں کہ کامیابی کے عزم کے ساتھ انہوں نے مشق بھی زیادہ کی
اپنے پر سختیاں برداشت کی ہونگی اور مضر چیزوں سے پرہیز کیا ہوگا۔ کوئی وجہ
نہیں کہ ایسے کھلاڑی عمدگی سے نہ کھیلیں اور انہیں کامیابی [illegible] زندگی کی لڑائی میں
بھی عزم کی سخت ضرورت ہے اس میں بھی وہی شخص کامیاب رہتا ہے جو کہتا ہے
کہ میں کامیاب ہونگا۔ کہ وہ شخص جو کہے کہ کوشش میں کامیاب ہوتا ہوں۔ بلند حوصلگی سے
مراد ترقی کی خواہش ہے۔ ایک قسم کی بلند نظری تو یہ ہے کہ ایک شخص ہر چیز اپنی
بہتری کے لئے چاہتا ہے اور دوسروں پر حکومت کرنے کی خواہش کرتا ہے۔
لیکن اس کی دوسری قسم یہ ہے کہ ایک شخص حکومت کی خواہش کرتا ضرور ہے
لیکن اس مقصد سے کہ وہ اسکو حاصل کرنے کے بعد دوسروں کو فائدہ پہنچا سکے اور
بھی امداد کر سکے کھیل دونوں اقسام کی قسم کو ترقی دیتے ہیں۔ یعنی بچوں کو جب ٹیم میں
کھیلنے سکھائے جاتے ہیں ان کو یہ تاکید کی جاتی ہے کہ وہ اس امر کو مدنظر رکھیں کہ ان کی
ٹیم کامیاب رہے۔ اور اسکو شہرت حاصل ہو نہ کہ صرف ایک کھلاڑی کو۔
بہت سارے صفات ہیں جو کہ [illegible] اور
اور ترقی پاتے ہیں ہر ایک کا بیان اس مضمون میں ممکن نہیں لیکن قبل [illegible]

مضمون کو ختم کیا جائے یہ بتلا دینا ضروری ہے کہ جو استاد بچوں کو کھیل کرتا یہ ہے
مقرر کئے جاتے ہیں، ان کا کیرکٹر اعلیٰ ہونا چاہیئے تاکہ بچوں کے
وقعت قائم رہے۔ آگے بیان کیا جا چکا ہے کہ بچوں کے دلوں پر حوالی لوگوں
اور چیزوں کا بے حد اثر پڑتا ہے اسی لیئے اگر معلم کا چال وچلن عمدہ ہو تو لڑکے
بھی اپنے اخلاق کو اپنے معلم کے اخلاق کی طرح بنانے کی کوشش کرینگے
اور اگر بچے بدقسمتی سے ایسے معلم کے زیر نگران کئے گئے جس کے اخلاق خراب
ہوں اور جو اس سے ناواقف ہو کہ کھیل کا اثر اخلاق پر کسطرح پڑتا ہے تو بچوں
میں ایسی صفتیں پیدا ہو جائینگی جو عمر بھر ان کے لئے مضر ثابت ہونگی۔ میں سر
کا سب سے پہلا فرض یہ ہے کہ وہ بچوں کو اسپورٹسمن بنانے کی کوشش کرے اور
یہ بات اچھی طرح ان کے ذہن نشین کر دے کہ جیت یا ہار کوئی چیز نہیں جو کچھ ہے
اعلیٰ حوصلگی (اسپورٹسمنشپ) ہے بچوں کو اسپورٹسمن بنانے کے لئے دو باتیں
ضروری ہیں اور ان ہی کو بتلا کر یہ مضمون ختم کیا جاتا ہے اول تو یہ کہ بچوں کو قواعد
کھیل سے اچھی طرح واقفیت دیجائے۔ کیونکہ انکی ناواقفیت ہی دغابازی دیدے
ایمانی کا باعث ہوتی ہے اور مخالفین میں فساد برپا ہوتا ہے۔ عہدہ دار یعنی امپائر
وغیرہ جو کھیل میں مقرر کئے جاتے ہیں وہ اپنے کام سے بخوبی واقف ہونے چاہئیں
ورنہ جھگڑے پیدا ہوتے ہیں اور ہاری ہوئی ٹیم کو اپنی شکست سے تشفی نہیں ہوتی
اگر حیدرآباد میں کھیل کی اہمیت سے ہر شخص واقف ہو جائے تو عجب نہیں
کہ ہمارے ملک میں نہ صرف ایسے کھلاڑی پیدا ہوں جو ملک کا نام روشن کریں
بلکہ عام طور پر جو اخلاقی کمزوریاں جو ہماری قوم میں پائی جاتی ہیں وہ بھی رفع ہو جائیں
اہل یورپ کا خیال ہے کہ کھیل ہی ایسا ذریعہ ہے جسکی بدولت بین الاقوام دوستی
وملاپ ہو سکتا ہے اور آپس کی غلط فہمیاں دور کی جا سکتی ہیں میرے خیال میں

ہندوستان میں جو مذہبی جھگڑے ہندو اور مسلمانوں میں نفاق پیدا کر رہے
ان تباہی کا باعث ہو رہے ہیں وہ بہت کچھ کھیل کے ذریعہ مٹ سکیں گے
یہ لڑکے جب ہمارے اوصاف درست ہو جائیں گے اور جبکہ ہم ایک دوسرے سے
برادرانہ ملاقات کریں گے اور ایک دوسرے کی خوبیوں سے واقف ہو جائیں گے
ہم کو ہرگز یہ خیال پریشان نہ ہوگا کہ ہم مسلمان ہیں اور دوسرا ہندو بلکہ سب اپنے کو
ایک گروہ تصور کرنے لگیں گے۔

سائنس اور مذہب

(از)

ڈاکٹر مائیکل پیوپن

(مترجمہ جناب سید محمد عسکری صاحب جعفری)

کولمبیا یونیورسٹی کے فن ایلکٹرو میکانک کے پروفیسر ڈاکٹر مائیکل پیوپن جو عہد
موجودہ کے زعمائے سائنس میں شمار ہونے کے علاوہ اپنے فن کے زبردست موجد
بھی مانے جاتے ہیں کہتے ہیں کہ موجودات کو خدا سے بے تعلق کر دینے کے بجائے
سائنس خالق و مخلوق کے مابین روحانی قربت کا موجب ہوتی ہے حال میں ایک
امریکن رسالے کے نمائندہ سے گفتگو کرتے ہوئے آپ نے یہ بھی فرمایا "اس میں
شک نہیں کہ خدا کے وجود کو ریاضی کے ضوابط و اصول سے ثابت کرنا ممکن نہیں
لیکن سائنس ہم کو اس نتیجہ پر پہونچنے کے لئے مجبور کر دیتی ہے کہ کائنات کی ہر شے
کے پیچھے ایک ایسی قطعی اور راہ نما قوت موجود ہے جو موجودات عالم کو عدم محض
کے بے ترتیب و پریشان مجموعے سے نکال کر مخلوقات کے نورانی پیکروں میں جلوہ

"کردی ہے۔"

صاحب موصوف کہتے ہیں "حکمت باری کی آیات ہر جگہ موجود ہیں۔

"برگ درختانِ سبز در نظرِ ہوشیار

"ہر ورق دفتریست معرفتِ کردگار

"سائنس مذہب کی ایک ادنیٰ خادمہ ہے وہ ہمارے دل کو تحکم کرتی ہے

"وہ انسان کو مشیت ایزدی کا شعور و ادراک کے ساتھ تابع ہونا سکھاتی ہے

"اسکو قوانین قدرت کی تعلیم دیتی اور ان پر کاربند ہونے کے طریقے بتلاتی ہے

"وہ ہمارے اس اعتقاد کو راسخ کرتی ہے کہ تمام موجودات میں روح انسانی سے

"بڑھکر ارفع و اعلیٰ اور کوئی چیز نہیں وہی مدعائے تخلیق عالم ہے اور اجسام مادی کے

"فنا ہو جانے کے بعد باقی رہنے والی شے بھی وہی ہے غرض سائنس ہمیں آئے

"دن خدا سے قریب تر کرتی جاتی ہے۔"

ارتقائے انسانی۔ اسلئے ارتقاء پر بحث کرتے ہوئے یہ مشہور سائنس دان

اپنے خیالات کا اظہار اس طرح کرتا ہے۔ ایک الہامی راز جو علمائے حیاتیات نے

"ہم پر منکشف کیا ہے یہ ہے کہ حیوانی زندگی نے اسفل سے اعلیٰ کی جانب درجہ

"بدرجہ ترقی کی ہے یہانتک کہ اب ہم اسکو شکل انسانی میں جلوہ افروز پاتے ہیں اور

"جو اشخاص اس پر اعتقاد نہیں رکھتے کہ حیوانی زندگی ایک اہم اصول کے تحت قدم

"بقدم تدریجی ترقی حاصل کی ہے تو انہوں نے خدا کو مطلق پہچانا ہی نہیں۔ اگر حیات

"پست درجہ کی ابتدائی کیفیات سے ترقی کرتی ہوئی فرض کیجئے کہ ایک کروڑ برس

"میں اس مرتبہ اعلیٰ پر پہنچی ہو اور ہیکل انسانی میں ضیا پاشیاں کر رہی ہو جو یہی عالم

"ارتقا جاری رہا تو اور ایک کروڑ برس میں انسان کیا سے کیا ہو جائیگا۔ سائنس نے

"ظاہر کر دیا ہے کہ انسان کس طرح زینہ بزینہ ایک منزل سے دوسرے منازل اعلیٰ

اور ہمارا ہر قدم بڑھاتا اور مدعائے تخلیق سے ہم کنار ہوتا جاتا ہے۔

"واقعہ یہ ہے کہ علوم اجسام و طبیعیات کے حقائق ایک ایسے وجود باری
" صانع پر علیم مطلق کا پتہ دیتے ہیں۔ جس پر ہم یعنے حیوانات کی ایک عاقل
" نوع کی راہ اور خرد مند جنس یقین کر سکتی۔ عالم کی اتفاقی ترتیب یعنے بغیر کسی تجویز و تدبیر کائنات
" کو میں اجزاء کی [illegible] پر ہم اعتقاد نہیں لا سکتے۔ ہاں عوالم کی تخلیق کیلئے
" [illegible] باری تعالیٰ کے ہم معتقد ہو سکتے ہیں۔ فطرت میں جگہ جگہ توصل اور تسلسل ہی
" نظر آتا ہے اور سائنس کی یہ تحقیق ہے کہ ایک معقول نظام کے تحت ہر شے بجائے
" خود ایک تدریجی ترقی کرتی ہے اور پھر اس نے منکشف کر دیا کہ انسان ہی ایسا مخلوق
" ہے کہ جسکی روح اس عالم دور و تسلسل میں اعلیٰ مدارج الوہیت کی طرف لمحہ بلمحہ ترقی
" کر سکتی ہے۔ جب ان حالات اور کیفیات کا علم ہمیں یقین کے درجہ تک ہو چکا تو پھر ہم
" کیونکر تسلیم کر سکتے ہیں کہ ہمارے اجسام کے ساتھ ہی ساتھ ہماری روحوں کا چراغ
" بھی گل ہو جائیگا" اسی سلسلہ گفتگو میں ڈاکٹر صاحب موصوف فرماتے ہیں کہ "یہ کسی طرح
" میری سمجھ میں نہیں آتا کہ عالم تخلیق جو کروڑوں صدیوں سے جاری ہے اور جس کا بظاہر مقصد
" و مدعا صرف اس رفیع المرتبت شے یعنے روح کا تدریجی ارتقا تھا جب روح کو حاصل کر لیتا
" ہے تو اس کا صرف اس وقت تک باقی رکھتا ہے کہ جب تک ہمارے اجسام زندہ
" ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ بقاء روح کے ثبوت میں سائنس دانوں نے ریاضی سے
" کوئی ثبوت نہیں دیا مگر اس نے اس میدان میں غور و فکر کے لئے کافی ایسا مواد فراہم کر دیا
" ہے کہ جس سے ہم نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ روح فانی نہیں بلکہ ہماری جسمانی و دنیوی زندگی
" روحانی زندگی کا ایک درجہ ایک منزل ہے۔

"میرے خیال میں استخراجات سائنس اس اعتقاد کو ثابت نہیں کر سکتے بلکہ اسکی
" ہدایت کرتے ہیں کہ روح انسانی جسم کے ساتھ فنا ہونیوالی شے نہیں۔ قوانین دور و تسلسل اور

"عالم کے سائنٹیفک مشاہدوں سے ہمارے اس عقیدہ کو اور بھی استواری ہوتی
"ہوتی جاتی ہے کہ جسم کے فنا ہو جانے کے بعد بھی روح باقی رہ سکتی اور اعلیٰ
"حاصل کر سکتی ہے۔

"سائنس آئے دن خالق کی قدرت اور شان کا نیا نیا
"بتا رہی ہے انسان کا تعلق خالق سے کیا ہے
"کی معرفت دلانے اور صراط مستقیم پر لگانے کا سب سے بڑا ذریعہ اور وسیلہ
"ہے۔

"سائنس مانع مذہب نہیں بلکہ اس کے برعکس وہ مذہبی عقائد کو راسخ کر دینے
"والی قوت ہے۔ اس لئے میرا تو ذاتی عقیدہ یہ ہے کہ عالم میں جو کچھ بھی واقع ہو رہا ہے
"وہ کسی خاص غرض کے لئے ہے اور یہ غرض صرف ارتقاء روح انسانی ہے اور یہی وہ
"حد ہے کہ جہاں سائنس و مذہب متحد الخیال نظر آتے ہیں۔ سائنس نے بنیاد مذاہب
"کو بڑے بڑے فائدے پہونچائے اور عقائد کو مضبوط کر دیا۔ میرے عقائد تو بہت
"راسخ ہو گئے۔

"اگر صرف تین سو برس کے سائنٹیفک انکشافات نے ہمیں اپنے خالق سے
"اتنا قریب کر دیا ہے جتنا کہ اب ہیں تو کیا عجب کہ سائنس کی منازل کمال میں یہ تدریجی
"ترقی اس کالبد خاکی کو اس قابل کر دے کہ وہ سراپا کے مسور جلووں کی زیارت کر سکے
"اور اپنے روحانی کیفیات میں مقصد تخلیق سے مشابہ ہو تا جائے۔ میرے عہد طفلی میں
"میری ماں کا یا دیہاتیوں کا جو مذہب تھا آج میرا مذہب اس سے ذرہ برابر بھی مخالف
"نہیں۔ سائنس نے تو صرف آفریدگار خلق کی صفات زیادہ واضح کر دیا ہے اور مشاہدہ
"سائنس کے انہماک میں سچی مسرت کا سبب بھی یہی ہے۔

"سائنس کا مقصد صرف یہی نہیں کہ مادیات کے میدان میں انکشافات اور

اور ہاتھ کے ذریعہ انسان کے لیے دولت راحت کے سامان فراہم کر دے۔ اس کا کسی فرد واحد کے لیے شاید نعمت ہے لیکن نعمت عظمیٰ نہیں۔

مذہب کے اعلیٰ تاثرات کی تحصیل میں اور اس کے بہترین کیفیات کی [illegible] سائنس اللہ کے حصول میں سائنس میری مدد نہ کر سکے اور [illegible] میری حامی نہ ہو سکے تو میں سمجھوں گا کہ بحیثیت سائنٹسٹ میں ناکامیاب رہا۔ مگر واقعہ تو یہ ہے کہ اس نے مجھے اپنے مذہب کا سچا پیرو بنا دیا ہے اور مجھے اس کا یقین ہے کہ وہ ہر اس شخص کے مذہبی عقائد کو راسخ کر دے سکتی جس نے "اس کے سیدھے سادے قوانین کے سمجھنے کی کوشش کی کیونکہ یہی قوانین تو قوانین قدرت ہیں"

سن بلوغ اور نفسیات تربیت

(از)

مولوی میر یوسف علی صاحب ایم۔ اے گارڈ ۱۱ء

گذشتہ نومبر میں پیرنٹس ایجوکیشنل یونین کے

سن بلوغ اور اس کے تاثیرات پر ایک محققانہ اور فاضلانہ تقریر کی۔ بلحاظ اس کے کہ نفس مضمون ان حضرات کے لئے جو نفسیات تربیت سے دلچسپی رکھتے ہیں مفید معلومات ہو سکتا ہے اس تقریر کی تلخیص درج ذیل کیجاتی ہے۔

مقرر موصوف نے سن بلوغ کے تاثیرات پر روشنی ڈالتے ہوئے یہ کہا کہ بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ زندگی کا اہم ترین حصہ زمانہ شباب ہے مگر انکی رائے میں زمانہ خردسالی یا زمانہ قبل بلوغ حقیقت میں اس سے زیادہ اہم ہے کیونکہ یہی وہ زمانہ جس میں ان تمام نفسی آلام اور ذہنی امراض کا پایہ پڑتا ہے جو بعد چلکر سن بلوغ میں رونما ہوتے ہیں۔ زمانہ بلوغ ۱۲ سے ۱۸ سال کی عمر تک ہوتا ہے یہ زمانہ تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے یعنے (۱) آغاز شباب (۲) زمانہ تغیر (۳) زمانہ آخر بلوغ ان میں سے ہر زمانہ میں اس کے نفسیاتی خصوصیات کو مناسبت سے تربیت اطفال کا ایک جداگانہ ڈھنگ ہونا چاہیئے آغاز بلوغ کا زمانہ ۱۲ سے ۱۴ سال تک ہے۔ اس عمر کی خصوصیت یہ ہے کہ لڑکوں میں جماعت پسندی یا جتھے بندی کی امنگ ہوتی ہے وفا شعاری، فرمان برداری یا محکومیت کے صفات اسی سے پیدا ہوتے ہیں۔ وفاداری کا جذبہ تو خاص طور پر اسی زمانہ میں یعنے ۱۲ سے ۱۴ سال کی عمر میں پیدا ہوتا ہے اگر لڑکا بزرگوں کی کم التفاتی یا نارواداری کے سبب یہ محسوس کرنے لگے کہ اس کے جذبات و قابلیت یا ہمدردی کی نظروں سے نہیں دیکھے جاتے تو اس کی طبیعت

کا میلان نافرمانی اور خودسری کی جانب خود بخود ہوگا۔ عام طور پر لوگ یہ خیال
کرتے ہیں کہ فرمان برداری یا مکلومیہ کے صفات ابتدائے بلوغ سے ہیں
ہوتے رہنے عموماً یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ابتدائے عمر میں لڑکے شرارت
اس لئے لازمی طور پر خودسر بھی ہوتے ہیں رفتہ رفتہ سرکشی اور
لگتی ہے اور فرمان برداری کی صلاحیت بڑھتی جاتی ہے حقیقتاً
ایسا نہیں ہے یہ کہ ہم ایک غائر نظر سے دیکھیں کہ کس طرح
ایک اسکاؤٹ اپنے قاید کا فرمان بردار ہوتا ہے یا ایک کم سن کھلاڑی اپنی ٹیم
کے کپتان کا احترام خوشی سے کرتا ہے تو یہ نفسیاتی حقیقت بالکل واضح ہو جائے گی
کہ فرمان برداری کی صفت ابتدائے بلوغ کا خاصہ ہے ایک سمجھ دار باپ اور
دانشمند معلم کو چاہیئے کہ ان خصوصیات کو پیش نظر رکھے مساوات اور ہمدردی کے
برتاؤ کے ساتھ اس کا رکھ رکھاؤ ایک جتھے کے لیڈر کا سا ہونا چاہیئے کیونکہ جابرانہ
حکومت کبھی سرسبز نہیں ہو سکتی سن بلوغ کی دوسری قابل ذکر خصوصیت یہ ہے کہ
صنف غیر سے بے اعتمادی پیدا ہونے لگتی ہے (یعنے لڑکے اور لڑکیوں کے
طفلانہ اور آزادانہ میل ملاپ میں کشیدگی پیدا ہوتی ہے) حیاتیاتی نقطہ نظر سے اس
قسم کا حجاب پیدا ہونے سے فطرت کا یہ مقصد صاف ظاہر ہوتا ہے کہ صنفی تعلقات
کے قبل از وقت واقع ہونے میں رکاوٹ ہو تاکہ ناقص توالد و تناسل کے مضر نتائج
سے نسل محفوظ رہے اس قسم کی باہمی کشیدگی نوخیز لڑکے اور لڑکیوں میں فطرتاً اور ارتقا
پائی جاتی ہے اسکا لحاظ خاص طور پر ان ارباب تعلیم کو رکھنا چاہیئے جو شرکہ مدارس کے
انتظام کے حامی ہیں اور ان کی تنظیم میں دلچسپی لیتے ہیں صنفی بے اعتمادی کے اس فطری قانون
سے ایک صورت مستثنیٰ بھی ہے یعنے وہ محبت جو نوعمر لڑکے کو ماں کیساتھ ہوتی ہے اور جو
اسمیں مردانہ دلیری اور جانبازی کی محرک ہوتی ہے چونکہ اس قسم کی فرزندانہ محبت کا احساس کسی

شہوانی رجحان پر مبنی نہیں ہوتا اس لئے اس کی مخالفت یا روک تھام نامناسب ہے ورنہ بعد میں چلکر عام طور پر عورتوں کے سا[illegible] لڑکے کا رویہ اچھا نہیں رہ سکتا۔ بالک مدارس میں (جہاں نو عمر لڑکے عرصہ دراز تک مادری شفقت سے دور رہتے ہیں) معلمین کو چاہیئے کہ اس بات کا کافی لحاظ رکھیں کہ لڑکوں میں فرزند مفقود نہونے پائے۔

ابتدائے سن بلوغ میں اگر یہ لڑکیوں جیسا [illegible] ہوتا ہے مگر اسطرح نہیں جیسے لڑکوں میں ہوا کرتا ہے وہ لڑکی جو نسوانیت کی ابتدائی منزل میں ہو بجائے لڑکے کے شخصی محبت کو جماعت کی محبت پر ترجیح دیتی ہے چنانچہ عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ نسوانی مدارس کی کم سن لڑکیاں اپنے سے بڑی عمر کی نوجوان لڑکیوں سے ایک خاص اُنس رکھتی ہیں ایسی محبت کی تین قسمیں ہیں۔

پہلی قسم وہ محبت ہے جس میں ایک کم سن لڑکی کو کسی بڑی لڑکی کیساتھ ایک خاص اُنس ہوتا ہے جو بعد چلکر عموماً کسی مرد کی محبت میں تبدیل ہو جاتا ہے (یعنی ہم صنفی محبت فطری اور اصلی محبت کی صورت اختیار کر لیتی ہے) محبت کی یہ صورت بشرطیکہ جذبات حد اعتدال پر رہیں مضر یا خطرناک نہیں ہے۔

دوسری قسم وہ ہے جس میں چھوٹی لڑکی بڑی لڑکی کو ماں کی طرح سمجھتی ہے عموماً یہ وہ لڑکیاں ہوا کرتی ہیں جو کسی سبب سے ابتدائے عمر ہی سے آغوش مادری سے دور ہو جاتی ہیں جسکی وجہ سے وہ کسی ایسی محبت کی متلاشی رہتی ہیں جو شفقت مادری کے مماثل ہو یا اسکی مابدل ہو سکے۔ یہ محبت بھی چنداں خطرناک یا غیر فطری نہیں ہے بشرطیکہ معلمات کی جانب سے ایسی لڑکی کے ساتھ مناسب حال ہمدردی کیجائے۔

تیسری قسم کی محبت وہ ہے جس میں ایک لڑکی اپنے کسی ہم صنف کی جانب غیر فطری شہوانی میلان رکھتی ہو طبیعت کی ایسی غیر فطری انتابی مشورہ اور نفسی معالجہ کی

محتاج ہے اگر اس کا [illegible] کیا جائے تو طبی اور نفسی امراض کے رونما ہونے کا اندیشہ ہے۔

کبھی کبھی لڑکیوں میں ابتدائے سن بلوغ ہوئے انتہائے احتیاط پسندی اور مذہبیت کے آثار پیدا ہوتے ہیں۔ اس زہد و ورع کی نفسیاتی تفہیم یہ ہو سکتی ہے کہ اس کا مقصد کسی دانستہ یا نادانستہ عملی یا خیالی خطا کی تلافی اور ضمیر کی تشفی ہے زمانہ تغیر یعنی ۱۴ سے ۱۶ سال کی عمر میں لڑکے اور لڑکیاں اکثر تنہائی پسند ہوتے ہیں۔ اس کی زیادہ تجدید نہ ہونی چاہیئے کیونکہ یہی وہ زمانہ ہے جس میں نوخیز لڑکے یا لڑکیاں اپنے باطنی کوائف جذبات اور شخصی میلانات کی طرف زیادہ متوجہ رہتے ہیں۔ اس باطنی توجہ کی بدولت وہ اپنے مستقبل کو سنوار یا بگاڑ سکتے ہیں اگر تخیلات اور جذبات اعلیٰ اور احسن ہوں تو مستقبل پر اس کا اثر بھی اسی مناسبت سے مفید ہوگا۔ برخلاف اس کے خیالات اگر فاحش اور مذموم ہوں تو مضر حیات ثابت ہوں گے۔

ایام اور آخر بلوغ یعنی ۱۶ سے ۱۸ کے درمیان لڑکے اور لڑکیوں کو باہمی ربط کے بڑھانے کا کافی موقع ملنا چاہیئے۔

اسی عمر میں نوجوان شعریت اور وجدان کے ایک ایسے عالم میں رہتے ہیں جو مذہبیت اور صنفیت کے اعلیٰ وجدانات کا یکساں محرک ہے۔ بظاہر مذہب اور صنفی جذبات میں (چاہے وہ کیسے ہی اعلیٰ اور ارفع کیوں نہ ہوں) تباین و تخالف نظر آتا ہے مگر حقیقتاً زمانہ شباب ان دونوں جذبات کو متلازم بنا دیتا ہے کیوں کہ زندگی کا یہی وہ حصہ ہے جس میں روح اور جسم کی تربیت یکسانیت کے ساتھ ہو سکتی ہے گویا ایک ہو پُر اسرار خواہش ہے جو روحانی اور جسمانی کمال کی جویا ہے اور ان مسرتوں کو ڈھونڈتی ہے جو ان سے وابستہ ہیں

نوعمر لڑکے اور لڑکیوں کے معلمین اور معالجین کو چاہئے کہ ان کے ساتھ ہمدردی کا برتاؤ رکھیں صحت و تعلیم دونوں امور کے سمجھنے کی کوشش کریں اور یہ جان لیں کہ اکثر و بیشتر وہ تمام مسائل جو فتور عمل یا نفسی عصبانی امراض سے متعلق ہیں نوعمری کے جذبات سے گہرا تعلق رکھتے ہیں۔

(۲)

شریر لڑکے

(از)

مولوی عبدالحمید صاحب شوق بی۔ اے صدر مدرس مدرسہ وسطانیہ احمد پور

ہر مدرسہ میں چند ایسے لڑکے ضرور ہوتے ہیں۔ جن کو ان کے استاد ان کے بھولی بلکہ ماں باپ تک شریر سمجھتے ہیں۔ ہر شخص ان کی شرارتوں سے نالاں رہتا ہے گھر میں مدرسہ میں میدان میں مسجد میں مندر میں غرضکہ کوئی جگہ نہیں جہاں وہ بچے رہیں اور ان سے کوئی نہ کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہوتی ہو جس سے کہ لوگوں کے پیٹ میں ہنستے ہنستے بل پڑ جائیں یا غصہ کا پارہ پورے ۱۰۰ سو درجہ پر چڑھ جائے۔

دیکھنا یہ ہے کہ لڑکے شریر کیوں ہو جاتے ہیں؟

اس سوال کا جواب دینے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے یہ دیکھا جائے کہ جملہ شرارتوں کے لحاظ سے لڑکوں کی کتنی قسمیں ہیں مدرسوں کو اس امر کی جانچ کا خوب موقع ملتا ہے چنانچہ راقم مضمون بھی اسطرح کے طلباء پر خاص نظر رکھ کے اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ شریر لڑکوں کی چار بڑی قسمیں ہیں۔

(۱) نہایت چلبلے بچے جو تعلیم میں تیز ہوتے ہیں کھیلوں میں دلچسپی لیتے ہیں نہایت صحیح دماغ رکھتے ہیں جنکی صحت جسمانی بہت عمدہ ہوتی ہے۔ ان کو ہر وقت

یہ آرزو رہتی ہے کہ کوئی ایسا ... اور ان کو کسی نئے کام پر لگایا جائے
کم سمجھ مدرس اور ان کے ہم جماعت ان کو شریر اس لئے سمجھتے ہیں کہ خود ان میں
اتنی چستی اور تجسس نہیں ہوتا۔ ایسے لڑکوں کی ایک خصوصیت یہ بھی ہوتی ہے۔ کہ
جب کوئی ان کا مضحکہ کرنا یا ستانا چاہتا ہے تو چونکہ ان کا دماغ نہایت سریع العمل
ہوتا ہے، وہ عموماً جو کچھ کرتے ہیں وہ ملحاظ نتائج اور طریق کا نہایت دلچسپ
اور ساتھ ہی فریق ثانی کے لئے نہایت تکلیف دہ ہوتا ہے۔ ایسے لڑکے بڑے
ہو کر ہر سوسائٹی کا زیور بنتے ہیں اعلیٰ سے اعلیٰ مراتب پر ترقی پاتے ہیں اور انکی
زندہ دلی ضرب المثل ہوتی ہے۔

(۲) وہ بچے جو تعلیم کی طرف متوجہ نہیں ہوتے یا بمجادرہ عوام ان کا
پڑھنے لکھنے میں جی نہیں لگتا۔ وہ ہمیشہ اسی سوچ میں رہتے ہیں کہ کوئی نہ کوئی بات
ایسی ہو کہ پڑھنے لکھنے کی بلا ان سے دور رہے یہ لڑکے شریر اور غبی کہلاتے ہیں
حالانکہ نہ وہ شریر ہوتے ہیں۔ نہ غبی صرف ان کی توجہ غلط جانب مبذول ہوتی ہے
عموماً اور کم علم مدرسین ان کو اسباق کی طرف متوجہ کرنے کی بجائے اپنی مار پیٹ
اور بیوہڑپن سے اسکول سے بالکل متنفر کر دیتے ہیں اور یہ ہونہار بچے تعلیم سے
محروم رہ جاتے ہیں تاہم اگر کوئی مناسب حال موقع ایسے بچوں کو مل جائے
تو لارڈ کلائیو لارڈ بائرن اور پیرل کی طرح نامور ہو گذرتے ہیں۔

(۳) وہ بچے جو واقعی غبی اور کند ذہن ہوتے ہیں۔ ہمیشہ جسمانی اور دماغی
بیماریوں میں مبتلا رہ کر چڑچڑے ہو جاتے ہیں۔ لیکن ناسمجھ استاد اور والدین انکو
تنگ کر کے انسے تعلیم کی مشقت لیتے ہیں تو وہ بھی "تنگ آمد بجنگ آمد" پر عمل پیرا
ہو کر کچھ نہ کچھ کہہ یا کر بیٹھتے ہیں۔ یا اپنا غصہ اپنے بہنوں بھائیوں اور ہم سبقوں پر
نکالتے ہیں۔

(۴) ایسے بچے جن کو ماں باپ نے لاڈ پیار سے یا لاان کی تمام خواہشات کو اس طرح پورا کیا۔ کہ ضد ہٹ پن اور شرارت ان کی طبیعت کا جزو بن گئی جب پانی سر سے گزرنے لگا تو مدرسہ میں لاکر بٹھا دیا کہ ماسٹر صاحب اس کو سیدھا کریں مگر ماسٹر صاحب اس کو جانتے ہیں کہ امیر کا لڑکا ہے کچھ کہا سنا تو بلا گلے پڑیگی۔ اس لئے خود ہی اس سے دبتے ہیں اور وہ مدرسہ کو اپنا گھر سمجھتا ہے۔ جس طرح طمریں ماؤں اصیلوں اور ملازمون کو گالیاں دینا دھول دھپا کرنا چھین جھپٹ کرنا سب باتیں گھر پر سیکھی تھیں۔ ان پر مدرسہ میں بھی عمل کرتا ہے۔ اور ہم جماعتوں اور مدرسین کا دم ناک میں کر دیتا ہے یہی قسم شریر لڑکوں کی سب سے خطرناک ہوتی ہے۔ بڑے ہو کر یہ لڑکے ہر قسم کے عیوب میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اور ان کی اصلاح تقریباً ناممکن ہوتی ہے۔ مندرجہ بالا بحث کا ماحصل یہ ہے کہ جن لڑکوں کو شریر کہا جاتا ہے ان میں سے اکثر تو محض بدنام اور مدرسین اور والدین کی غلط روی یا بیجا تشدد کی پیداوار ہوتے ہیں اور بعض ان دونوں ذمہ دار فریقوں کی بزدلی کا شکار ہوتے ہیں اس امر میں کسی کو شبہ کی گنجائش نہیں۔ کہ طلبا کی سیرت اور اٹھان کے ذمہ دار مدرسین، اور والدین دونوں ہوتے ہیں۔ بچوں کا زیادہ وقت چونکہ گھر پر گذرتا ہے۔ اسلئے ذمہ داری گھر کے لوگوں پر زیادہ ہوتی ہے۔ مگر استاد چونکہ ملازم ہی اس بات کے لئے ہوتے ہیں۔ کہ وہ درستی اخلاق و عادات کریں اس لئے جب طلبا شرارت اور بدچلنی کرتے ہیں۔ تو ماں باپ اسقدر مطعون نہیں ہوتے۔ جتنے مدرسین بلکہ وہ درس گاہ جس میں وہ تعلیم پاتے ہیں۔ پس شرارت کی روک تھام اور شریر طبائع کی اصلاح کا کام مدرسین کے لئے بڑی اہمیت رکھتا ہے۔

نفسیات اطفال (CHILD PSYCHOLOGY) اور (PEDAGOGY)

تعلیم الاطفال کے ماہرین اس بات پر متفق ہیں کہ بچہ جب پیدا ہوتا ہے۔ تو اس کا دماغ ایک (TABULA RASA) سلیٹ کے مانند ہوتا ہے۔ ماحول کی اشیاء میں سے وہ اول اول کسی طرف متوجہ نہیں ہوتا ہے جو جبری طور پر توجہ کو جذب کرتی ہیں مثلاً چراغ کی لو یا بلند آوازیں۔ رفتہ رفتہ بچہ میں امتیاز کی اہلیت پیدا ہوتی ہے اور جیسا کہ مشہور ہے ۱۰ روز کا بچہ ماں کی پرچھائیں پہچانتا ہے ابتدا ہی سے جو نقوش اس کے ذہن پر مرتسم ہوتے ہیں۔ وہ اگر بار بار کی اعادہ سے پوری طرح کالنقش فی الحجر ہو جائیں تو وہی عادت بلکہ طبیعت ثانیہ ہو جاتے ہیں۔ اور مدت العمر تک انسان اس کا پابند رہتا ہے۔ اگر یہ ارتسامات اچھے اور حمیدہ ہیں تو ضرور بالضرور بڑے ہو کر انسان اوصاف حمیدہ سے متصف ہوتا ہے۔ اور اگر یہ نقوش بری قسم کے ہیں۔ تو ہر شخص یہی کہتا ہے کہ ؎

بری عادتوں نے ہے نکو گاڑا شرافت کا ان کی بہر اگھ اجاڑا

مدرسین کا خاص فرض یہ ہے کہ ایسے نقوش کو بچہ کے ذہن پر منقش کریں جن سے اس کا مستقبل درخشندہ ہو۔ جو برے اثرات وہ قبول کر چکا ہے۔ اسکا ازالہ کریں اور ان کی توجہ ہمہ تن ایسی جانب مبذول کریں کہ اس بات کا امکان اور شائبہ بھی نہ رہے کہ وہ خراب اثر قبول کریں گے۔ یعنی کہ اوصاف حمیدہ کو ان میں پختہ کر دیں لیکن اس کے ساتھ ہی اس بات کا خیال خاص طور پر رکھیں کہ ان کی فطرتی چستی چالاکی برباد نہ ہو جائے۔ شوخی اور تیزی طبع جدت اور ایجاد کی طرف مائل ہو کر مردم آزاری کی جانب استاد کی ذاتی مثال اور اس کا شخصی نمونہ ہی دیرپا فوائد حاصل کر سکتا ہے۔ اس امر کی ضرورت نہیں۔ کہ وہ ان کو بہت نصیحت کرے۔ تنبیہ و تادیب کرے سزا دے

صحبت نگرانی رکھے۔ اور اس طرح ان کی [illegible] کرے۔ بجائے اگر وہ مشاغل کو دلچسپ اور مفید بنادے۔ خود آپ ان میں شامل ہو اور پیار و محبت سے ان کی طرف رغبت دلائے اور ذاتی رعب سے (نہ کہ مار پیٹ سے) ان کو اشغال بد سے باز رکھے۔ ان کا روزانہ پروگرام (نظام الاوقات) ایسا بنائے کہ وہ شوق سے اپنے کام میں لگے رہیں۔ ان کو بری صحبت میں جانے کا وقت بھی نہ مل سکے۔ اس کا عمل ہمیشہ "کہ درشتی و نرمی ہمہ در بہ است" کے زرین اصول پر ہو۔ کام لینے میں سختی کرے۔ عام سلوک مربیانہ نہیں بلکہ مشفقانہ کرے تو طلبا مدرسہ کا شرارتوں سے بالکل باز رہنا نہ صرف ممکن بلکہ ضروری ہے شرارت اور زندہ دلی اور مذاق اور مذاح میں جو مدارج تفریق ہیں ان کو ہر ایک مدرس اگر ذہن نشین کرلے۔ اور مناسب اوقات میں بچوں کو جائز زندہ دلی سے بجا طور پر مسرت اندوز ہونے کا موقع دے۔ اور جہاں سلامت روی کے دائرہ سے بتقاضائے سن تجاوز کریں اسمیں دانائی سے دخل انداز ہو۔ تو بہترین نتائج پیدا ہو سکتے ہیں۔

سیر مقامات

(از)

مولوی محمد عبدالسلام صاحب معتمد صدر انجمن اساتذہ گلبرگہ شریف

اکثر مضامین و تحریکات کی عمر زبان یا کاغذ تک محدود رہتی ہے اور دائرہ عمل میں آنے نہیں پاتی۔ لیکن بعض تحریکات و مضامین بہت جلد عملی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ تحریک سیر مقامات دوسری قسم میں شامل ہے۔

مضمون زیر تحریر سے یہ مقصود نہیں ہے کہ سیر مقامات کی مکمل تحریک لکھدی جائے یا آیندہ طرز عمل کا خاکہ پیش کیا جائے۔ بلکہ دس گیارہ سال کے عرصہ میں میرے کان، آنکھ، ہاتھ، پاؤں نے اس تحریک کے متعلق اپنی حد تک جن باتوں اور کاموں کو سنا دیکھا اور کیا ہے وہ سب ناظرین کے روبرو پیش کرنے کی جرأت کروں۔

نواب مسعود جنگ بہادر نے دس گیارہ سال پہلے جب کہ وہ نظامت تعلیمات کی اہم خدمت پر نئے نئے مامور ہوئے تھے قدیم دار العلوم علیا (کالج) کی قدیم علمی انجمن ثمرۃ الادب کے سالانہ جلسہ میں اراکین انجمن کو تین عملی کاموں کی جانب توجہ دلائی تھی جس میں سے ایک بات تو مجھے ٹھیک یاد نہیں دوسری پیز علمی رسالہ کی اشاعت اور تیسری سیر مقامات۔

اسی تحریک کا اثر تھا کہ حیدرآباد "سیر مقامات" کے نام سے عام طور پر واقف ہوا۔ اور راقم مضمون کی تحریک و تجویز پر دار العلوم علیا (کالج) کی ایک بڑی جماعت نے دار الضرب مع ملحقات کا معائنہ مسٹر گیا ملن ناظم دار الضرب کی عنایت سے کیا۔ اسی کے ساتھ انجمن طلبہ قدیم دار العلوم نے ایک کثیر جماعت کو

رصدگاہ نظامیہ حیدرآباد دکن واقع بیگم پیٹ [illegible] دوربین کے ذریعہ سے تمام رات چاند اور سیاروں کا دلچسپ و پُرلطف معائنہ کرایا مہمانوں کی سیانت انجمن نے اپنے ذاتی سرمایہ سے کی ناظرین میں اس معائنہ سے بڑی چہل پہل اور خوشی و مسرت رہی۔ ناظرین میں مولوی محمد عظمت اللہ خاں صاحب مرحوم (شریک مدیر المعلم) کی شرکت بھی یاد آتی ہے۔ اس کے پندرہ دن بعد ہی نواب محسن الملک مرحوم کی کوٹھی میں ذریعہ سینما نظام شمسی وغیرہ کے سلائڈز (تصاویر) بتا کر انجمن نے اپنے سرمایہ میں ٹکٹوں کی آمدنی سے ایک وافر رقم مہیا کی۔

اس وقت ناظم رصدگاہ مسٹر چٹ وڈ تھے وہ اور ان کے مددگار صاحب نے اس کام میں مخلصانہ مدد دی۔ ان چند معائنوں کے بعد دارالعلوم بصورت کلیہ جامعہ عثمانیہ بدل گیا۔ ثمرۃ الادب ٹوٹ گئی اور انجمن طلبہ قدیم دارالعلوم بے جان ہوگئی راقم مضمون کا بترقی بلدہ سے گلبرگہ میں تبادلہ ہوگیا ان سب چیزوں نے بلدہ میں اس سلسلہ کو آگے بڑھنے نہ دیا اور بند کرادیا۔

۱۳۲۹ف میں موجودالوقت مولوی محمد فیروز الدین خاں صاحب بی اے صدر مہتمم تعلیمات گلبرگہ نے سیر مقامات کے متعلق مدارس ثانویہ کو ذریعہ گشتی توجہ دلائی بنا برآں مدارس وسطانیہ یادگیر تلجاپور عثمان آباد فوقانیہ گلبرگہ وسطانیہ کوہیر شاہ پور شورا پور نیلنگہ گرمٹکال لاتور نے اس گشتی کی بنا پر صرف ایک سال عملی کام کیا اور ان کے معائنہ کی دلچسپ و دلخوش کن تفصیلی روئیداد ذریعہ مراسلات دفتر صدر مہتمی تعلیمات گلبرگہ آئی رہی اور اب تک دفتر موصوف میں بہ مثل محفوظ اور ایک اچھے مضمون کی حامل ہے بشرط موقع کسی آیندہ موقع پر ان کا اقتباس کیا جائے گا۔ مدرسہ وسطانیہ لنگسگور نے اس وقت یہ عذر کیا تھا کہ سیر مقامات کیلئے آثار قدیمہ کی عمارتیں دور دراز فاصلہ پر واقع ہیں۔ سیر مقامات صرف آثار قدیمہ پر منحصر نہیں ہے بلکہ زراعتی صنعتی اور حرفتی کاموں کا معائنہ بھی اس کے

ذیل میں شامل ہے۔ اس وقت مقامی مدرسۂ فوقانیہ گلبرگہ کے لئے راقم الحروف نے بحیثیت سررشتہ دار ایک شش ماہی پروگرام سیر مقامات مرتب کرکے روانہ کیا تھا۔ اس پر بہ مشکل بہت محدود پیمانہ پر عمل ہوا۔

انجمن اصلاح مسلمانان گلبرگہ نے بھی ۱۳۴۱ف سے سلاطین بہمنیہ کے تاریخی سوانح کا سلسلہ شروع کیا۔ دو سال کی مدت میں سات شاہان بہمنی کے حالات بیان کئے گئے اور ان بادشاہوں گنبدوں کی زیارت و سیر کرائی جو گلبرگہ میں ہفت گنبد کے نام سے موسوم یا قلعہ گلبرگہ کے جنوبی مغربی جانب واقع ہیں۔ ان جلسوں میں سے ایک جلسہ کی صدارت کے لئے محمد ہارون خاں صاحب بی۔ اے (آکسن) پروفیسر کلیہ جامعہ عثمانیہ گلبرگہ آئے تھے۔ اور ایک جلسہ زیر صدارت سید علی اصغر صاحب بلگرامی منصرم مناظم آثار قدیمہ منعقد ہوا تھا۔

اس کے بعد اسی طرح صدر انجمن اساتذہ صوبہ گلبرگہ نے دو سلاطین بہمنیہ اور ایک وزیر سلاطین بہمنیہ سیف الدین غوری کا جلسہ اور اس کے قبر کی زیارت کی۔ ایک جلسہ زیر صدارت نواب صدر یار جنگ بہادر صدر الصدور سرکار عالی منعقد ہوا تھا۔

بہمن ۱۳۴۵ف میں حیدرآباد ایجوکیشنل کانفرنس نے بہ تحریک مولوی سید محمد مہدی صاحب مددگار ناظم انجمن ہائے اتحاد باہمی (حال معتمد باب حکومت) و بتائید مولوی مرزا محمد بیگ صاحب اسپیشل افسر معاوضہ اراضی۔ و مولوی ہارون خاں صاحب شروانی۔ بی۔ اے حسب ذیل تحریک باتفاق آرا منظور کی۔

"اس کانفرنس کی رائے میں اس امر کا انتظام مناسب ہے کہ زمانہ تعطیلات مدارس میں مدرسوں کی معیت میں خواہان طلبار کو موقع دیا جائے کہ وہ آثار قدیمہ کارخانوں، معاون عدالت ہائے سرکاری نادر عمارات سیر گاہوں اور مناظر قدرت وغیرہ کا معائنہ اور شہروں کی سیر کریں۔ جس کے ضمن میں استاد کے لکچر یا مکالمہ وغیرہ کے ذریعہ سے طلبار کے معلومات وسیع ہوسکیں" حافظ محمد مظہر صاحب نے کانفرنس کے آٹھویں اجلاس منعقدہ آغاز ۱۳۴۷ف میں بھی

بضمن تحریکات گزشتہ اس تحریک پر مزید توجہ دلائی۔

اس کے بعد امرداد ۱۳۳۵ف میں صدر انجمن اساتذہ صوبہ گلبرگہ نے تیسرے اجلاس منعقدہ رائچور میں سیر مقامات کی نہ صرف تحریک کی بلکہ حاضرین کو تین دنوں میں قلعہ رائچور کی سیر کرائی گئی۔ تحریک کے ضمن میں یہ بھی کہا گیا کہ مستقر گلبرگہ کے مدرسین کے روبرو محبوب گلشن گلبرگہ میں اور تمام مدارس مستقر کے طلباء کے روبرو قلعہ گلبرگہ میں چربہ کشی کا کام کیا گیا۔ اور قلعہ کی سیر کرائی گئی موخرالذکر میں انجمن بزم ادب حیدرآباد کے ایک نمایندہ بھی آئے تھے سیر مقامات کی ضمن میں مدرسۂ فوقانیہ عثمانیہ گلبرگہ کی ایک مختصر جماعت مسلسل کئی دن تک گران قدر ان تھک محنت کے کتبات کے چربہ لئے اور (۳۵) چربوں کا بڑا البم پیشگاہ خسروی خلد اللہ تعالیٰ ملکہم میں نذر گزرانے کا شرف حاصل ہوا

اس کے ساتھ ہی صدر انجمن اساتذہ حیدرآباد کے پہلے سالانہ جلسہ میں مولوی احمد حسین خاں صاحب صدر دارالعلوم بلدہ نے بزبان انگریزی سیر مقامات پر ایک تحریر پڑھی اس کا اردو ترجمہ روئیداد سالانہ انجمن مذکور میں شائع ہو چکا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مدارس بندہ کے لئے سیر مقامات کی وہ ایک تفصیلی اسکیم ہے اور اس پر عمل دشوار نہیں ہے۔

بزم تاریخ عثمانیہ کالج حیدرآباد نے بھی ۱۳۳۵ف سے اپنے مقاصد میں یہ مقصد بھی شامل کر رکھا ہے کہ "اراکین کے لئے مختلف تاریخی مقامات کے معائنہ و مطالعہ کے لئے انتظام کرنا" مگر شاید اس کی وسعت قلعہ گولکنڈہ سے آگے نہ بڑھی۔ ورنگل یا گلبرگہ کے معائنہ کی اسکیم کئی سال سے اس بزم کے زیر غور ہے۔

۱۳۳۵ف کی کانفرنس تعلیمی منعقدہ رائچور کے عملی نتائج سے ظاہر ہے کہ مدرسہ تحتانیہ کاٹی ضلع عثمان آباد نے وہاں کی مسجد کا معائنہ کیا جس کے پتھروں کے جوڑ دھات سے پیوست کئے گئے ہیں۔ مدرسہ وسطانیہ۔ گرمٹکال ضلع گلبرگہ نے "آبشار" کی سیر کی مدرسہ تحتانیہ سالکنڈہ ضلع رائچور نے دنیا کے میٹھ کا غار دیکھا۔ مدرسہ تحتانیہ نلدرگ ضلع عثمان آباد نے۔ مستقر کے

قلعہ کے علاوہ عثمان آباد تلجاپور کا معائنہ کیا۔ مدرسہ وسطانیہ شوراپور ضلع گلبرگہ نے دریائے کرشنا کے سوائے مقامات سگر و واگن گیرہ کو دیکھا۔ مدرسہ تحتانیہ اندورہ ضلع عثمان آباد نے نلدرگ کی سیر کی مدرسہ وسطانیہ شاہ پور ضلع گلبرگہ نے واگن گیرہ کو دیکھا مدرسہ فوقانیہ مستقر بیدر نے بھی سیر مقامات کی۔ مدرسہ تحتانیہ کلور ضلع رائچور نے لکھا ہے کہ وہاں پہاڑوں کے سوائے کچھ نہیں ہے مگر یہ بھی سیر مقامات کے ضمن میں ضرور آتا ہے۔

علی گڑھ کالج کے طلبا بھی حصول چندہ کے لئے دکن آتے ہیں تو وہ بھی ضمناً مقامات کی سیر کرتے ہیں۔ اس کی تفصیل کے لئے میرے پاس کوئی یادداشت نہیں ہے۔ دکن میں عام طور پر بھی سیر مقامات و زیارات کا رواج ہے مگر اس کا تذکرہ اس عنوان کے تحت نہیں لایا جا سکا۔

دس سالہ تذکرہ سیر مقامات کے بعد کسی مزید ترغیب و تحریص سیر مقامات کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی علمی آدمی کے لئے یہ اشارات کافی سے زیادہ ہیں۔ اور جو شخص کچھ تکرنا چاہئے اس کو اس سے دس گونہ تحریر بھی حاصل ہے۔

تاریخ کی تعلیم دینے کا مقصد اور طریقہ

المعلم کے دفتر میں یہ مضمون وصول ہوا ہے۔ صاحب مضمون اپنا نام ظاہر کرنا پسند نہیں کرتے مضمون اس قابل ہے کہ صفحات المعلم میں ناظرین کے معلومات کے لئے اس کی اشاعت کی جائے اس لئے اس کو شائع کیا جاتا ہے۔

(المعلم)

(۱) تعلیم کا اصلی مقصد اخلاق کا سکھانا ہے بمقابلہ دیگر مضامین تاریخ ایک بہتر طریقے اخلاق کے صحیح اصول کی تعلیم دیتی ہے۔ یہ نصب العین دوسروں کے طرز و طریق پر جن سے ہم روزانہ نہیں، ملتے جلتے اور جن سے ہمیں کسی قسم کی ذاتی خصومت نہیں ہوتی بے تعصبانہ رائے قائم کرنے سے پیدا ہوتا ہے۔ کوئی دوسرا مضمون اس خوبی سے طالبعلم کے دل پر نیکی کے خوش انجام اور بدی کی سخت سزاؤں کا نقش پیش نظر نہیں کر سکتا۔

(۲) تاریخ مختلف طبائع کے انسانوں کے حالات پیش کر کے طالبعلم کے زندگی کے معلومات کو نہایت وسیع کرتی ہے۔ ہم کو ذاتی معلومات سے دوسروں کے حالات معلوم کرنے کے مواقع بہت محدود ہیں۔ بعض بعض ایسے طبائع کے آدمی ہوتے ہیں اور بعض ایسے رہنمائے قوم ہیں جن سے ہمیں ذاتی تعارف کی توقع نہیں ہو سکتی صفحہ ہستی پر کئی ایسی بزرگ ہستیاں ہیں جن کے دل و دماغ روشن اور جن کے کارنامے مشہور ہیں جن کی اولوالعزمی اور جن کی سوانح و جن کی تقاریر اور جن کے طرز عمل کے متعلق ہم صرف مطالعہ سے ہی معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔ تاریخ کے صفحوں کو الٹتے ہوئے غریب سے غریب طالبعلم دنیا میں شریف ترین آدمیوں کے حالات

(۳) تاریخ طالبعلم کی توجہ کو یکجا اور قوت تخیل کو نشو و نما کرتی ہے۔ وہ کسی قوم کی زندگی میں بزرگ ہستیوں کے حالات اور ضروری واقعات سے واقف کراتی ہے۔ تمام طالب علم قصہ خوانی کے خواہشمند ہوتے ہیں اور ان کے سننے سے کبھی نہیں تھکتے۔ اگر طلبا کو کہانیاں دلچسپ اور دل نشین طریقہ سے بیان کی جائیں تو طالب علم نہ صرف توجہ ہی سے سنتے ہیں بلکہ مبتینہ واقعات اور اشخاص کی تصویر اپنے دل میں کھینچتے ہیں۔

(۴) تاریخ طالبعلم کی قوت حافظہ کو ان طریقوں سے نشو و نما کرتی ہے۔ ایک قابل یادگار واقعہ کے متعلق متعدد مماثل واقعات کے یاد دلانے سے کہانیوں کو سن کر یاد رکھنے اور دہرانے سے اُن مقامات کے معائنہ سے جہاں وہ واقعات ہوئے ہیں اور ان چیزوں کی تصویر اتارنے اور شکلیں بنانے سے جو اُس کہانی سے متعلق ہیں۔

(۵) تاریخ طالبعلم کی قوت استدلال کی نہایت خوبی سے شق کراتی ہے۔ جب کہ وہ واقعات کے نتائج اور نتائج سے واقعات مستنبط کرتا ہے۔ جب کہ اس کو واقعات کے صحیح یا غیر صحیح ہونے کے متعلق وجوہات بتلائے جاتے ہیں۔ اور جب کہ وہ کسی قوم کی معاشرتی و سوسیل ترقی کی تاریخ یعنے ان کے رسم و رواج اُن کی انسٹیٹیوشن اُن کے ذرائع آمد و رفت اُن کے زمانہ کے اوزار وغیرہ کا مطالعہ کرتا ہے۔

(۶) تاریخ اُن کو حقیقی مدنیت کی تعلیم دیتی ہے۔ غیر ممالک کے فتوحات کے وجوہات دریافت کرنے میں اُن کو معلوم ہوتا ہے کہ ملک کے لئے ایک زبردست حکومت کی ضرورت ہے ملک کے اداروں کے حالات کا مطالعہ ان کو مدنیت کے لئے آمادہ کرتا ہے ان کے دل میں یہ احساس ہوتا ہے کہ ملک کی انسٹیٹیوشن اور قوانین ان کے مفاد کے لئے ہی ہیں۔ اُن کو معلوم ہوتا ہے کہ امن کے بغیر سرسبزی، زبردست حکومت کے بغیر امن، اور وفادار باشندوں کے بغیر کوئی زبردست حکومت قائم نہیں رہ سکتی۔ وہ دوسروں کے حقوق کو پہچانتا اور اپنے حقوق کو سیکھتا ہے اور ان کو کام میں لانے کا طریقہ جانتا ہے۔

(۷) سب سے زیادہ اہم غرض یہ ہے کہ تاریخ ان کو حب الوطنی کی تعلیم دیتی ہے۔ تاریخ بڑے طلباء کے دل پر گزشتہ زمانہ کے احسانات اور اُن کے آیندہ کے فرائض منقوش کرتی ہے اپنے آباو اجداد کے کارناموں کو جس عزت کی نگاہ سے وہ دیکھتا ہے وہی ان کو حب الوطنی کی تعلیم دیتی ہے اور ان کے دل میں ملک کے لئے کوئی نمایاں کام کرنے کی خواہش پیدا کرتی ہے

پس اگر تاریخ ایک ایسا اہم مضمون ہے تو معلم تاریخ کی غرض وغایت کیا ہونی چاہیئے

(ا) اولاً ان کو طالب علم کی قوت دماغی کو بڑھانے کی کوشش کرنی چاہیئے

(ب) انہی قوی کی امداد سے اُن کو موجودہ زمانہ کے مذہبی۔ اخلاقی۔ سیاسی۔ مدنی۔ اور معاشرتی حالات سے واقف کرایا جائے۔

(ج) آخرکار ان معلومات اور طالب علم کی قوت حافظہ کی امداد سے مدنی فرائض کا احساس اور حب الوطنی کے خیالات ان کے دل میں پیدا کرائے جائیں۔

بس تاریخ کے معلم کے لئے تین سوالات حل طلب ہیں۔

(ا) معلم تاریخ کے کام کا دائرہ۔

(۲) وہ منازل جس میں اُن کے کام کو تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(۳) وہ طریقے جس کو انہیں تعلیم دیتے وقت کام میں لانا چاہیئے۔

معلم تاریخ کیا تعلیم دے طالب علم کو اپنے اقربا و رشتہ داروں کے واقعات معلوم کرنے میں بیحد دلچسپی ہوتی ہے اس لئے اُن کو اپنے ملک کے حالات سے پوری طور پر واقف کرانا چاہیئے۔ غیر اقوام کی تاریخ کے بہ نسبت اپنے قوم کی تاریخ بہت زیادہ دلچسپ ہوتی ہے۔ بجز اس صورت کے جب کہ ملک یا قوم کی تاریخ دوسری تاریخوں سے متاثر ہو مثلاً چھٹی صدی ق۔م۔ میں ملک فارس کی ترقی وعظمت کے اسباب کے متعلق معلومات۔ چوتھی صدی ق۔م مقدونیہ کی سلطنت کا عروج۔ آٹھویں صدی میں خلفاء کی حکومت کے حالات۔ تیرھویں صدی سے سولھویں صدی تک مغلوں کی حکومت۔ اٹھارھویں صدی میں وسطی ایشیا کی

تاریخ جس کی وجہ سے انگریزوں کو ہندوستان کے قیام سلطنت میں سہولت ہوئی۔ امریکہ کا پتہ کرسٹوفر کولمبس امید تک پہنچنا۔ کوئلہ اور بارود کے استعمال کا اختراع۔ یہ سب تاریخ ہند کے سمجھنے میں مدد دیتے ہیں مقصد یہ ہونا چاہئے کہ طالبعلم اپنے ملک کی تاریخ کے ضروری واقعات اور دوسرے ملک کی تاریخ سے وہ واقعات جو اپنے ملک کی تاریخ اور دنیا کی تاریخ کو متاثر کئے ہوں مفصل اور مسلسل معلومات رکھے۔ طالبعلم نہ صرف یہ معلوم کریں کہ چنگیز خاں و تیمور لنگ کے تحت مغلوں نے ہندوستان پر ہی کیا غضب ڈھایا بلکہ یہ بھی جان لیں کہ انہوں نے ایشیائے کوچک اور افریقہ میں کونسی کونسی جنگ کی۔

(ف) تاریخ کی تعلیم کے لئے وقت تو بہت تھوڑا دیا جاتا ہے اور تاریخ کا قیام کا دائرہ بہت وسیع ہے اس ذخیرہ میں ہم کو انتخابات کرنا چاہئے بلحاظ وقت مضامین تقسیم کرنا چاہئے پس ہم کو ضروری واقعات کا انتخاب کرنا اور غیر ضروری واقعات کو ترک کر دینا چاہئے مثلاً مرہٹوں کے مہموں کے تذکرے ہیں۔ محمود کے مختلف حملوں کے واقعات چھوڑ دیئے جا سکتے ہیں۔ لیکن تمام طلباء کو ان واقعات کی اہمیت دل نشین کرانی چاہئے کہ (۱) غزنی کے حملوں کے اختتام پر ہندوستان کا ایک حصہ ان کے قبضہ میں آگیا اور ہندوستان اس کے بعد دوسروں کے حملوں کی تاب مقاومت نہیں رکھتا تھا۔ (۲) ایک مرکزی صدر حکومت کی عدم موجودگی اور ہندوستان میں اتفاق کا نہ ہونا غیر ممالک کے فاتحین کو حملہ کرنے کی ہمت دلائے اور سلطنت افغان کے قیام میں امداد کئے من بعد ان وجوہات کا مقابلہ کرتے ہوئے جو سلطنت انگریزی اور سلطنت مغلیہ کے قیام کے باعث ہوئے یہ بتلایا جائے کہ ہندوستان کے لئے محفوظ حدود اور ساحل کی ضرورت ہے، و نیز حکام و محکوم کے درمیان اتفاق و ربط و ضبط۔

نصاب میں مقامی تاریخ کا تعین ضروری ہے یورپ میں مقامی تاریخ کی تعلیم کا رواج بہت بڑھتا جا رہا ہے۔ مقامی تاریخ کی تعلیم کا مقصد تعلیم تاریخ کو زیادہ دلچسپ صاف اور واضح کرتا ہے۔ مقامی تاریخ کی تعلیم ایک علیحدہ مضمون کی طرح نہیں ہونی چاہئے۔ بلکہ قومی تاریخ

سمجھانے میں اس سے مدد لینا چاہیئے۔ تاریخ کی تعلیم میں مذہبیت کی تعلیم بھی شامل ہے۔

۲ منزلیں۔

تعلیم دینے کے لئے مواد جمع کرنے کے بعد اس کو اس طرح ترتیب دیا جائے۔ کہ مضمون کی وحدت کا لحاظ کرتے ہوئے طلباء کی استعداد کے موزوں ہو۔

منزل اوّل | جن پری کے قصے (FAIRY TAILS) اس کی افتتاح ۸ یا ۹ برس کے طالبعلم سے ہونی چاہیئے اور ان کو مختلف اقوام کے ادبیات کی کہانیاں انتخاب کر کے بیان کرنا مناسب ہے۔ سال اول یہ کہانیاں بالکل سیدھی سادی ہونی چاہیئے۔ اور سال دوم کا کورس بنا دقت مضمون و زبان طلباء کے نشو و نما کا خیال کرتے ہوئے تدریجاً مشکل ہونا چاہیئے۔ طلباء ان قصوں کو متعدد دفعہ دہرائیں اور بیان کریں۔ قصہ خوانی مادری زبان میں ہونی چاہیئے۔ تصاویر اور تختۂ سیاہ کے خاکے زیادہ تر استعمال کرنا چاہیئے۔ تاریخی واقعات تک ہی قصہ خوانی کو محدود نہ کیا جائے بلکہ جن پریوں کے قصے وغیرہ بھی کہے جا سکتے ہیں سچ پوچھئے تو تعلیم تاریخ کی ابتدا جن پری کے قصے سے ہی ہوتی ہے کیونکہ اُن سے قوت تخیل کی اچھی مشق ہوتی ہے اور توجہ قائم رہتی ہے ساتھ ہی ساتھ جو باتیں اچھی پسندیدہ بہادرانہ ہوں ان کی شناخت کا مادہ پیدا ہوتا ہے۔ اس منزل پر ہمارا مقصد طلباء میں ایسی باتوں کے متعلق دلچسپی پیدا کرنا ہے۔ جو بلحاظ وقت و زمانہ اُن سے بہت دور ہو جاتے ہیں۔ اس وقت ہم کو ایسے الفاظ مثلاً "بہت دن گزرے" یا ایک زمانہ پیشتر یہ واقع ہوا" استعمال کرنا کافی ہے۔

بچے فطرتاً ہیرو پرست ہوتے ہیں۔ پس ہم کو ایسے قصے انتخاب کرنا چاہیئے جو ان کی قوت احساس اور قوت تخیل کو مشتعل کریں یہ قصے تخصی اور احساسی ہوں اور ان میں اُن کے کارہائے نمایاں کا تذکرہ زیادہ ہو تاکہ ان میں دلچسپی پیدا ہو۔ جب ان کے احساسات اور قوت تخیل نشو و نما پاتے ہیں اور بچہ کو گزشتہ کے واقعات میں دلچسپی پیدا ہوتی ہے تو ان کے آئندہ ترقی کے لئے بہترین سنگ بنیاد ہے۔ لیکن بڑے طلباء کو تعلیم دیتے وقت بھی تاریخ کے

اس (۱) پہلو کو نظر انداز نہ کرنا چاہئے کیونکہ اس سے نہ صرف مضمون واضح اور حقیقی ہو جاتا ہے بلکہ وہ نظر [illegible] معلومات میں اضافہ کرتا ہے۔

(۲) تیسری کا زمانہ پہلے دو سال اگر سلسل کہانیوں کے سننے میں فی الواقع دلچسپی پیدا کی جائے تو تیسرے اور چوتھے سال تاریخی کہانیاں شروع کر سکتے ہیں جو سلسلہ وار بیان کی جائیں، گو کہ تاریخوں کے بتانے کی ضرورت نہیں، "اتنے سو سال قبل" یا اسی طرح کے مماثل الفاظ استعمال کر کے تاریخ کا خیال پیدا کرایا جا سکتا ہے اس وقت مقصود طالبعلم کو تاریخی اشخاص اور واقعات کے متعلق شوق پیدا کرنا ہے، تاکہ اُن کو تاریخ کے متعلق اور زیادہ معلومات حاصل کرنے کی دلچسپی پیدا ہو۔ اس قسم کا شوق پیدا ہونا زیادہ تر اس پر منحصر ہے کہ وہ ان کہانیوں میں اس وقت کس قدر دلچسپی لیتا ہے تعلیم اس زمانہ میں بھی زبانی ہی دی جائے، دوران درس میں موزوں طور پر بیان کرنے کا موقع دیا جائے طرز تعلیم ابھی سوانح عمری کی طرح ہی رہے کیوں کہ تاریخ میں سب سے پہلے اشخاص سے ہی بحث ہوتی ہے سچے تاریخی اشخاص اور ان کے کارنامے انتخاب کئے جائیں ممکن ہے کہ ایک کہانی کے کل واقعات صحیح نہ ہوں لیکن وہ زمانہ کے حالات اور طبائع کی صحیح تصویر ہوں تاکہ آئندہ تعلیم تاریخ کے لئے حقیقی بنیاد ہو اس وقت طلباء کو کتاب نہ دی جائیں تعلیم بالکل زبانی اور عملی ہونی چاہئے کہانیوں کو دہرایا جائے ان کا ڈراما کیا جائے اور ان کو اردو مضمون نگاری کی طور پر لکھایا جائے۔

(۳) درمیانی منزل پانچویں اور چھٹے سال ہفتہ میں تین مرتبہ اس مضمون کی تعلیم دی جائے تاریخ کی حقیقی تعلیم ابھی سے شروع ہوتی ہے واقعات نہ صرف سلسلہ وار بیان کئے جاتے ہیں بلکہ تاریخیں بھی بتلائی جاتی ہیں لیکن تاریخیں واقعات کے ساتھ ساتھ بتلائی جائیں، نہ کہ صرف تاریخوں کا پہاڑہ ان کو یاد کرنے کے لئے دیا جائے، تاکہ واقعات اور تاریخیں دونوں ساتھ ساتھ طلباء کے ذہن نشین ہوں۔ تاریخوں کے ازبر کرنے میں زیادہ زور نہ دیا جائے ہمارا مقصد صرف ان کو وقت سے واقف کرانا ہے

اور یہ صرف تاریخ کے نقشوں سے پورا ہو سکتا ہے۔ اس وقت ملک باہمی تعلق بتلایا جائے مثلاً یہ کہ قدیم زمانہ میں آدمی کا تعلق نیچر سے نہایت سطح۔ آب و ہوا۔ پیداوار۔ کسی خطہ کے حیوانات یہ سب انسان کی زندگی پر مختلف طریقہ سے اثر کرتے ہیں۔ کئی ایک نقشے کھنچوائے جائیں۔ تعلیم ابھی زبانی ہی ہونی چاہئے۔ بعض کتابیں مادری زبان میں سرسری مطالعہ کے طور پر مکان میں پڑھائی جائیں تمام تاریخ ہند پر سرسری نظر دوڑائی جائے۔ بعید کے واقعات بیان کرتے ہوئے قریب کے واقعات بتلائے جائیں کیونکہ طلبار کو سوسائٹی کے ابتدائی زمانہ کے حالات میں بہ نسبت موجودہ زمانہ کی پیچیدہ طرز معاشرت کے زیادہ دلچسپ معلوم ہوتے ہیں۔ کم از کم مہینہ میں ایک دفعہ ان کو نقشہ اور تقاضی مدد سے دہرایا جائے۔ کم از کم تین ماہ میں ایک مرتبہ ایک تحریری امتحان لیا جائے جب کہ طلبار کو یہ بتلانے میں خاص طور پر کوشش کی جائے کہ مختصر اور مفید مطلب جوابات کس طرح لکھنا چاہئے۔

(۴) آخری منزل ساتھویں اور آٹھویں سال تاریخ کو قومی ترقی کے نکتہ نظر سے سکھلایا جائے۔ اور تمام واقعات پوری مناسبت اور تسلسل کے ساتھ بیان کئے جائیں اس وقت طلبا میں سوچنے سمجھنے اور نکتہ چینی کرنے کا مادہ پیدا کیا جائے۔ وجوہات سے نتائج مستنبط کئے جائیں اور نتائج کے وجوہات بتلائے جائیں۔ کسی کے طرز عمل سے ان کی سیرت کا نکتہ بتایا جائے اور کسی کے طرز عمل سے اس کی غرض و غایت معلوم کی جائے۔ سلطنتوں اور خاندانوں کے ترقی اور زوال کے اسباب کا مقابلہ کیا جائے۔ اُن سلطنتوں کی ادبی۔ مذہبی اخلاقی۔ رواجی۔ معاشرتی اور صنعتی ترقی کے حالات دریافت کئے جائیں۔ طرز حکومت انتظام عدالت، و دیگر قوانین سرکاری کی جانب خاص توجہ مبذول کرائی جائے مقابلہ سے تاریخ ہند کے مختلف عہود کی سوشیل و معاشرتی ترقی کے اسباب معلوم کرنے کی کوشش کرائیں غریب و امیر۔ شہری و دہقانی، ان کے کام کاج، ان کے مشاغل، انکی طرز زندگی، ان کے سفر

اس ہم پہلو کو ذہن ۔ طریقے معلوم کریں۔ اپنے ملک کی تاریخ میں عظیم تبدیلیاں اور موجودہ
عام وہ اسی وقت معلوم کر سکیں گے جب کہ ان کو تعلیم تاریخ کے ابتدائی
سالوں میں اچھی بنیاد پڑ چکی ہو۔

۳ طریقے ۔ تاریخی تعلیم جو ہم بچوں کے لئے ضروری خیال کرتے ہیں۔ تین طریقوں سے
دی جا سکتی ہے (۱) استاد کی زبان سے (۲) کتابوں سے (۳) طلبا کی ذاتی کوششوں و
عملی کام سے۔

ان طریقوں میں سب سے ضروری طریقہ زبانی یا کہانی کے طریقے سے تعلیم دینا ہے
مدرسہ کی تمام جماعتوں میں زبانی تعلیم کا طریقہ بہترین ہے۔ ایک اچھے زبانی تاریخ کے
ین ضروری جزو ہیں۔ اولاً واقعات کا بہترین انتخاب۔ دوسرے اُن واقعات کو نہا
مؤثر طریقہ سے سمجھانے کی قابلیت۔ تیسرے زبان پر عبور تاوقتیکہ استاذہ کو تاریخی واقعا
پوری واقفیت نہ ہو وہ جماعت میں اس خوبی سے اسباق کو ترتیب نہ دے سکیں گے کہ
اس کو بغور سنیں اور ان میں دلچسپی پیدا ہو۔ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ معلم ایک ضروری واقعہ
دیرے یاد کر کے اپنے سبق کو دہراتے ہیں اور اس کو کسی درمیانی حصہ میں کہہ دیتا ہے
نہ ہونا چاہیئے استاد میں یہ بھی خوبی ہونی چاہیئے کہ بلحاظ اہمیتِ مضمون وہ اپنی آواز ا
طریقوں کو بدلتا رہے۔ ایسا استاد جو اپنے آپ کو نہ بھول کر ناٹک والے کی طرح سے حرکا
وسکنات نہ کر سکے فی الواقع اچھی کہانی کہنے کی خوبی نہیں رکھتا۔

عملی تعلیم ہماری تعلیم میں یہ نقص ہے کہ ہم طالبعلم کو خود کام کرنے میں حصہ لینے
موقع نہیں دیتے۔ ہم اکثر یہ اصول بھول جاتے ہیں کہ وہی علم زیادہ تر یاد رہ سکتا ہے۔ جو ذا
کوشش سے حاصل کیا جائے۔ وہ کام جو استاد طالبعلم کے لئے کرتا ہے اُس کے تعلیم کی غا
پوری نہیں ہوتی۔ وہ تعلیم تعلیم نہیں ہے جو بچے کو رٹا دی جائے بلکہ وہ تعلیم دوامی اثر پذیر
ہو سکتی ہے، جو طالبعلم خود اپنی ذاتی کوشش سے حاصل کرے۔ ہم اس اصول کو بھی بھول گئے ہیں کہ

تعلیم دینے کا طریقہ ہرگز مکمل نہیں ہو سکتا جب تک کہ تعلیم کسی ی
جدید مسلمہ اصول یعنے ہم عمل کرنے سے اور عمل کرنے کے لئے ہوا سیکھتے
وقت بھی کام میں لانا چاہیئے۔ اس کا عمل مختلف منزلوں میں حسب مرتبہ بدر
ہونا چاہیئے۔ چھوٹی جماعتوں میں زبانی کام کے ساتھ اعادہ کے وقت عملی کام بھی کرایا جائے
تاکہ جو کچھ تعلیم دی گئی ہے وہ اس کو اچھی طرح یاد کر سکیں اونچی جماعتوں میں زبانی سبق کے
اول یا بعد ان کو کتب درسی کے مطالعہ کا موقعہ بھی دیا جائے۔ ہمارا مقصد زبانی تعلیم کے
ساتھ ساتھ بچوں کے عملی کام کو جاری رکھنا ہے کیونکہ ہر دو لازم و ملزوم ہیں۔ بغیر کافی زبانی
تعلیم کے بچے کا علم محدود و جزئی رہتا ہے؛ اور بغیر عملی کام کے وہ تعلیم عارضی بے ترتیب اور
مبہم رہتی ہے۔ کلاس میں عملی کام کرانے سے طلبار کی قابلیت کا اندازہ ہوتا ہے اور معلم کو
یہ معلوم ہوتا ہے کہ طالبعلم کہاں تک سمجھ چکا ہے۔ اور اس کی تعلیم کس حد تک ثمر لائی ہے۔
چھوٹی جماعتوں میں عملی کام حسب ذیل صورتیں اختیار کر سکتا ہے۔

(۱) تاریخی اشیاء کی نقل کرنا خاکے بنانا اور نقشہ آرنا جیسے لباس۔ فرنیچر۔
عمارتیں۔ جنگ کے نقشے۔ وغیرہ۔

(۲) تاریخی واقعات کی ناٹک کرنا۔

(۳) کہانیوں کو دوبارہ کہنا۔

(۴) نسب نامے و نقشۂ ادوار بنانا۔

اونچی جماعتوں میں عملی کام حسب ذیل طریقہ سے کیا جا سکتا ہے۔ چند سال پیشتر طلبار خود
مکان میں سبق پڑھ لیا کرتے تھے اور اسناد سے بیان کرتے تھے۔ لیکن آج کل استاد خود
سبق تیار کرتا ہے اور طلبار کو بیان کرتا ہے۔ اس لئے اب ہم کو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ استاد کی
کامیابی اُن واقعات سے نہیں ہوتی جس کو طالبعلم یاد رکھتا ہے بلکہ ان کو چاہیئے کہ
طلبار کے دل میں تاریخ کا شوق اور تاریخ کے جانب ان کا میلان طبع پیدا کرے ان کے دل میں

پیدا کرائیں اگر استاد کی مدد نہ مل سکے۔ تعلیم تاریخ بھی زبانی ہونی چاہیئے
من ہو استاد طلبار کی علمی تعلیم کا رہنما ہو نہ کہ ان کے معلومات کا ذریعہ۔
صاب ی س ر کا مطالعہ کرنا۔ تاریخی قصے پڑھنا اور اصلی مستند کتابوں کے فقروں کو غور سے
دیکھنا۔ باحثے ہونا۔ اور تحریری جوابات کا لینا یہ سب نہ صرف طلبار کی قابلیت کے آزمانے
اور ان کو جوابات کے لکھنے کی مشق کرانے کے لئے جائیں بلکہ اس خاص وجہ سے بھی کہ ان سے
طالبعلم اپنی ذاتی کوشش سے کام کرنے کا عادی ہو۔

معلم تاریخ واس کے لوازمات نقشہ وقت (۱) چھوٹے طلبار وقت کا صحیح اندازہ نہیں کر سکتے
جب تک کہ طلبا میں وقت کے سمجھنے کی قوت پیدا نہ ہو تاریخیں وہ بالکل سمجھ نہ سکیں گے
ابتدا اس طرح سے کی جائے کہ خود طالبعلم سے اس کی عمر اس کے ساتھیوں و والدین و دادا
پردادا کی عمر دریافت کی جائے۔ اس کے بعد ان کا تعلق قومی واقعات کے ساتھ ملا دیا جائے۔
وقت کے معلوم کرنے کا مفید ترین طریقہ نقشہ وقت ہے۔ اس کے مطابق گزشتہ وقت
ناپا جا سکتا ہے دس سال سو سال اور ہزار سال کا ناپ مقرر کر کے اس کو نہایت سہولت سے
فوراً طلبا کو بتلایا جا سکتا ہے تختہ سیاہ کے بائیں جانب ایک لکیر کھینچی جائے۔ اور اس لکیر کو
چھ انچ کے فاصلہ سے تقسیم کیا جائے اور ہر چھ انچ کا سوال حصہ حسب ضرورت دس یا پچاس
یا سو سال کے مساوی قرار دیا جائے اولاً لکیر ایسی بنائی جائے جس میں وہ واقعات بیان کئے جائیں
جو طالبعلم کی زندگی میں ہوئے ہوں۔ اس کے بعد وقت کی خاص خاص لکیریں تاریخ کے ہر ایک
حصہ کے لئے کھینچی جائیں مثلاً مختلف خاندانِ حکمران یا ہندوستان کا کوئی حصہ۔ بعد ازاں
ایک عام تختہ وقت تاریخ ہند کے ہر ایک زمانہ یعنے عہد ہنود مسلمان و انگریزوں کے لحاظ سے
کھینچا جائے بالآخر ہر ایک عہد کے لئے مخصوص لکیر کا تعلق ایک بڑی لکیر سے بتلایا جائے
جو تمام تاریخ ہند کا زمانہ بتلانے کے لئے کھینچی گئی ہو۔ اس کی ابتدا ۵۰۰ ق م سے ہونی چاہیئے
جہاں سے ہندوستان کی مستند تاریخ کا آغاز ہوتا ہے۔

ایک اور تختہ وقت کھینچا جائے جو ہندوستان اور انگلستان کے اُن و
ظاہر کرے جو ایک دوسرے سے متاثر ہوئے ہوں مثلاً یورپ اور ہندو
جنگوں کو ساتھ ساتھ بتلایا جا سکتا ہے۔ وہ سرخیاں جو اس لکیر کے سیدھے ہاتھ کی طرف
بتلائی جائیں صرف خاص خاص باتیں بتلانے کے لئے مخصوص کر دی جائیں۔ اور اس میں
صرف چند نام اور چند مخصوص الفاظ جو ہمیشہ دہرائے جاتے ہوں لکھے جائیں۔ تاکہ دوسرے
تاریخی واقعات کے لئے یہ نکات مدد دے سکیں۔

تاریخوں کو مفصلاً یاد رکھنا نہ ضروری ہے نہ پسندیدہ۔ چند مشہور تاریخوں سے
طالب علم کو ضرور واقف ہونا چاہئے دائمی نقشۂ اوقات جماعت کی دیواروں پر آویزاں کر دیا جائے
اور جیسا جیسا سبق آگے بڑھتا جائے اس میں اندراجات کئے جائیں۔ یہ نقشہ دہرانے
کے لئے کام دے سکتا ہے۔ اگر وہ دیواروں پر نہیں کھینچے جا سکتے تو وہ تختہ سیاہ پر کھینچے
جائیں مختلف قسم کے واقعات کے لئے مختلف قسم کا رنگ استعمال کرنا زیادہ موثر ہوگا۔

(۲) نقشے ہر ایک کمرۂ جماعت کی دیواریں تاریخی نقشوں سے مزین رہنی چاہئیں اُن کو
معلم تاریخ آتارے اور مقوہ پر چسپاں کرے۔ ان نقشوں کو کئی واقعات سے نہ بھر دیا جائے
لیکن یہ صرف ضروری بادشاہوں اور گورنر جنرلوں کے عہود مملکت بتلائے اور یہ بین طور
واضح کرے کہ کونسے کونسے ممالک فتح یا ملحق کئے گئے تختہ سیاہ پر ہندوستان کے نقشے کا
خاکہ اُتارا جائے اور جوں جوں سبق آگے بڑھتا جائے تو استاد اور کلاس کی متفقہ کوشش سے
نقشہ کی تکمیل کی جائے۔

(۳) بڑی کتابوں سے جنگوں کے بیان کو پڑھکر ان کے نمونے وغیرہ اُتارے جا سکتے ہیں
یہ نقشے گو کہ بالکل صحیح نہ ہوں لیکن ان سے واقعات کی سچائی کا خیال پیدا ہو جاتا ہے۔

(۴) تاریخی اشخاص و تاریخی یادگاروں کی تصاویر ہمیشہ جماعت کے کمروں میں لٹکی رہنی چاہئے
یہ امر زیادہ اہمیت نہیں رکھتا اگر ان تاریخی اشخاص کی تصاویر سچی نہ ہوں۔

ن کے ہے پہنے ہیں۔ رسالہ جات اور کتب سے علم تاریخ منقولات جمع کرے اور کبھی کبھی بڑی
لڑکوں کو پڑھ کر سنائے اور تاریخ کے سبق میں ان کو جو کچھ معلومات حاصل ہوئی ہیں
اس کی امداد سے ان منقولات پر تبصرہ کرنے کا موقع طلبار کو دیا جائے۔

کیانڈا کے تعلیمی حالات

(از)

جناب سید محمد عسکری جعفری صاحب۔

کیانڈا کی سیاحت کے دوران میں جہاں کی تعلیمی حالت کو نظر غائر سے دیکھنے والے کے دل میں یہ خیال خود پیدا ہوتا ہے کہ تعلیم کے برکات اور اس کے مفید خلق اثرات سے اہل کینڈا خوب واقف ہیں۔ اس ملک میں نئے نئے شہروں کی بننے کی حالت کو دیکھا جائے تو یہ نظر آتا ہے کہ چھوٹے چھوٹے پست مکان بڑی سرعت کے ساتھ اور بظاہر بغیر کسی قصد و ارادے کے سبزہ خودرو کی طرح نمودار ہوتے جا رہے ہیں ان ننھے ننھے مکانوں کے درمیان مدارس کی وسیع مستحکم اور خوش نما عمارتیں جو کینڈا کے فن معماری کی بہترین مثالیں ہیں ایستادہ نظر آتی ہیں۔ کالیجز اور یونیورسٹیز کے عمارات ان سے بھی کہیں زیادہ شاندار اور خوبصورت بنے ہوئے ہیں۔ اور بعض مقامات پر جیسے صوبہ ساسکواچوان میں یہ عمارتیں غیر مزروعہ چراگاہوں میں ایسی دکھائی دیتے ہیں کہ گویا زمین سے اگ رہی ہیں۔ البتہ ان مدارس اور دارالعلوم میں تعلیم کس طرح دی جاتی ہے اس کا صحیح اندازہ کرنا آسان نہیں ایک صوبہ سے دوسرے صوبہ کے حالات جدا ہیں مگر اسکاٹش عنصر جو کینڈا کے ہر حصہ میں خصوصاً اس ملک کے مغربی ضلعوں میں اس قدر غالب ہے اپنے اثرات ضرور رکھتا ہوگا۔

انگریزوں کے بالکل برعکس اہل اسکاٹ لینڈ مذہبی اور روایتاً تعلیم کے مفید [illegible] کے قائل ہیں اور تعلیم کے اس قدر عام کرنے میں ان کی کوششیں ضرور شامل ہیں مزاج کی ذہنیت کا پتہ بھی ایسے لوگوں سے چلتا جن کے نزدیک تعلیم کے صرف یہ معنی ہیں کہ لڑکا کو پڑھنا لکھنا آجائے کچھ ابتدائی ریاضی میں دخل ہوجائے اور کافی تجارتی معلومات حاصل ہوجائیں اور یہ بیچارے اپنے اثرات برتے بغیر نہیں رہتے۔

کینیڈا کی قومی زندگی کے ارتقاء میں اور نوآبادیات قائم کرنے والوں کے درمیان تبلیغ علم میں یہاں کے جوامع نے جو کام کیا وہ قابل ہزار آفرین ہے۔ ان جوامع کے سنگ بنیاد ایسے افراد نے رکھے جو اس نوآبادی میں اپنے ملک قدیم کے تعلیمی اداروں کو زندہ کرنا چاہتے تھے

انگلستان میں اٹھارویں صدی میں یہ کیفیت تھی کہ اعلیٰ تعلیم کا پادریوں نے اجارہ لے لیا تھا ۱۸۷۱ء تک بھی کسی مذہب سرکاری سے جدا اصول اختیار کرنے والے کو اس کی اجازت نہ تھی کہ آکسفورڈ اور کیمبرج میں تحصیل علم کرسکے ایسے تعصب کے عادی جب انگلستان سے ترک وطن کرکے کینیڈا میں آئے تو اپنی عصبیت کو بھی ساتھ لیتے آئے اور یہاں بھی مدارس اور دارالعلوم کی ابتدا پادریوں ہی سے ہوئی۔ مگر اطراف وجوانب کے اثرات یہاں مغائر تھے اس لئے یہ رنگ زیادہ دن قائم نہ رہ سکا۔

۱۸۸۸ء میں سب سے پہلے چرچ آف انگلینڈ نے صوبہ نووا اسکاشیا میں کنگس کالج قائم کیا ۱۸۱۸ء میں ضلع ہالیفاکس میں ایک دارالعلوم کی بنا ہوئی جو بتدریج فرقہ پریسبی ٹیرین کے قبضہ میں چلا گیا۔ اس کے جواب میں ۱۸۳۹ء میں باپٹسٹ نے اکاڈیا یونیورسٹی قائم کی۔ اسی طرح ۱۸۵۳ء میں رومن کیتھولین نے رایکاٹ کالج کا سنگ بنیاد رکھا جو بعدہ سینٹ فرانسس زیویر یونیورسٹی میں بدلا گیا۔ اس طرح سے ایک صوبہ میں جس کی آبادی ۸/۱ لاکھ نفوس سے زیادہ نہ تھی پانچ دارالعلوم کھولے گئے اور ہر ایک ان میں کا ایک جداگانہ مذہبی رنگ میں رنگا ہوا تھا جہاں اس سے علیحدہ مذہب رکھنے والے کو تحصیل علم کا

موقع نہیں دیا جاتا تھا۔ اسی طرح ملک کے ہر ہر صوبہ میں مختلف مذاہب کے زیر اثر تعلیمی ادارے قائم ہوتے گئے۔

ایک طرف تو ملک میں فرقہ وارانہ رنگ میں نئے نئے تعلیمی ادارے وجود میں آرہے تھے دوسری طرف اہل کینیڈا کی ذہنیت میں عجیب و غریب تغیرات نمایاں ہوتے جارہے تھے انہیں اپنی قومیت کا احساس ہونے لگا تھا۔ انہوں نے اپنے ملک کو دیکھا کہ شمال سے جنوب اور مغرب سے مشرق تک ایک اقلیم کی شان سے پھیلا ہوا ہے۔ بحر اوقیانوس ایک جانب سے اور بحر الکاہل دوسری طرف سے اس کے اور یورپ و ایشیا کے درمیان حد فاصل ہیں بلکہ بحری شاہراہ بنے ہوئے ہیں ایسے ملک کو اپنے "شرق یعنی یورپ سے تمدن اور مغرب یعنی ایشیا سے دولت و ثروت حاصل کرنے کے بہ کثرت مواقع ہیں انہوں نے محسوس کیا کہ انہیں ایک "قوم" بننا ہے اور اگر منتشر شیرازہ کی "قوم" میں قلب ماہیت ہوتی ہے اور کینیڈینس میں قومیت کا ارتقاء ہونا ہے تو مدارس۔ کالجیز اور یونیورسٹیز کو بھی ایک بھاری بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھانا ہوگا اور ایک بڑی ضرورت کو پورا کرنا ہوگا یہ ادارے اسی وقت اپنے فرائض منصبی کو بخوبی انجام دے سکتے ہیں اور ان مختلف مذاہب اور مختلف قومیت والوں میں جو کینیڈا میں آباد تھے اسی وقت اتحاد و اتفاق کی روح پھونک سکتے ہیں جب کہ اس مقصد کی تحصیل کے لئے ابتدا ہی سے سعی بلیغ کی جائے اور نوجوانان ملک چاہے کسی مذہب کی پیروی کرتے ہوں بہترین تعلیم اور تربیت حاصل کرسکیں۔

جس وقت اہل کینیڈا نے اپنے ملک کی اس جغرافی۔ اقتصادی اور تمدنی اہمیت اور اپنے میں قومیت کے پیدا کرنے کی شدید ضرورت کو ایک خواب گم نامی سے بیدار ہونے والی ہستی کی طرح سمجھا تو ان میں بالڈون اور ولمٹ جیسے علماء و رسیات اور فلاسفر کا ظہور ہونا شروع ہوا ان کا خیال ہوا کہ اس عظیم الشان ارتقاء کے عمل میں لانے کے لئے اس کی شدید ضرورت ہے کہ وہ مختلف المذاہب اور مختلف النسل افراد جو کینیڈا میں آبسے ہیں

آپس میں متحد ہو جائیں۔

ملک میں ڈاکٹروں۔ انجینیروں۔ وکلاء اور اساتذہ کی آئے دن ضرورت بڑھتی جارہی تھی۔ نئے نئے غیر آباد اور غیر مزروعہ جنگلوں۔ پہاڑوں اور برفستانوں کو اہل علم و ہمت آباد کرتے جاتے تھے۔ جابجا تیل۔ سونا اور اس قسم کے معدنیات کے وجود نے مزدور پیشہ افراد اور سرمایہ داروں کی بستیاں اور گھنی آبادیاں قائم کردی تھیں ان تمام مقامات پر اہل فن کی شدید ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ انگلستان میں اس قسم کے اشخاص کی اتنی بہتات نہ تھی کہ ایک ہی مذہب و ملت کے سینکڑوں ڈاکٹر۔ انجینیر۔ وکلاء اور معلمین کی کینیڈا میں درآمد کی جاسکے جس ملک سے جو فن والا ملا لے لیا گیا اور بلا امتیاز مذہب ملت اہل ملک کو ان علوم و فنون کی تعلیم دینے کا انتظام شروع ہوا اور اس کی کوشش کی جانے لگی کہ ایسے مدارس کالجیز اور یونیورسٹیز قائم ہوں کہ جن کا کسی خاص فرقہ و مذہب سے تعلق نہ ہو۔ ابتداءً ان کوششوں میں کچھ زیادہ کامیابی حاصل نہ ہوئی مگر بتدریج ہر حصہ ملک میں مختلف مدارس آپس میں متحد ہو کر متحدہ (UNIVERSITIES.) یونیورسٹیز بنتے گئے۔

اہل کینیڈا کے جس جوش قومی نے وہاں کے مختلف مذہب رکھنے والوں کو آپس میں متحد و متفق کردیا اسی نے ان میں اعلیٰ مدارج تعلیم کے راستے کھول دئے۔ برٹش نارتھ امریکن ایکٹ نے مسئلہ تعلیم کو مرکزی حکومت کے ہاتھ سے نکال کر صوبہ کی حکومت کے حوالہ کردیا اس سے تاریخ کینیڈا میں قومیت کے ایک نئے باب کا اضافہ ہو گیا اب جو امر چاہے حکومت کے زیر اہتمام ہوں یا کسی مخصوص جماعت کے قوم ان کے وجود سے فائدہ اٹھانے اور انہیں اپنی ترقی کا ایک زینہ سمجھنے ہر وقت آمادہ نظر آتی ہے اور اس وقت ہر صوبہ نہایت فراخدلی کے ساتھ تعلیم کے لئے روپیہ خرچ کرنے تیار دکھائی دیتا ہے دلہین ڈالر سالانہ کی اعانت جامعہ ٹرانٹو کو صوبہ کی طرف سے ملتی ہے۔ ۴۰ ہزار ڈالر سالانہ کے مصارف یونیورسٹی البرٹا کے بعض شعبوں کی توسیع کے لئے برداشت کئے جارہے ہیں۔

جامعہ میکجل کے لئے عوام نے لاکھوں ڈالر چندہ دیا۔

جامعہ میکجل وٹرانٹو جامعہ میکجل اور ٹرانٹو کو جو شہرت عام اور بین الاقوامی عزت حاصل ہے اس کے اسباب میں کچھ تو ان یونیورسٹیز کے بڑے بڑے کتب خانے۔ عجائب خانہ دار التجربے لیبارٹریز اور کالجز ہیں اور کچھ ان صوبوں کا جغرافی مقام ہے مگر بہت بڑا سبب یہ ہے کہ یہاں کے طلبا کی ریاضتوں اور اساتذہ کی جد وجہد نے ان مقامات کو لندن اور ہائی ڈل برگ کی طرح سائنس اور طب کے لئے دنیا تمام میں مصدر علم و کمال بنا رکھا ہے۔ یہ بات انہیں کچھ آج نہیں حاصل ہوئی بلکہ اب سے بہت پہلے جب کہ ابھی کینیڈا میں "قوم" بھی نہیں بنی تھی اس ملک کے صاحب کمالوں کو بین الاقوامی شہرت حاصل ہونے لگی اور یورپ نے یہاں کے آسلر۔ ڈاسن۔ اسمت جیسے سائنسٹ کو اپنے مشاہیر کے صفوف میں جگہ دی۔

فی زمانہ کینیڈا کے مدارس اور یونیورسٹیز میں طلبا کی تعداد یہاں کی آبادی کا لحاظ کرتے بہت زیادہ ہے یہ تناسب کل آبادی اور تعداد طلبا کے درمیان دنیا کی اور قوموں میں کم نظر آئے گا۔ سنہ ۱۹۰۱ء ان کی تعداد دس ہزار تھی اور ابتدا ۱۹۲۷ء کی مردم شماری میں یہ اعداد ۴۰ ہزار تک پہونچ گئی۔

جامعہ البرٹا جامعہ البرٹا کا خصوصیت سے اس لئے ذکر کرنا ضروری ہے کہ اس کی تعلیم گاہ نے اپنے ہاں کے طرز تعلیم کو نئے نئے اصول پر ڈھالکر دنیا تمام کے درس گاہوں کو سبق دیا ہے یہاں کے مدارس میں شب و روز کی تعلیم کا انتظام ہی نہیں بلکہ فلم اور وائرلیس کے ذریعہ دور دراز مقامات۔ گھنے جنگلوں۔ بلند پہاڑوں اور عمیق وادیوں میں نو آبادیاں قائم کرنے والوں کے لئے لکچرس سننے اور تجربات کے مشاہدہ کرنے کا انتظام کیا ہے جو لکچرس کہ طالب علم مدرسہ میں سنتے ہیں ان سے کسان اپنی جھونپڑیوں میں رہتے ہوئے اپنے وگسوام میں اور کان کھودنے والے کانوں میں مستفید ہوتے ہیں۔

ان مدارس اور کالجز کے حقوق جو اہل کینیڈا پر ہیں [illegible] یہ ادا [illegible]

اس ملک کی روح ارتقا ہیں یہاں ہی سے وہ صاحب کمال اٹھے جنہوں نے اہل ملک میں قومیت کا جوش پھیلایا اور ایک نئے اصول پر قوم سازی کی داغ بیل ڈالی جو نہ ناشنالزم ہے نہ امپیریالزم ہے اور نہ سوشیالزم ہے اس میں نہ کسی خاص مذہب کو دخل ہے نہ کسی ایک مخصوص نسل کو۔ کیونکہ یہاں جتنے مختلف قومیں اور نسلیں آباد ہیں اس کی نظیر کم ملکوں میں ملے گی اور انہیں متحد و متفق کرکے ایک قوم بنایا گیا ہے۔ اہل کینیڈا اس وقت ایک قوم ہیں مگر اس طرح نہیں جیسے کہ اہل انگلستان۔ اہل جاپان اور اہل جرمنی بلکہ یہ قومیت اپنی نوعیت کا لحاظ کرتے ہوئے ایک عجیب شئے ہے۔ اس ملک میں غیر ملک سے آبسنے والوں نے اپنے قدیم ملکوں اور قدیم تاریخوں کو بھلا دیا اور اس ہی کو اپنا ملک سمجھ کر اس کے فلاح و بہبود کو پیش نظر رکھا اور متحد ہو گئے۔

ابتدائی و ثانوی تعلیم | یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ یہاں کے طرز تعلیم میں کسی قسم کا عیب نہیں بلکہ اس طرز میں کمزوریاں اور نقائص موجود ہیں۔ چنانچہ یہاں کی ابتدائی اور وسطانی تعلیم از حد اسٹنڈرڈائزڈ (محدود) ہوتی جارہی اور اس میں تغیر تبدل۔ آزمائش اور تحصیل کی ذرا بھی گنجائش نہیں اور عوام کا رجحان طبیعت یہ معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم کو تدریس کے ہم معنی سمجھیں۔ اکثر علماء در سیات کو اس کی شکایت ہے کہ کینیڈا کے مغربی علاقوں میں خانگی مدارس نہیں ہیں اور ان کے بغیر طریق تعلیم میں آزادی کے ساتھ تغیر تبدل اور نئے طرز کے آزمائش کے راستے بند نظر آتے ہیں۔ جہاں تک دیکھا گیا ہے یہاں کے مدارس یورپ اور ممالک متحدہ امریکہ کے مقابل میں صناعی اور موسیقی کی طرف کم توجہ کی جاتی ہے اور بہت ہی شاذ اس کی کوشش ہوتی ہے کہ طالب علموں میں کمال پرستی اور ذوقیات (AESTHETICS) و ادبیات سے دلچسپی پیدا ہو۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ جو کچھ تعلیم بچوں کو دی جارہی ہے اچھی ہے۔ اکثر سیاحوں نے محسوس کیا ہے کہ یہاں کے حمال۔ گاڑی بان موٹر ران اور اس قسم کے دوسرے مزدور پیشہ اشخاص تک نہایت شستہ زبان میں گفتگو

کرتے ہیں۔ ممکن ہے کہ اس کا سبب ان کی دو زبانی ہو انہوں نے انگریزی زبان کو نہایت ہی حزم و احتیاط کے ساتھ پردیسی زبان سمجھ کر سیکھا اور بولتے بھی کتابی زبان ہیں جو ہر قسم کے عامیانہ اور بازاری محاوروں سے پاک وصاف ہے مگر دیکھا گیا کہ شستہ اور مہذب طرز گفتگو کا رنگ بچپن سے ہی اختیار کیا جاتا ہے اور یہ یہاں کے بچوں کی عادت مستمرہ ہے چاہے انگریزی بولنے والے ماں باپ کی اولاد ہوں یا کوئی اور زبان کہنے والے۔

انگلستان کی تعلیمی دنیا میں جو جو تغیرات ہوئے یا نئے نئے اصول بنے وہ اپنا اثر یہاں بھی ڈالے بغیر نہ رہے کیونکہ کینیڈا والے بڑے غور اور بڑی دلچسپی سے وہاں کی تعلیمی پالیسی کا مطالعہ کرتے رہے ہیں

کینیڈا میں بچوں کی کثیر تعداد مدارس ابتدائی میں کامیابی حاصل کر کے مدارس وسطانی کی شرکت کرتی ہے۔ مگر یہ امر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ یہاں وسطانی تعلیم بالکل مفت ہے علاوہ ازیں ملک میں مثل ایشیا اور یورپ کے ننھے مزدوروں کی مانگ نہیں اور آج کل آسٹریلیا کی طرح کینیڈا کے بھی پیش نظر یہ مسئلہ ہے کہ ان بچوں کو کس طرح تعلیم دی جائے جو مدارس وسطانیہ میں شریک نہیں ہوتے یا نہیں ہو سکتے

مدرسین | یہاں کے مدرسین کی حالت یورپ اور ممالک متحدہ امریکہ کے مدرسین سے جدا نہیں۔ آئے دن یہ بھی ماہوار اور وظیفہ کے مسائل میں اور جماعتوں میں تعداد طلبا کے حل طلب معمون میں منہمک پائے جاتے ہیں۔ کینیڈا میں تعلیم کی ذمہ دار صوبہ کی حکومت ہے مرکزی حکومت کو اس سے تعلق نہیں اور مالی حالت تمام صوبوں کی یکساں نہیں اس لئے تعلیمی ترقیاں تمام صوبوں میں مساوی نہیں ہیں۔

اگر یہاں کے معلمین کے کسی مجمع کو دیکھا جائے اور اس کا دنیا کے کسی اور ملک کے ایسے ہی مجمع سے مقابلہ کیا جائے تو ایک عجیب امر کا انکشاف ہوتا ہے یہاں اساتذہ میں مردوں کی تعداد بہ نسبت عورتوں کے بہت کم ہے اور ان میں بھی نوجوان اور کم سن معلمات

سن رسیدہ کے مقابلہ میں زیادہ ہیں اور شادی کے سبب سے ترک معلمی کرنے والے معلمات کی تعداد ان میں بہت زیادہ ہے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کینڈا کے مدرسین میں وہ پیشہ واری رنگ نہیں جو انگلستان یا دوسرے ممالک کے مدرسین میں نظر آتا ہے مگر ان معلمات میں درس و تدریس سے شوق۔ گرمجوشی اور دلچسپی سے کمی کہیں نہیں پائی جاتی شادی شدہ عورتوں کی مدارس میں ملازمت کو یہاں کے لوگ اچھی نظر سے نہیں دیکھتے۔ اور اس کثرت سے معلمات کے بسبب شادی ترک ملازمت کرنے کے باوجود بھی ملک میں استانیوں کی کمی نظر نہیں آتی۔

مملکت انگلستان اور کینڈا نے آپس میں تصفیہ کیا کہ ایک ملک اپنے ہاں کے اساتذہ دوسرے ملک میں بھیجا کرے اور دیکھے اس تبدیل مقام سے وہ کیا کیا فائدہ حاصل کرتے ہیں اور تبدیل اساتذہ میں بظاہر بڑی کامیابی کے راز مضمر پائے گئے۔ انگریز سیاحوں کا بیان ہے کہ وہ تمام معلم جو انگلستان سے کینڈا بھیجے گئے ہیں اس نئے تجربے سے لطف اٹھاتے اور بہرہ اندوز ہوتے دکھائی دیتے اور اسی طرح کینڈا کے اساتذہ جو انگلستان میں ہیں اپنی اس نئی زندگی سے محظوظ و متاثر پائے جاتے ہیں انہیں انگریزی بچوں کی اعلیٰ ذہنیت۔ اچھی صحت اور عمدہ عادات و اطوار نے اپنی طرف متوجہ کر لیا ہے جو اساتذہ کہ مغربی کینڈا کی طرز گفتگو ان کے حروف علت کے لانبے چوڑے تلفظ اور حروف تہجی کے سبب بلا سبب تشدد کے عادی ہوں انہیں لندن کے بچوں کے مختصر اور حروف غائب کرنے والے کاکنی (عامیانہ) لب و لہجہ نے پریشان تو ضرور کیا ہوگا۔

کتب کینڈا میں ننھے طالب علموں کے لئے کتب درسی وغیر درسی کے مسئلہ پر کافی غور نہیں کیا گیا۔ ان بچوں کی کیفیت بالکل ہندوستان کے بچوں کی سی ہے یہاں جو کتابیں کہ بچوں کو مدارس میں پڑھائی جاتی ہیں یا جو وہ شوق سے خود لے کر پڑھ سکتے ہیں ایسے ہیں کہ ان میں یوروپین تمدن۔ یوروپین تاریخ۔ یوروپین حیوانات و نباتات اور یوروپین

قصہ کہانیاں پائی جاتی ہیں حالانکہ ان کتابوں میں ہندوستان کے متعلق ذکر ہونا چاہیے تھا
اسی طرح کینیڈا میں بچوں کے مطالعہ میں انگریزی کتابیں نہیں کینیڈین کتابیں نہیں بلکہ امریکن
کتب ہیں اور ایک ایسی زبان میں لکھے ہوئے جو چاہے کتنے ہی خوبیوں سے مملو ہو مگر
وہ انگریزی نہیں جس کے انگریز عادی ہوں اور یہ کتابیں اپنے تمدن اور ایسی حکومت کے
اثرات و نکات اپنے میں پنہاں رکھتے ہیں کہ جس کے اصول انگریزی کامن ویلتھ سے
جدا ہیں۔ بچوں کے مطالعہ اور درس و تدریس کے لئے حقیقتاً ہر رنگ سے مفید اور اچھی
کتابوں کے مہیا کرنے سے زیادہ اہم اور کوئی تعلیمی مسئلہ نہیں مگر کینیڈا میں بظاہر اس سے بڑی
بے پروائی برتی گئی ہے اگرچہ کہ یہ ملک خود ایسی زبردست شخصیت اور ذاتی حیثیت رکھتا ہے کہ
اپنے ہمسایہ (ممالک متحدہ امریکہ) کے زبردست تاثرات کو محسوس کرنے کے باوجود بھی
اب تک ہر رنگ میں انگریزی ذہنیت کا تابع ہے۔ راہوں کا بیان ہے کہ جیسے ہی
حدود عبور کر کے کینیڈا میں داخل ہوں یہ فرق نمایاں طور سے محسوس ہونے لگتا ہے۔

ہندوستان کی طرح کینیڈا میں بھی مختلف قومیں آباد ہیں یہاں کے اصلی باشندے تو
بتدریج ہلاک کر دیے گئے اور جن غیر ملکوں نے اس کو آباد کیا اپنے ساتھ اپنی زبان، مذہب
اور قومیت بھی لیتے آئے ان پردیسیوں کو کینیڈین بنانے میں تعلیمی اداروں نے جو کام کیا ہے
اس کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہیں غیر ملکی کلاس کھولے گئے جن میں جوان اور بوڑھے زیادہ
اور بچے کم شرکت کرتے ہیں۔ عموماً یہ پایا گیا ہے کہ بچے انگریزی زبان اس قدر جلد سیکھ لیتے ہیں
انہیں بہت جلد مدارس تحتانی کو روانہ کر دیا جاتا ہے ایک سیاح کا بیان ہے کہ اس نے
جس پردیسی کلاس کو دیکھا تھا اس میں اکثر روسی یہودی شریک تھے۔

اسی طرح کی کلاسوں کے لئے جو اساتذہ ملتے ہیں وہ عموماً ایسے ہوتے ہیں کہ
اپنے تعلیم کی دوران میں یہ ملازمت بھی کر لی اور جب تحصیل علوم سے فارغ ہو گئے۔ ملازمت بھی
ترک کر دی اس طرح کی رد و بدل کام کے مشکلات کو اور بھی نمایاں کر دیتی ہوگی مگر جب تک بھی

وہ یہاں کام کرتے ہیں ان کی دلچسپی۔ گرمجوشی اور انہماک میں کمی نہیں پائی جاتی۔
کینیڈا کے غیر مزروعہ اور غیر آباد حصوں میں دنیا کی کون کونسی قومیں آباد ہونے والی ہیں
اس کا صحیح علم تو آئندہ آنے والی نسلوں کو ہوگا مگر جو کوئی بھی یہاں آن کر آباد ہوں اُن کے
کینیڈین بنانے میں اساتذہ اپنا فرض پوری طرح سے ادا کرنے تیار دکھائی دیتے ہیں

مدارس کا اثر صحت پر

ڈاکٹر سورتی صاحب سول سرجن گلبرگہ شریف ان چند قابل قدر لوگوں میں ہیں جو فرائض کو صرف تکمیل ضابطہ تک محدود نہیں خیال کرتے گلبرگہ کا سول ہسپتال جو عرصہ تک کس مپرسی کی حالت میں پڑا تھا آپ کی نگرانی میں قابل تقلید ہسپتال بن گیا ہے۔ ہر چیز صاف ستھری قرینہ سے لگی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ مریضوں کی ایسی کثرت ہوگئی ہے کہ منظورہ رقم کی دوائیں بالکل کافی نہیں ہوتیں اور اندیشہ تھا کہ قلت ادویہ کے باعث اکثر کی جان بھی نہ ہو سکے گی لیکن ڈاکٹر صاحب موصوف نے یہ حالت دیکھ کر مفلس و نادار مریضوں کے علاج کے لئے چندہ جمع کیا اور جب چندہ کی رقم بھی کافی نہیں ہوئی تو اپنی جیب سے گراں قدر رقم خرچ کرنا شروع کر دی۔

ہم ڈاکٹر صاحب موصوف کے بہت مشکور ہیں کہ آپ اپنی عدیم الفرصتی کے باوجود تعلیمی کاموں میں دلچسپی لیتے رہتے ہیں۔ طلبا کی فلاح و بہبود کا آپ کو بہت خیال ہے آپنے اپنے سبق آموز مضمون "مدارس کا اثر صحت پر" میں جن خیالات کا اظہار فرمایا ہے اس کی ہم دل سے قدر کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ باوصف اس کے کہ ہمارے مدارس اور

مدرسین کی ایسی حالت نہیں ہے جیسی کہ ظاہر کی گئی ہے یہ مضمون غور سے پڑھا جائے گا اور ڈاکٹر صاحب کی تجاویز پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کی جائے گی۔ ہم متوقع ہیں کہ ڈاکٹر صاحب آیندہ بھی اپنے خیالات سے مستفید ہونے کا موقع دیتے رہیں گے۔

مدیر

مدارس میں حفظان صحت سے ایسے قواعد مراد ہیں۔ جن سے مدرسہ کے بچوں کی جسمانی نشوونما اور صحت کی ترقی ہوتی ہے یہ ایک ایسا مضمون ہے جس پر بدقسمتی سے سابق میں پبلک اور اراکین تعلیمات نے زیادہ توجہ نہیں کی ہے چاہے ذہنیت کیسی ہی ہو وہ جسمانی طاقت نہیں ہوسکتی۔ صحیح معنوں میں کوئی تہذیب مکمل نہیں خیال کی جاسکتی جب تک کہ اس کی بنیاد مضبوط جسم اور عمدہ صحت پر نہ ہو۔ کیریکٹر کا تعلق دماغ اور جسم دونوں سے ہے کسی بچہ کو کامیاب اور مفید بنانے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اس کے جسم کے ارتقا میں سہولت پیدا کی جائے۔ اور اس کو ایسے موقع دیے جائیں کہ اس کی صحت عمدہ ہو اور اس کا جسم مضبوط ہو اگر کسی ضلع کے تحتانیہ یا وسطانیہ مدرسہ میں جاکر دیکھا جائے تو ظاہر ہوتا ہے کہ طلبا کی صحت نہایت خراب ہے جس سے ضلع کی افسوس ناک حالت نمایاں ہوتی ہے۔ زرد چہرے لاغر بدن اور کثیف کپڑوں سے ثابت ہوتا ہے کہ والدین اور سرپرست اور مدرسین طلبا کی صحت اور حالت سے سخت غافل ہیں مدارس کی عمارتیں اور ان کا ماحول خصوصاً دیہاتوں میں اصول حفظان صحت سے بہت دور ہوتا ہے۔ جسمانی تربیت کو دماغی تربیت کا ایک جز قرار دینے کے بابت خصوصاً اس خیال سے کہ آیندہ نسلیں عمدہ دماغ اور مضبوط جسم رکھیں۔ کوئی بھی اختلاف رائے نہیں رکھتا۔ ہندوستان اور غیر ممالک میں طلبا کی جسمانی تربیت کے لیے مختلف تجویزیں

تاکہ اُن کو مفید شہری بنایا جائے۔ لیکن کوئی جسمانی تربیت اس وقت تک مفید نہیں ہو سکتی جب تک کہ زیر تعلیم طلباء کا امتحان طبی نہ کیا جائے۔ لندن کے ڈاکٹر پارکس ایم۔ ڈی نے اپنی کتاب حفظان صحت اور پبلک میں بچہ کی جسمانی حالت کو یوں بیان کیا ہے "تعلیمی نقطہ نظر سے بچہ کی جسمانی حالت بہت ہی اہم ہر بچپن میں خصوصاً تین برس سے دس برس تک کی عمر تک جسم ایک نازک حالت میں ہوتا ہے۔ اور اس میں تیزی سے ترقی یا انحطاط پیدا ہوتا ہے جسم اور دماغ ایک دوسرے سے ایسے وابستہ ہیں کہ دماغ پر زیادہ اثر پڑنے سے جسم متاثر ہوتا ہے اور اسی طرح جسم کے متاثر ہونے سے دماغ پر اثر پڑتا ہے۔

پانچ برس کی عمر تک بچہ کو اس کے حواس کے ذریعہ سے تعلیم دینی چاہیئے۔ بعد ازاں اس کے حافظہ کو تربیت دے کر اس میں عمدہ عادات کی نشو و نما کرنی چاہیئے۔ دس سال کی بعد بچہ کا تخیل اور قوت استدلال بڑھتی ہے۔

غالباً کیرکٹر بننے کا زمانہ پانچ سے آٹھ برس تک ہوتا ہے اس سے کسی کو انکار نہیں کہ مدارس کے بچے اپنی ابتدائی عمر میں کسی نہ کسی مرض میں مبتلا ہوتے ہیں اور والدین یا سرپرست اس کی کوئی روک تھام نہیں کرتے عمر کے ساتھ امراض میں بھی اضافہ ہوتا ہے اس بات کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیئے کہ موجودہ نسل کے دماغ پر بہت بار ڈالا جا رہا ہے۔ اور ان کو بہت سے مضامین رٹائے جاتے ہیں جس سے ان کا دماغی ہاضمہ خراب ہوتا جا رہا ہے بچہ کی جسمانی حالت جس کا اوپر تذکرہ ہوا ہے پیش نظر رکھی جائے تو اس بات سے بالکل تعجب نہیں ہوتا۔ کہ دماغ پر بے جا بوجھ پڑنے سے بچے اخیر میں نقصان اٹھاتے ہیں۔ ہر وہ شخص جس کو موجودہ تعلیم کا تجربہ ہے واقف ہے کہ درسی کتابوں کی بے حساب تعداد اور روز روز کے امتحانوں سے بچوں کے نازک دماغ بہت خطرہ میں ہیں روز کی محنت نشست کی خرابی جسمانی ورزش کا عدم وجود عمارت کی خرابی اپریل و مئی کے شدید گرمی کے مہینوں میں امتحانات طویل تعطیل سے عدم استفادہ۔ یہ وہ باتیں ہیں جس سے مدرسہ کا لڑکا یا لڑکی حقیقتاً دوسری دنیا میں جانے کو

تیار ہو رہے ہیں اس زمانہ میں یہ بھی خیال ہو چکا ہے کہ یورپ اور جاپان کے طریقہ تعلیم کی تقلید کی جائے اور لطف یہ ہے کہ اس کوشش میں ملک کے موسمی اور دیگر حالات کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔ کیا بہتر ہوتا۔ اگر جسمانی اور دماغی تعلیم میں اراکین تعلیمات مقامی حالات کا لحاظ کرتے اور ایک ایسا نصاب اور طریقہ تعلیم اختیار کرتے جس سے نوخیز نسلوں کے ارتقاء پر عمدہ اثر پڑتا غیر ممالک کی تقلید ہمارے حالت کے منافی ہے حقیقتاً ہماری کم اور علمی کام زیادہ ہونا چاہیئے اور یہ بات ہر مدرسہ کی مطمح نظر ہونی چاہیئے مدارس میں بدہضمی کا مرض بہت عام ہے اور اس کی وجہ سمجھنا بھی مشکل نہیں کیونکہ جب کہ کوئی جسمانی ورزش نہ ہو۔ تعلیم کے وقت نشست بے ڈھنگی ہو اور صاف ہوا نہ آتی ہو تو معدہ کا فعل ٹھیک نہیں رہتا معدہ کا اچھا فعل ہونے کے لئے جسمانی حرکت ضروری ہے اس بات کو یاد رکھنا چاہیئے کہ معدہ کے فعل کا بہت کچھ انحصار عمدہ دانتوں پر ہے لیکن عموماً بچوں کے دانت خراب ہوا کرتے ہیں۔ جب بھوک خراب ہو اور معدہ نہ کرتا ہو تو کمی خون کے آثار نمایاں ہوتے ہیں جسمانی حالت میں انحطاط اور دماغی حالت میں کمزوری پیدا ہوتی ہے۔

مطالعہ اور بینائی میں ایسا تعلق ہے کہ اس کی وضاحت کی ضرورت نہیں رہتی اس لئے مدارس میں چشمہ والے انعام پانے والوں کی ایک قابل قدر لیکن افسوسناک فوج دکھائی دیتی ہے خوبصورت لڑکیاں جو بلا چشموں کے کارزار دنیا میں ایک عمدہ زندگی بسر کر سکتی تھیں ایسی ہیئت میں نظر آتی ہیں کہ حسن پرست بھی ان سے متنفر ہیں تو کم از کم پریشان ضرور ہیں موجودہ مدارس کی عمارتوں میں آلات تعلیمی اور دوسری خامیوں کا ذکر کرنے سے پہلے میں یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ قوانین حفظان صحت کسی خاص طبقہ کی ملک نہیں ہیں قوانین حفظان صحت فطرت کے مطابق ہیں اور ان سے جو انحراف کرتا ہے اس کو سزا بھگتنی پڑتی ہے دنیا نے رفتہ رفتہ دو بڑی حقیقتوں کو سمجھا ہے

(۱) کہ ہر قسم کی اصلاح کا آغاز بچوں سے ہونا چاہیئے۔

(۲) امراض کی تشخیص اور ان کے دفعیہ میں ذرا بھی تاخیر نہیں کرنی چاہیئے۔ میں یہ ماننے کے لئے

تیار ہوں کہ طلباء کی خراب صحت بالکلیہ مدارس کی خرابی کی وجہ سے نہیں ہے۔ اس کے اور بھی اسباب ہیں مثلاً غذا کی خرابی کم عمری کی شادی گھروں کی کثافت قرب وجوار کی غلاظت اور عام افلاس لیکن اس کے ساتھ ہم مدارس اور طریقہ تعلیم کو ان متذکرہ خرابیوں سے بالکل بری الذمہ بھی نہیں کر سکتے۔ سب سے پہلے مدارس نسواں کو لیجئے یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ لوگوں نے اس بات کا احساس کر لیا ہے کہ لڑکیوں کی تعلیم ایسی ہی ضروری ہے جیسے لڑکوں کی تعلیم اور ملک کو یہ بڑی ضرورت ہے کہ لڑکیاں تعلیم یافتہ ہوں۔ کیوں کہ کوئی ملک اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتا جب تک کہ اس میں اناث کی عمدہ تعلیم نہ ہو اس بات کی بڑی ضرورت ہے کہ لڑکے اور لڑکیوں کی تعلیم دوش بدوش ہو۔ موجودہ زمانہ کی تاریخ نے یہ ثابت کر دکھایا ہے کہ وہی ممالک ترقی کرتے اور متمدن ممالک کی صف اول میں شریک ہوتے ہیں جن میں لڑکیوں کی بھی ہوتی ہے جیسے لڑکوں کی ہے۔ روز صبح لڑکیوں کو اپنے بستہ بغلوں میں دبائے جاتے ہوئے دیکھ کر بڑی خوشی ہوتی ہے خصوصاً اس وجہ سے بھی کہ ان کے چہروں سے ایسی جدتی اور ذوق و شوق ظاہر ہوتا ہے جو لڑکوں کے چہروں سے مفقود نظر آتا ہے۔ لیکن میرا دل بیٹھ جاتا ہے اور مغموم ہو جاتا ہے جب کہ میں ان مدارس کا خیال کرتا ہوں۔ جہاں وہ تعلیم کے واسطے جا رہی ہیں۔ معدودے چند کے سوائے مدارس کی کوئی عمارت بھی ایسی نظر نہیں آتی جو کہ حفظان صحت کے اصول پر مبنی ہو عموماً مدرسۂ نسواں کسی گلی میں خانگی گھر میں قائم ہوتا ہے عام طور پر ایسے گھر میں اندھیری کوٹھڑیاں ہوتی ہیں جن میں نہ روشنی کا انتظام ہوتا ہے نہ ہوا کا بعض ایسے گھر ہوتے ہیں جو کہ مرطوب اور مضر صحت ہیں۔ بیچاری لڑکیاں دن بھر اس قسم کے گھروں میں بند رہتی ہیں جہاں نہ رفع ضروریات کے لئے بھی جگہ ہوتی ہے اور نہ گرمیوں میں ہوا کا انتظام ان مدرسوں میں فرنیچر نہیں ہوتا۔ پس لڑکیوں کو فرش پر بیٹھنا پڑتا ہے صحن بھی اتنا نہیں ہوتا کہ جس میں کھیلنا تو درکنار وہ ٹہل بھی سکیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تازہ ہوا سے وہ بالکل محروم رہتی ہیں۔ اس قسم کے گھروں میں شادی سے پہلے کئی سال تک

جو تعلیم دی جاتی ہے وہ چاہے ان کے دماغوں کو روشن کرے لیکن ان کی صحت خراب کر دیتی ہے اُن میں نہ چستی و چالاکی رہتی ہے اور نہ زندہ دلی کا بھی نام باقی رہتا ہے اب یہ بتلائیے کہ ایسی لڑکیاں زندگی کے مراحل کیسے طے کریں گی میں مکرر یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ صحت کے لئے تھوڑی بہت ورزش نہایت ہی ضروری ہے۔ لڑکے تو خیر اپنے گیگاہوں میں اچھل کود لیتے ہیں لیکن لڑکیوں کو اس کا بالکل موقع نہیں ملتا۔ توقع تو یہ کی جاتی ہے کہ لڑکوں کی طرح لڑکیاں بھی محنت سے پڑھیں اور امتحانات پاس کریں۔ لیکن ان کی صحت قائم رکھنے کے لئے کوئی تدبیر اختیار نہیں کی جاتی۔ یہ میں نے مانا کہ ملک کے بعض رسوم اور معاشرتی قیود بعض کھیلوں کے رواج دینے میں مانع ہیں۔ لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ ان کے بدلے کوئی اور تفریح کا انتظام کیوں نہیں کیا جاتا۔ یہ بڑے شرم کی بات ہے کہ لڑکے سے محنت تو کرائی جائے لیکن اُن کو لڑکوں کے برابر آرام یا کھیل کا موقع نہ دیا جائے۔

مدرسوں کے جانب توجہ کرتا ہوں میں یہ دیکھتا ہوں کہ یہ بھی عموماً کرایہ کے مکانوں میں ہوتے ہیں ان کا محل وقوع غلیظ گلیوں میں ہوتا ہے۔ ہوا اور بدبو کی کوئی انتہا نہیں ہوتی۔ ان مکانوں کے کمروں میں نہ روشنی کا راستہ ہوتا ہے نہ ہوا کا۔ دروازہ بند کرو تو روشنی نہیں آتی اور کھلے رکھو تو مضر ہوا کا خدشہ لگا رہتا ہے۔ عام مدرسہ کی یہ حالت ہوتی ہے کہ اس میں بچوں میں ٹیکہ نہیں ہوتا جس سے بچوں کو تکان ہوتی ہے در و دیوار اور ڈسک خاک آلود رہتے ہیں کھڑکیوں کے شیشہ غلیظ ہوتے ہیں۔ دروازہ پر لڑکے لکھ لکھ کر بدنما کر دیتے ہیں اور برآمدے کو اُستاد و شاگرد دونوں اگالدان تصور کرتے ہیں صحن میں حلوائی خراب گھی کی مٹھائیاں لئے بیٹھا رہتا ہے جس کو نہ کسی ڈاکٹر نے دیکھا ہے اور نہ کسی اور نے یہ معلوم کیا ہے کہ وہ باسی ہیں یا تازہ مکھیاں بھنکتی رہتی ہیں لیکن حلوائی کو یہ خیال تک نہیں آتا کہ مٹھائی ڈھانک لے۔ بیت الخلا بھی نہایت کثیف غلیظ رہتے ہیں۔ کھڈیاں نہیں ہوتیں جس کی وجہ سے نہ صرف صحن ہی (بلکہ موریاں بھی) غلیظ

رہتے ہیں۔ بورڈنگ ہاؤس میں جو بعض مدارس سے متعلق رہتے ہیں اور جن کا محل وقوع شہر کے کسی حصہ میں کرایہ کے مکان میں ہوتا ہے۔ ناقابل اطمینان حالت میں پائے جاتے ہیں عام طور پر ان کا منتظم کسی طبی افسر کے بجائے جز معاش مدرس ہوتا ہے۔ بورڈنگ ہاؤس کا باورچی خانہ مکھیوں سے بھرا رہتا ہے اور لڑکوں کے نہانے دھونے کا ٹھیک انتظام نہیں ہوتا اکثر مدارس میں چھوٹے درجوں کے بچے زمین پر بیٹھتے ہیں۔ یا ان کو ایسی چٹائیوں پر بیٹھنا پڑتا ہے۔ جو کھٹملوں سے بھری رہتی ہیں۔ اونچے درجوں کی بنچیں ہوتی ہیں لیکن ان سے لڑکوں کی آنکھ سے پھیپھڑوں پر برا اثر پڑتا ہے۔ ان حالات میں بچوں کی تعلیم ہوتی ہے جو زمانہ پیری کا سہارا اور ملک کا بہترین سرمایہ ہیں۔ بچوں کو اس طرح تعلیم دی جاتی ہے کہ ان کو کوئی یہ بتلانے والا نہیں ہوتا کہ ان کے جسم میں خرابی ہے۔ ان کے اعصاب میں کمزور نگاہ کا کیا علاج ہے ان کے معدہ کی خرابی کے اصلاح کیوں کر ہو سکتی ہے اور حفظان صحت کے کیا ابتدائی اصول ہیں۔ ان تمام باتوں کے نتائج کیا ہیں دیہی کے اکثر لڑکے میٹرک پاس ہونے کے بعد چشمہ لگانے لگتے ہیں بدہضمی اور قبض کی شکایت کرتے ہیں۔ اور کمزوری کے باعث اسی قسم کی بیماری میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ بیس برس کی عمر میں جب کہ طبیعت میں اُمنگ اور جوانی کا جوش ہونا چاہیئے وہ نحیف و لاغر نظر آتے ہیں ختم تعلیم پر وہ ملازمت یا کوئی اور پیشہ کو پیٹ بھرنے کی مجبوری سے اختیار کرتے ہیں۔

بہت سے لڑکے عالم شباب ہی میں امراض دق و سل میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور یہ بات روز بروز ظاہر ہوتی جاتی ہے۔ کہ یہ مہلک امراض طلبار سے مخصوص ہیں۔ موجودہ تعلیم کی خامیاں اور مدارس کی خرابیاں ظاہر کرنے کے بعد میں ذیل میں چند ایسی تجاویز پیش کرتا ہوں جو اراکین تعلیمات کی توجہ کے قابل ہیں۔

(۱) ہر مدرسہ کی اراضی کا انتخاب ڈاکٹر اور انجنیر کے مشورہ سے ہونا چاہیئے۔

(۲) عمارت کا نقشہ جس میں روشنی اور ہوا کا خاص طور پر انتظام ہو۔ ڈاکٹر کے مشورہ سے

منظور ہونا چاہیئے۔

(۳) ہر مدرسہ کے اسٹاف میں ایک دو ایسے آدمی ہونے چاہئیں جو کہ حفظان صحت کی تعلیم دے سکیں اور طلسمی فانوس کے ذریعہ سے جسمانی حالت اور انسان کے اعضا کا فعل ظاہر کریں اور خرابی صحت کے نتائج بتلائیں۔

(۴) بشرط گنجایش ہر مدرسہ میں ایک ایسا ڈاکٹر مقرر ہو جو وقت مقررہ پر سب لڑکوں کا طبی معائنہ کرے ان کی بینائی، سماعت اور پھیپھڑے کی حالت کو خاص طور پر دیکھے۔

(۵) مدرسہ کے کواڑ کھڑکیوں کے دروازہ سب سال میں دو ایک مرتبہ گرم پانی اور صابون سے دھوئے جائیں۔

(۶) لڑکوں کی تعداد کے لحاظ سے بیت الخلا میں کافی انتظام ہونا چاہیئے اور اس کو ہر روز دو مرتبہ صاف کیا جائے کہ اس کی موری سے تمام کثافت نکل جائے ہر [illegible] ہونا چاہیئے۔

(۷) مدرسہ میں جو حلوائی آئے وہ اپنی تمام چیزوں کو مکھیوں سے محفوظ رکھے اور لڑکوں کو اس وقت تک کوئی چیز خریدنے کی اجازت نہ دی جائے۔ جب تک کہ مدرسہ کا ڈاکٹر اس کی مٹھایوں کا معائنہ نہ کرلے۔

(۸) سلیٹوں کا استعمال روک دیا جائے۔ سلیٹ چاٹنے کا مرض عام ہے اس سے متعدی امراض پھیلنے کا اندیشہ رہتا ہے۔

(۹) مدرسوں میں ایسے روغن کئے ہوئے نقشہ جات نہ ہونے چاہئیں جن پر بہت چھوٹے حروف ہوتے ہیں کیونکہ اس سے آنکھوں پر بہت زور پڑتا ہے۔

(۱۰) چھوٹے حروف کی کتابوں کا استعمال نہ ہونا چاہیئے۔

(۱۱) مدارس میں اچھا فرنیچر ہونا چاہیئے۔ چھوٹے درجوں کے بچوں کو بھی بنچوں پر بٹھانا چاہیئے کیونکہ فرش مرطوب ہوا کرتا ہے جس سے چھوٹے بچے بیمار ہو جاتے ہیں۔

(۱۲) مدرسہ کو روز دھلوانا چاہیئے۔

(۱۳) وہ لڑکے جو متعدی امراض یا درد جگر میں مبتلا ہوں انہیں الگ رکھنا چاہیئے بشرطیکہ مدرسہ میں گنجایش ہو

(۱۴) غلیظ بچوں کو جہاں تک ممکن ہے صاف ستھرا بچوں سے ملنے نہ دینا چاہیئے ترغیب دے کر صاف عادات پیدا کرنی چاہیں۔

(۱۵) لڑکوں کو روز نہلوانا چاہیئے اور اس کے واسطے امتحان میں چند نمبر رکھے جائیں۔

(۱۶) ہر لڑکے کو کوئی نہ کوئی کھیل کھیلنا چاہیئے اور مدرسین کو ان کے ساتھ دل کھول کر حصہ لینا چاہیئے۔

(۱۷) ہوم ورک بہت کم دینا چاہیئے۔

(۱۸) کسی لڑکے کو وقت مقررہ سے کم کام نہیں کرنا چاہیئے اور وقت مقررہ سے کم ہونا نہیں چاہیئے

(۱۹) ننگے [illegible] کی عادت نہایت خراب ہے اور اس کے انسداد کی ممکنہ کوشش چاہیئے

(۲۰) میٹرک کے نصاب میں حفظان صحت کا مضمون داخل ہونا چاہیئے۔

(۲۱) طلبا کو ہر قسم کی سہولت دینی چاہیئے کہ وہ طویل تعطیلات گرمیوں کے زمانہ میں آرام سے بسر کریں اپریل مئی کے گرم مہینوں میں کوئی امتحان نہیں ہونا چاہیئے۔

لڑکیوں کے مدارس کے متعلق میری یہ رائے ہے۔

(۱) کہ لڑکیوں کا معائنہ طبی لیڈی ڈاکٹر کے ذریعہ سے کرایا جائے۔ اور ہر مدرسہ میں ان کی صحت سے متعلق ایک رجسٹر رکھا جائے۔

(۲) مدارس کے لئے روشن و ہوادار مکان کرایہ پر لئے جائیں اور ان کو فرش پر نہ بیٹھنے دیا جائے۔

(۳) ان کو صاف و ستھرے رہنے کی عادت سکھلائی جائیں اور حفظان صحت کے متعلق ابتدائی باتیں قصہ کہانی کے ذریعہ ذہن نشین کی جائیں۔

(۴) لڑکیوں کو رواج کے مطابق کوئی نہ کوئی کھیل کھلایا جائے اور ان سے جسمانی ورزش کرائی جائے۔

(۵) ہر ایسی چیز جو مخل آسایش ہو یا اچھے احساسات پیدا نہ کرے مدرسہ سے دور رکھنی چاہئے مدرسہ کا اندرونی حصہ خوش نما ہونا چاہئے۔ تاکہ طبیعت بشاش رہے۔

طبی معائنہ مدارس کے لئے از بس مفید ہے صحت مند بچوں کا مستقبل اسی پر منحصر ہے محض درس دینا کافی نہیں ہے۔ انہیں اچھی جگہوں پر روشن دار اور ہوادار مدارس چاہیں۔ جو صاف ستھرے ہوں جن کے دیکھنے سے طبیعت خوش ہو جس میں ہمہ قسم کا ایسا سامان موجود ہو جس سے جسمانی ارتقا ہو اور عمدہ صحت قائم رہے۔

ہر مدرسہ میں ایک ایسا مدرس ہونا چاہئے جو دماغی اور اجتماعی حالت کی نگرانی کرتا رہے ہم کو ہر وقت اس بات کا خیال رکھنا چاہئے۔ کہ ایسی تعلیم نہ دی جائے کہ جس سے صحت پر برا اثر پڑنے کا اندیشہ ہو۔ سرکار عالی ترقی تعلیم کی ممکنہ کوشش کر رہی ہے اور مجھے یہ توقع ہے کہ مطلوبہ تعلیم دی جا سکتی ہے۔ بشرطیکہ عوام سرکار عالی کی امداد کریں اور اپنے عادات کی تھوڑی اصلاح کریں۔ اب میں اپنا مضمون ختم کرتا ہوں اور اپنے ناظرین کو یہ بات یاد دلانا چاہتا ہوں کہ صحت مند دماغ صحت مند جسم میں ہوتا ہے۔

خواتین ہند کی تعلیمی کانفرنس

(از)

پروبھت چندر سنیال

تمام ہندوستان کی عورتوں کی تعلیمی کانفرنس کا دوسرا اجلاس جو حال میں دہلی میں ہوا تھا ایک نہایت ہی اہم واقعہ ہے۔ اس کانفرنس کا پہلا اجلاس پونہ میں مہارانی صاحبہ بڑودہ کے زیر صدارت ہوا تھا۔ کانفرنس کے دوسرے اجلاس میں ہندوستان کے ہر حصہ سے نمایندہ آئے تھے جن کی تعداد تقریباً پونے دو سو تھی۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے عورتیں بھی اپنے طبقہ کی اصلاح و ترقی میں خوب دلچسپی لے رہی ہیں۔ نمایندے نہ صرف مختلف مذہب کے تھے بلکہ سیاسی خیالات میں بھی متفق نہ تھے۔ نمایندوں میں بیگم صاحبہ بھوپال رانی صاحبہ بڑودہ۔ رانی صاحبہ منڈی۔ سروجنی نائڈو صاحبہ سوسائٹی صاحبہ مسز کیپ صاحبہ شری متی سرسوتی صاحبہ وغیرہ کی موجودگی نے خواتین کے مجمع کو چار چاند لگا دئے تھے مسز ایس آر داس استقبالی کمیٹی کی صدر نے نمایندوں کو خوش آمدید کہتے ہوئے اور ہز اکسلنسی لارڈ ریڈنگ سے کانفرنس کی صدارت قبول کرنے کی درخواست کرتے ہوئے کہا "ہمارے طبقۂ اناث کی بے علمی کچھ تو عدم میسری ذرائع تعلیم اور کچھ والدین کی لاپروائی کے باعث ہے۔ یہ لاپروائی اس میں شک نہیں کہ رفتہ رفتہ کم ہو رہی ہے اور یہ احساس ہو رہا ہے کہ والدین اپنی لڑکیوں کو تعلیم دلانا چاہتے ہیں۔ پس یہی وہ مناسب وقت ہے جب کہ ہم کو ایک جگہ جمع ہو کر اس بات کا تصفیہ کرنا چاہئے کہ لڑکیوں کو کس قسم کی تعلیم دینی چاہئے۔ کچھ عرصہ گزر گیا اور اس بات کا فوری تصفیہ نہ ہوا تو ڈر ہے کہ والدین اپنی لڑکیوں کو لڑکوں کی سی تعلیم

روپیہ ملیں گے اور پھر ہم کو لڑکیوں کی مناسب حال تعلیم دینے میں سخت مشکلات کا سامنا ہوگا
ہم ایک چوراہے پر کھڑے ہیں ہم کو چاہیئے کہ ہم صحیح راستہ کی طرف قدم اٹھائیں مسز کملادیوی
چٹوپادیہ نے اپنی سالانہ رپورٹ پیش کرتے ہوئے کہا "یہ کانفرنس ہندوستان کے مختلف
صوبوں کی عورتوں کو ایک کردے گی۔ اس عظیم الشان مجلس میں ان کا اجتماع ان میں جوش اور
تنظیم کی خواہش پیدا کر رہا ہے جس سے ان کو اپنی قوت پر بھروسہ ہوگا اور ان میں مجموعی
طور پر کام کرنے کی خواہش پیدا ہوگی اور ان کو یہ بات حاصل کرنے کی قدرت ہوگی کہ "تمام
عورتیں ایک ہیں" اس رپورٹ میں یہ بھی درج تھا کہ کانفرنس کا مقصد عورتوں کی تعلیم کی اصلاح
کرنا ہے۔ سال زیر رپورٹ میں کانفرنس ایک قوت بن گئی اور عورتوں میں جس اور اپنے
طبقہ کی اہمیت کا خیال پیدا ہوگیا۔ موجودہ تعلیم طالبات کی حقیقی زندگی کے منافی ظاہر ہونے لگا
اور یہ ثابت ہوا کہ وہ لڑکیوں کو گھر یا ملک کے کام کے لائق نہیں کرتا۔ ۱۹۲۵ء میں تصفیہ ہوا
مسز کوزن کی صدارت میں ہندوستان کی تمام عورتوں کی کانفرنس اصلاح تعلیم کی غرض سے
کی جائے چنانچہ تمام ملک میں بائیس ذیلی کانفرنسیں ہوئیں۔ پس ان حالات کے لحاظ سے
ہم کو معلوم ہوا کہ پونہ میں جو تعلیمی جد و جہد کے لئے مشہور ہے پہلی تاریخی کانفرنس منعقد ہو۔
یہ پہلی کوشش ایسی کامیاب رہی اور ایسی ایسی دلچسپی ظاہر کی گئی کہ یہ تصفیہ ہوا کہ اس کانفرنس کو
مستقل حیثیت قرار دی جائے۔ اس کے قواعد بنائے جائیں اور اس کی ایک انتظامی کمیٹی
مقرر کی جائے بہت سی اہم تحریکات منظور ہوئیں اور عورتوں کے مطالبات کی یادداشت
تیار ہوئی اس کانفرنس نے عورتوں میں تعلیمی مسائل حل کرنے کی خاص خواہش پیدا کردی۔
سال زیر رپورٹ میں مختلف مقامات مثلاً بنگال۔ گجرات۔ حیدرآباد دکن میں ذیلی کمیٹیاں
قائم ہوئیں۔ دہلی کی کانفرنس کی شرکت کے لئے تمام ملک میں تیس کانفرنسیں ہوئیں اور
دو سو نمایندوں کا انتخاب ہوا۔ بہت سے ایسے مقامات مثلاً صوبہ متوسط۔ بہار۔ اجمیر
اندرھا۔ کناڑا۔ ٹائل ناڈو۔ ٹراونکور سے بھی نمایندے آئے جو پہلی کانفرنس میں شریک نہیں ہوئے تھے

کانفرنس نے سب سے بڑا کام جو اپنے ذمہ لیا وہ کم عمری کی شادی اور سن بلوغ کے قانون کے مسودات ہیں جو مجلس قوانین میں زیر غور تھے کانفرنس نے ان قوانین کے لئے پروپگنڈا کیا اور ان کی تائید میں ہزاروں کی دستخطیں حاصل کیں۔ صرف گجرات ہی میں دس ہزار دستخطیں حاصل کی گئیں۔ لیڈی ارون نے اپنی افتتاحی تقریر میں تعلیم کا مقصد حقیقی اخلاق اور جسم و دماغ کی تربیت بتلایا۔ جو زندگی کے بڑے مدرسہ میں کام آئے۔ لیڈی صاحبہ نے کہا کہ عورتیں قدیم روایات کی محافظ ہیں اور خدا کرے کہ وہ ہمیشہ ایسی ہی رہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ لیڈی ارون نے بحیثیت وائسرائے کی بیوی کے نہیں بلکہ عورت ہونے کی حیثیت سے اس کانفرنس میں شرکت کی۔ نوعیت تعلیم کے بابت لیڈی صاحبہ نے خیال ظاہر کیا کہ لڑکیوں کی تعلیم لڑکوں سے جدا طریقہ پر ہونی چاہئے۔ ماہران تعلیم نسواں کو عورتوں کی ضروریات کا تعلیم میں لحاظ رکھنا چاہئے۔ "ہم کو پوری قوت صرف کرکے ایک معیار قائم کرنا چاہئے (اور پبلک کے دل میں اور لڑکیوں کے دل میں یہ بات پیدا کرنی چاہئے کہ ان میں یہ خواہش ہو کہ لڑکیاں لڑکوں سے مختلف تعلیم حاصل کریں) ہماری تمنا یہ ہے کہ لڑکیوں کو خانہ داری اور حفظان صحت کی ایسی عملی تعلیم دی جائے کہ وہ بیوی اور ماں کی حیثیت سے اپنے فرائض خوش اسلوبی سے ادا کریں اور اپنی تعلیم سے اپنے معلومات میں اضافہ اور مطمح نظر میں وسعت پیدا کریں بعض نمایندوں نے ان خیالات کو مشتبہ نظروں سے دیکھا اور خیال کیا کہ اگر ان پر عمل کیا گیا تو اس وقت تک عورتوں کو مردوں کے معاشرتی درجہ پر لانے کے لئے جس قدر بھی کام کیا گیا وہ سب الٹ پلٹ ہو جائے گا چنانچہ اخبار سوشل رفارمر لکھتا ہے کہ "عورت اور مرد ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں ہو سکتے اور ان دونوں میں مخالفت کا بالکل اندیشہ نہیں ہو سکتا دونوں کی بالکل جداگانہ تعلیم طبقہ اناث و ذکور کے باہمی ارتباط میں جو معاشرتی ترقی کے لئے بہت ہی ضروری ہے رخنہ ڈالے گی۔ ہندوستانی عورتیں امور خانہ داری سے خوب واقف ہیں۔ ان کو جس بات کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ ان کا مطمح نظر اپنے خاندان

ت اور ملت کے دائرہ سے وسیع تر ہو۔ اس کانفرنس کی خوش قسمتی تھی کہ اس کی صدر ایک بڑی مدبر بیگم صاحبہ بھوپال تھیں۔ ان کی تعلیمی دلچسپی اور معاشرتی اصلاحات عام طور پر مشہور ہیں۔ اپنی ریاست میں انہوں نے متعدد مدارس نسواں قائم فرمائے ہیں اور خود علیگڑھ یونیورسٹی کی چانسلر ہیں اور اس وقت تک سوائے آپ کے کسی خاتون کو یہ عزت حاصل نہیں ہوئی ہے۔

بیگم صاحبہ نے اپنے صدارت نامہ میں بیان فرمایا کہ عورتوں کی تعلیم میں افلاس اور تعصب، پردہ اور کم عمری کی شادی بری طرح حائل ہیں۔ آپ نے فرمایا "ایک طرف تو ہندوستان میں لوگوں کا افلاس اور ان کے تعصبات تنظیم میں رکاوٹ پیدا کرتے ہیں دوسری طرف پرانے رسوم جنہوں نے مذہبی رنگ اختیار کر لیا ہے تعلیم کی اشاعت میں مانع ہوتے ہیں۔ افسوسناک امر یہ ہے کہ ہندوستان میں فی کس آمدنی صرف دو روپیہ آٹھ آنہ ماہوار ہے جس سے توقع نہیں ہو سکتی کہ لوگ اپنے طور پر اشاعت تعلیم میں حصہ لیں گے عورتوں کی تعلیم میں گورنمنٹ کی عدم توجہ کا باعث طبقہ اناث کی لاپروائی اور مخالفت ہے موجودہ حالت میں لکھے پڑھے عورتوں اور مردوں کا تناسب پانچ فی صدی ہے بیگم صاحبہ پھر پردہ کے بابت فرمایا "اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ موجودہ پردہ کی سختی کسی مذہبی حکم کی بنا پر نہیں ہے۔ اس کا وجود محض مقامی حالات کے لحاظ سے ہوا اور اس کی مثال دیگر اسلامی ممالک میں نہیں ملتی۔ اگر پردہ کی رسم میں حالات کی مناسبت کے لحاظ سے ترمیم کر لی جائے تو پردہ کے باعث تعلیم نسواں میں جو رکاوٹیں پیدا ہو رہی ہیں وہ سب کی سب دور ہو جائیں گی اور طبقہ اناث ان مشکلات سے نکل جائے گا جو سب کی پریشانی کا باعث ہے۔ اپنی تقریر کے خاتمہ پر بیگم صاحبہ نے نہایت پرزور الفاظ میں کم عمری کی شادی کی مخالفت کی جس سے امراض اور شرح اموات میں اضافہ ہو رہا ہے۔ کمزور بچے پیدا ہو رہے ہیں اور دماغی اور جسمانی انحطاط ہو چلا ہے۔ تحریکات کے علاوہ عورتوں کے

مطالبات کا مسودہ مرتب کیا گیا جس میں لکھا تھا کہ ابتدائی تعلیم جبری کر دی جائے نیز
نصاب میں فنون لطیفہ اور معاشرتی مضامین کو داخل کیا جائے اور یہ کہ عورتوں کو تعلیمی اور
مقامی کمیٹیوں میں حق نمایندگی دیا جائے۔ کانفرنس نے مندرجہ ذیل اہم تحریکات کے علاوہ
عورتوں کی تعلیم اور ان کی ترقی کے مانع رسوم کی پابندی سے آزادی کے بابت قرارداد پیش
کیں۔

(۱) اس کانفرنس کی رائے ہے کہ جسمانی تربیت لڑکے اور لڑکیوں کے لئے لازمی کر دی جائے
اور اس میں جہاں تک ممکن ہو بازیگاہوں میں تفریح کا خیال رکھا جائے اور گرل گائیڈ کا
رواج دیا جائے۔

(۲) تمام مدارس اور کالجوں میں طبی معائنہ لازمی کیا جائے۔ لڑکیوں کا طبی معائنہ لیڈی ڈاکٹر کے
ذریعہ سے ہو۔ مدارس میں علاج اور غذا کا ممکنہ طور پر انتظام کیا جائے۔

دیگر تحریکات کم عمری کی شادی اور سن بلوغ کے بابت تھیں۔ اس کانفرنس کی
رائے میں کم عمری کی شادی کا تعلیم پر افسوسناک اثر پڑتا ہے۔ وہ کم عمری کی شادی کو
بہت برا تصور کرتی ہے۔ وہ صوبہ جات و مرکزی حکومت کو بڑودہ۔ میسور۔ راج کوٹ۔
کشمیر۔ گنڈھال۔ لمبڈی اور منڈی کی دیسی ریاستوں کی تقلید کرنے کے لئے توجہ دلاتی ہے
اور مطالبہ کرتی ہے کہ لڑکے لڑکیوں کی شادی کی عمر قانوناً علی الترتیب اکیس اور سولہ
برس قرار دی جائے۔ یہ کانفرنس رائے صاحب ہربلاس سروہ کے مسودہ قانون کو اچھی نظر سے
دیکھتے ہوئے ان کی مجوزہ عمر بارہ اور پندرہ کی سخت مخالفت کرتی ہے اور منتخبہ کمیٹی سے
درخواست کرتی ہے کہ اس کی منظورہ قرارداد کے لحاظ سے مسودہ مذکور میں ترمیم کی جائے
اور یہ کانفرنس مکرر شادی کی عمر سولہ برس قرار دینے پر زور دیتے ہوئے سرہری سنگھ
گاور کے مسودہ قانون کی تائید کرتی ہے۔ اس کانفرنس کے متعلق لالہ لجپت رائے صاحب نے
بعد مشاہدہ یہ رائے دی ہے کہ "اس تعلیمی کانفرنس کے اراکین نے صرف تحریکات منظور کرنے

نہیں کیا بلکہ انہوں نے اپنے دشمن کے کیمپ پر حملہ کر دیا۔ اصلاح کے مانع حسب ذیل امور ہیں
(۱) گورنمنٹ کی مخالفت اور (۲) قدیم خیال کے لوگوں کی مخالفت۔ عورتوں کی
کانفرنس کی طرف سے چند ایسے نمایندے جو تحریک نسواں ہند میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں
ہز اکسلنسی وائسرائے سے ملے اور رسم و رواج کی اصلاح کے لئے قوانین منظور کرانے میں ان کی مدد
خواہاں ہوئے۔ یہ نمایندے مجلس قوانین کے اراکین سے بھی ملے اور ان سے بھی یہی خواہش
ظاہر کی۔ اس ملاقات کے وقت پنڈت مدن موہن مالویہ۔ پنڈت موتی لال نہرو۔ مسٹر
جناح مسٹر سرینواس اینگار اور راجہ صاحب محمود آباد موجود تھے۔ بعض خواتین نے پرزور
طریقہ پر رسم و رواج کم عمری کی شادی اور سن بلوغ کی اصلاح کے لئے توجہ دلائی اور لیڈروں نے
ان کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا کانفرنس نے طبقہ اناث کی تعلیم کی اشاعت کے لئے
چندہ کی تحریک کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فوراً ہی تیس ہزار روپیہ جمع ہو گیا۔ یہ بھی قرار دیا گیا کہ
تعلیم کے ساتھ ساتھ بنی نوع انسان کی خدمت کا خیال دلایا جایا کرے۔

سروجنی نائیڈو صاحب نے اپنی تقریر میں فرمایا "آج مغرب اور مشرق ایکجا طبقہ
اناث کی یگانگت ظاہر کر رہے ہیں۔ یہ ایسی یگانگت ہے جس کو کوئی منتشر نہیں کر سکتا۔
ہندوستان ہی سرسوتی اور پروتی کا گھر رہ چکا ہے ہندوستان کا مطمح نظر اس کے
باشندوں کی حد تک محدود نہیں رہا ہے بلکہ اس کا مطمح نظر ان تمام اقوام کا مطمح نظر ہو گیا ہے جو
اس سے واقف ہیں"۔ دہلی کی میونی سپالٹی نے کانفرنس کے نمایندوں کا استقبال کر کے خود
اپنی عزت بڑھائی۔ مسز آلہ دیوی چودھرانی نے اس کا ذکر یوں کیا ہے۔

دہلی کے دارالسلطنت میں ہندوستان کا طبقہ اناث طبقۂ ذکور کا مہمان تھا سینکڑوں کی
تعداد میں مسلمان۔ ہندو۔ یہودی۔ پارسی۔ عیسائی عورتیں آئیں۔ بڑے ہال میں جو چھوٹی
چھوٹی میزیں لگی ہوئی تھیں ان کے اطراف بیٹھیں اور دہلی کے میونی سپالٹی کے اراکین کو ہر شام کا
استقبال کرنے کا موقع دے کر ہمیشہ کے لئے ممنون احسان کیا۔

مہمانوں کی طرف سے جواب دیتے ہوئے مسز نائیڈو نے بیان کیا کہ دہلی صرف قانون ہی نہیں بنے گا بلکہ اس میں ہندوستان کی نئی نسل پیدا ہوگی۔ انہوں نے امید ظاہر کی کہ وہ دن آئے گا کہ دہلی کی میونسپالٹی میں شہری باپ کے ساتھ شہری ماں بھی نظر آئے گی۔

افسوس کہ اس کانفرنس کا خاتمہ ایک حادثہ کے ساتھ ہوا مسز پروفی اماں بورلی نمایندہ ایک حادثہ میں فوت ہوگئیں۔ مسز اماں بڑی کارگزار تھیں۔ وہ بنگلور کے ڈسٹرکٹ بورڈ کی ممبر اور مہالہ سیوا سنکھا کی پریزیڈنٹ تھیں۔ ان کی خدمات کے صلہ میں حکومت برطانیہ نے ان کو ۱۹۲۷ء میں قیصر ہند کا تمغہ عنایت کیا۔ طبقہ اناث کی ترقی کو ان کی موت سے بڑا صدمہ پہنچا ہے۔

ہر نقطہ نظر سے یہ کانفرنس بہت ہی کامیاب رہی اس سے ثابت ہوا کہ جتنی ہندوستانی عورتیں دور دراز سفر طے کرکے دہلی میں جمع ہوئیں ان سب کا واحد مقصد تھا کہ ہر ممکنہ طریقہ سے عورتوں کی ترقی کی کوشش کی جائے۔ ۱۹۲۷ء کانفرنس کے نمایندوں نے اپنی اعلیٰ کوششوں سے نامید وطن پرستوں میں جو اس بات کو بھولے ہوئے ہیں کہ عورتوں کی آزادی سے مردوں کی آزادی مشروط ہے نئی جان ڈال دی۔ اس کانفرنس کے منتظمہ کانفرنس کی قراردادوں کو عملی جامہ پہنائیں۔ ہم امید کرتے ہیں کہ یہ تحریک بس کی معمولی ابتدا ہوئی لیکن جس کو قابل قدر امداد ملی ہندوستان کی فلاح و بہبود میں کچھ نہ کچھ کئے بغیر نہیں رہے گی۔

خوش نویسی

(از)

مولوی سید تفہیم علی صاحب ایم اے۔ مدرسہ تحتانیہ مستقر بیدر

اصول فن خطاطی پر یہ مضمون لکھا گیا ہے۔ مضمون اگرچہ نیا نہیں ہے لیکن ترتیب و خیالات کے تسلسل کے قطع نظر اس کی اشاعت سے مضمون نگار کی ہمت افزائی مقصود ہے جو ایک مدرسۂ تحتانیہ کے مدرس ہیں فقط

(المعلم)

نہایت ہی دلچسپ محبوب طبع فن ہے۔ لیاقت و استعداد علمی تو پوشیدہ رہتی ہے اظہار کا یہی ذریعہ واحد ہے جب کوئی خوش خط پیش نظر ہو جاتا ہے تو دل کو مسرت ہوتی ہے گویا روح کی ضیافت کے لئے خوان نعمت ہے انسانی فطرتی جاذبہ خوبصورتی و حسن ہے جس سے فرحت و مسرت ہوتی ہے جلد متاثر ہو جاتا ہے۔ تحریر کا حسن خوش نویسی ہے۔ انسانی خوبصورتی کے لئے اعضاء کے عمدگی کی ضرورت ہے۔ کشادہ پیشانی بلند بینی۔ مدور شکل۔ سیاہ چشم۔ سڈول جسم صاف رنگت اسی طرح خطاطی کے حسن کے لئے دائروں کی خوبی اشکال کی خوبصورتی۔ بہترین پاکیزگی میل تمیلاپ میں الفاظ کے ہر واحد لفظ کی صفائی۔ سطر بندی کا لحاظ۔ الفاظ کے نشست کی نزاکت کاغذ کی صفائی سے خط نہایت ہی مجلا مثل آئینہ صاف اور بہت ہی خوبصورت نظر آتا ہے۔ خوش خط کو بار بار دیکھنے سے زیادہ مسرت ہوتی ہے اگرچہ کہ اس کو کسی ایسے شخص نے لکھا ہو جو استعداد علمی سے عاری ہے برخلاف اس کے لایق و فایق مضمون نگار جس نے استعداد علمی کے لئے محنت برداشت کی ہے مگر زشت خط ہو اس کی خطاطی سے

طبیعت پر خوار اثر پڑتا ہے اس سے ثابت ہے کہ یہ فن کاتب کا اعلیٰ کمال ہے عام
اس کی بھی تعلیم ازبس و نہایت ہی ضروری ہے۔ گزشتہ تعلیم میں خوش نویسی کا زیادہ
لحاظ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ گزشتہ نوے فی صدی خوش نویس تھے۔ خوش خطی کے لئے
اوقات مدرسہ کے علاوہ ہوم ورک کی بھی سخت پابندی کی جاتی۔ اولاً ان کو قلم دی جاتی
قلم بنانے کا کیا قاعدہ ہے۔ نیز کیا چیز ہے نگاف کیوں دیا جاتا ہے حسن و قبائح سے واقف
ہونے کے بعد خطاطی کے عام اصول و قواعد بتائے جاتے قلم کی گرفت کس طرح ہونا چاہئے
اور وقتاً فوقتاً الفاظ کی بندش جوڑ توڑ میل بیل کے موقع پر کس طرح استعمال کرنا چاہئے۔
ان قواعد سے واقف ہونے کے بعد چوبی تختی جس پر سفید کھڑیا لگائی جاتی مشق ابتدائی کے لئے
قلم سے نشان کیا جاتا۔ طالب علم کی نشست کا سخت انتظام کیا جاتا۔ آج طالب علم بیچ تلین
خطاطی میں مصروف ہے گزشتہ اس کو فرش پر دوزانو بٹھایا جاتا تاکہ اس کی نشست سے
خطاطی پر مفید اثر پڑے۔ نشان کردہ حرف ا۔ ب۔ ج۔ د۔ ر۔ س۔ پر بغیر سیاہی
صرف زبان قلم سے متعدد مرتبہ مشق کرتا اس کے بعد سیاہی سے باہستگی و احتیاط کامل کے
ساتھ سیاہی سے لکھ دیتا۔ اس کی اصلاح ملاحظہ مکرر سے کی جاتی۔ بار بار ان حرفوں کو لکھایا جاتا
خاطر خواہ حرفوں کی صحت ہوتی والسلام تک مشق کا سلسلہ جاری رہتا۔ اور دوبارہ ان حرفوں سے شروع
تا آخر ہر واحد لفظ کی مشق کروائی جاتی۔ اس کے بعد الفاظ کی بندش میل میلاپ کا قاعدہ بتایا جاتا۔
دو حرفی سہ حرفی چہار حرفی پنج حرفی الفاظ کی مسلسل مشق کی جاتی۔ اس کے ساتھ ہی یہ قطعہ دیا جاتا
قلم گفتہ کہ من شاہ جہانم صرف یہ مصرعہ اتنے مرتبہ لکھایا جاتا کہ ہر واحد حرف و ہر واحد لفظ کی
صورت و شکل بندش دائرے سطر موزونیت وغیرہ بہترین ثابت نہ ہوتے۔ جب یہ
ثابت ہو چکے۔ قلم کرا کر بدولت میر سامان کا دوسرا مصرعہ نشان کیا جاتا۔ طالب علم کی نگرانی
یہ معقول انتظام تھا۔ پوری مشق سامنے ہو۔ اگر بدبخت باشد من چہ دانم کی مشق شروع کی جاتی
اور ہر ناقابل و محتاج توجہ دائرے پر نشان کیا جاتا۔ ہوم ورک میں نشان زدہ لفظ کی بیس

...یں مرتبہ مشق کی جاتی۔ اور اس مشق کی اصلاح کی جاتی اور دوسرے ... وہ الفاظ جو ہوم ورک میں درست نہیں پائے گئے تھے دوبارہ ہوم ورک وہی یا جاتا ہے روز ثانی حسب مرضی نہ پائے جائیں تو اپنے روبرو بتایا جاتا۔ اور ہوم ورک پھر وہی دیا جا... بار ثانی سے اصلاح کی جاتی۔ ولے ایکبار بدولت میسر سانم کا چوتھا مصرعہ دیا جاتا اس طرح روزآنہ مشق کا یہی سلسلہ جاری رہتا۔ نیا قطعہ طالب علم کو اس وقت تک نصیب نہ ہوتا جب تک کہ وہ ثابت نہ کردے اس کے لفظ دائرے بندش سطر بندی نشست موزونیت کے ساتھ بجنسہ ... جیسے ہیں یا نقل ہے۔ اور نیا قطعہ اس وقت میسر ہوگا جب کہ استاد اور شاگرد کی خطاطی دونوں میں سرمو اور بالکل فرق نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ گزشتہ تعلیم یافتہ یہی کہتے ہیں کہ ہمارا خط کیا ہے گویا استاد کا خط ہے ایک دوسرے کی تصویر ہیں۔ اس کے لئے تاوقتیکہ مستقل مزاجی کے ساتھ ایک عرصہ تک مشق نہ ہو یہ ممکن نہیں کہ استاد کے خط کا مقابلہ کرنے لگے۔ اس کے بعد کاغذ پر لکھنے کی اجازت دی جاتی اور ہر وقت یہی تاکید رہتی کہ دائروں کی خوبصورتی کا خیال رکھو سطر بندی اچھی ہو کاغذ کی صفائی کو مقدم جانو۔ قابل اصلاح الفاظ کا سلسلہ جاری رہتا ہوم ورک ... مشق کی جاتی اور جب طالب علم تعلیم سے فارغ ہو جاتا۔ تو وہ ایک پختہ کاتب خوش نویس بن جاتا۔ جس کے دائرے درست ہر واحد لفظ خوشنما سطر بندی مثل موتی کی لڑی۔

آج کل زمانہ حال میں فی صدی نوے زشت خطاہیں۔ ابتدائی تعلیم زمانہ تحتانیہ میں ہولڈر کا استعمال شروع کر دیتے ہیں۔ مشق اور خطاطی کی جانب توجہ نہیں ہوتی جب سطانیہ میں ترقی ہوئی تو حساب۔ جبر و مقابلہ۔ زبان دوم فن معلومات وغیرہ چند کاپیوں کا تعلیم کے ساتھ اضافہ ہوتا ہے۔ اور اکثر طلبا ایسے شکستہ الفاظ میں ان کی تکمیل کرتے ہیں۔ کہ ان کی لکھی ہوئی تحریر خود وہ صاف طور پر نہیں پڑھ سکتے۔

اس سے بھی فارغ ہوئے اور فوقانیہ کی تعلیم آغاز ہوئی۔ تو کثرت وعدم فرصتی کی وجہ بالکل موقع نہیں ملتا۔ یہی وجہ ہے کہ آج زمانہ حال کے تعلیم یافتہ فی صدی نوے زشت خط میں نظر آتے ہیں۔ اگر زمانہ گزشتہ کی نقل پر قائم رہیں اور اس کی اتباع کریں تو فی صدی نوے خوش نویس بن جائیں گے۔ ابتدائی تعلیم کے ساتھ مدرسہ تحتانیہ یا طبقہ تحتانیہ ہی سے اس فن کی جانب توجہ ہو تو آیندہ بآسانی تعلیم کے ساتھ خوش نویسی پر بھی حاوی ہوا جا سکتا ہے۔

تبصرہ

ریاست میسور کی تعلیمی حالت | ریاست میسور کے سررشتہ تعلیمات کی رپورٹ حال میں شائع ہوئی ہے جس کی ابتدا ہی میں یہ بتلایا گیا ہے کہ مدارس کے لئے ممکنہ اور موزوں کے فراہمی اور دیگر سہولتوں کے بہم پہنچانے میں خانگی اشخاص سررشتہ ہائے صدہا ہیں اور یہ رعایا کے اس احساس کا کہ ملک کی حقیقی فلاح و بہبودی کے لئے تعلیم ضروری ہے" ثبوت ہے

پھر اس کے اعداد و شمار سے واضح ہوتا ہے کہ سال زیر تنقید میں خانگی و سرکاری مدارس کی مجموعی تعداد ۸۲۱۲ رہی جن میں ۳۱۹۵۱۷ طلباء درج رجسٹر رہے۔ قابل تعلیم آبادی کے لحاظ سے طلباء و طالبات کا فی صد ۳۶٫۴۵ رہا اور صرف طلباء کا فی صد لحاظ قابل تعلیم آبادی مذکور ۵۷٫۶۷ اور طالبات کا فی صد بلحاظ قابل تعلیم آبادی اناث ۱۴٫۶۱ رہا۔ تعلیم پر بالواسطہ و بلاواسطہ تقریباً جملہ ۶۱ لاکھ روپے صرف ہوئے یعنی مالگزشتہ کے مقابلہ میں (بقیہ صفحہ ۵) روپیہ کا زاید خرچ پڑا اس مجموعی خرچ کے منجملہ

لاکھ روپیہ صرف ابتدائی تعلیم پر خرچ ہوئے۔ مدرسین کی کمی کی وجہ سے جماعت ہائے
تحتانیہ میں داخلہ کو محدود کر دینا پڑا۔ ناظم صاحب تعلیمات نے طلبا کی بڑی ہوئی تعداد کے
پیش نظر زائد مدرسین کی تقرر کی تجویز پیش کی ہے جس پر (۵۲ ہزار) زاید صرف ہوں گے
یہ تجویز منظوری کے زیر غور ہے۔

تعلیم نسواں تعلیم نسواں پر جملہ تقریباً ۱½ لاکھ صرف ہو رہا ہے۔ تعلیم نسواں کی اس "خرامان
رو" کی ایک یہ وجہ بھی قرار دی جا سکتی ہے کہ تعلیم نسواں کے ضلع کوئی مستقل پالیسی
اختیار نہیں کی گئی یہ بتلایا گیا ہے کہ داخلہ کی اس طرح انتخاب کی پابندی کرائی جاتی ہے
جو طلباء کے لئے تجویز کیا گیا ہے یعنے طالبات کا نصاب بہت زیادہ علمی اور لڑکیوں کے لئے
غیر موزوں ہے۔ صنف نازک کی معاشرتی ضروریات اور ان کی ذہنی اور جسمانی
موزونیت کے پیش نظر تعلیم نسواں پر نظر ثانی و مسئلہ مجلس تعلیم کے زیر غور ہے۔ تعلیم
نسواں کی سست رفتاری کے اسباب میں تربیت یافتہ اور درس و تدریس کے پیشہ کے
موزوں معلمات کی کمیابی کو بھی دخل ہے۔ اس کی اصلاح کے لئے ناظم صاحب تعلیمات کی رائے
ہے کہ معلمات کی تربیت کے لئے ایک مرکزی مدرسہ قائم کیا جائے۔ ناظم صاحب تعلیمات
اس سے متعلق تفصیلی تجاویز مرتب و پیش کرنے کے لئے لکھا گیا ہے۔

پست اقوام کی تعلیم پست اقوام کے مدارس اور طلباء و ہردو کی تعداد اس سال بڑھ گئی ہے
اس سال کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ مدارس مذکور کی "طالبات" کی تعداد میں اضافہ ہوا ہے
تین اقامتی مدارس وسطانیہ واقع میسور۔ تمکور چک بالگلور کا کام قابل اطمینان رہا۔ طالبات
کی ایک بڑی تعداد نے تحتانوی تعلیم کی تکمیل کر لی ہے اور تعلیم وسطانی حاصل کرنا چاہتی ہیں
جس کے لئے ایک اقامتی مدرسہ وسطانیہ نسواں کی ضرورت بتلائی جا رہی ہے۔ ایسے
مدرسہ کے قیام کی تجویز ناظم صاحب تعلیمات نے پیش کی ہے جو حکومت کے زیر غور ہے
اگر مالی حالات اجازت دیں تو عملی طور پر جلد مجوزہ مدرسہ کا قیام عمل میں آجائے گا۔

بالک ... کا مرکز شہر کے ایک آباد حصہ میں "ماتا بالک سیوا (MATA CHILD WELFARE) کے ایک بدید مرکز کے قیام کی دلچسپ رسم ادا کی گئی اس موقع پر شہر کی متمو خواتین صفائی و بلدیہ اور انجمن سوشیل پرگرس کے متعدد اراکین موجود تھے۔ سر ٹاڈ ہنٹر کے۔ سی۔ ایس۔ آئی صدر نشین "ماتا بالک سیوا ٹرسٹ" واقع گمبالا نے افتتاح کا اعلان کیا

[illegible]

عالی جناب نواب مسعود جنگ بہادر ناظم تعلیمات ملک سرکار عالی عنقریب وظیفہ حسن خدمت پر سبکدوش ہونے والے ہیں۔ نواب صاحب معزنے اپنے زمانہ نظامت میں سررشتہ ہذا کو جس معیار ترقی پر پہنچانے کی کوشش فرمائی وہ اظہر من الشمس ہے۔ اعلیحضرت بندگانعالی متعالی نے ازراہ قدردانی ذریعہ فرمان مبارک ارشاد فرمایا ہے کہ نواب صاحب کی روانگی کے وقت ان کی حسن کارگزاری پر اظہار خوشنودی کیا جائے۔ نواب صاحب ممدوح کو الوداع کہنے کے لئے بلدہ حیدرآباد میں ارکان تعلیمات کی ایک [illegible] کا قرارداد ہوا ہے جس میں حسب ذیل تجاویز منظور کرکے ان کی اطلاع اضلاع پر بھی روانہ کی ہے۔

[illegible]

۱۔ نواب مسعود جنگ بہادر کی خدمت عالی میں ایک کاسکیٹ پیش کرنا۔

۲۔ جمع شدہ چندہ کی حد تک وظائف اور تمغہ جات تقسیم کرنا۔

۳۔ نواب مسعود جنگ بہادر کے وظیفہ حسن خدمت پر تشریف لے جاتے وقت حیدرآباد میں عصرانہ کا انتظام کرنا۔

۴۔ مقاصد بالا کے غرض سے تنخواہ کا زیادہ سے زیادہ (۱/۸) فی صدی چندہ جمع کرنا لیکن کوئی چندہ جبریہ طریقہ پر حاصل نہیں کرنا۔

مزید قرار پایا کہ تمام چندہ جات ۷ مرداد ۱۳۳۷ف سے قبل وصول ہو جائیں تجاویز بالا کے وصول ہو جانے کے بعد مستقر گلبرگہ میں ان کو عمل پذیر لانے کے لئے ایک کمیٹی مقرر ہوئی۔ جس کے حسب ذیل اراکین ہیں۔

۱۔ مولوی سجاد مرزا صاحب	۵۔ مولوی عبدالسلام صاحب
۲۔ " عبدالستار صاحب سجانی	۶۔ " عبدالجبار صاحب
۳۔ " سید معین الدین صاحب	۷۔ " شاہ محمود پیر صاحب
۴۔ مشر کے بال سر منیم صاحب ایر	

اس کمیٹی نے حسب ذیل عہدہ دار منتخب کئے۔

صدر۔ مولوی سجاد مرزا صاحب معتمد۔ مولوی سید معین الدین صاحب

خزانہ دار و شریک معتمد ..... مولوی شاہ محمود پیر صاحب۔

یہ قرار پایا کہ۔

(۱) تجاویز مذکورہ کی اطلاع مہتمم صاحبان ناظر صاحبان تعلیمات اضلاع و صدر مدرس صاحبان مدارس ثانویہ کو دی جائے۔

(۲) مدارس مرقومہ کے علاوہ تعلیمات سے دلچسپی رکھنے والے بھی چندہ دے سکتے ہیں

(۳) اس کمیٹی میں آج جو کارروائی ہوئی ہے۔ اس سے حیدرآباد کی کمیٹی کو اطلاع دی جائے

نوٹ۔ چونکہ بلدہ میں جو چندہ جمع ہوگا وہ عصرانہ کی ضروریات کے لئے بہ طرح کافی ہوگا۔ اور عموماً اضلاع والے عصرانہ میں شریک نہ ہو سکیں گے۔ اس لئے اضلاع کے وصول شدہ چندہ کی بڑی مقدار ضلع داری یا سمت داری وظائف یا تمغہ جات وغیرہ میں صرف ہو سکے گی۔

ف۔ رقم چندہ مع تفصیلی فہرست مدارس ثانویہ سے راست اور مدارس تحتانیہ سے بتوسط مہتمم صاحبان متعلقہ خزانہ دار کے پاس ۷ مرداد ۱۳۳۷ف تک روانہ کر دینی چاہیے

صدر مہتمم صاحب دعلہ : فقر صدر مہتمی گلبرگہ سے مبلغ (ماہے) بحساب دس فی صدی فوراً وصول ہو گئے ہیں۔

(۲) دفتر نظامت تعلیمات کے عہدہ داران اور اہلکاران کی جانب سے نواب مسعود جنگ بہادر ناظم تعلیمات کی ایک فلمی تصویر بھی تیار کرائی جارہی جو دفتر میں آویزاں کی جائے گی۔

بڑی مسرت کی بات ہے کہ پیشکشی ایڈریس اور کاسکٹ کی منظوری دے کر نواب صاحب عالی جناب مہاراجہ سر صدر اعظم بہادر نے ملازمین بریاست کو تعلیمات کو جناب نواب مسعود جنگ بہادر کے اظہار عقیدت کرنے کا موقع عطا فرمایا ہے۔

سر جہانگیر نے مخصوص پارسیوں کے لئے ایک اعلیٰ درجہ کا مدرسہ بنانے اور سر چٹاپار نے تامل یونیورسٹی قائم کرنے کے لئے علی الترتیب پندرہ اور بیس لاکھ روپیہ چندہ دیا ہے۔

ٹراونکور کی ریاست میں گراجویٹ عورتوں کی اتنی تعداد ہوگئی ہے کہ ان کو تلاش روزگار ستارہی ہے۔ حال میں ان کے چند نمایندے مسٹر واس دیوان ریاست کی خدمت حاضر ہوئے اور بے روزگاری کے انسداد کی درخواست کی دیوان نے ان کی مدد کرنے کا وعدہ کیا اور خیال ظاہر کیا کہ تعلیم یافتہ عورتوں کو محکمہ مال اور فوج میں ملازمت دی جاسکے گی نمایندوں نے آخرالذکر محکمہ میں ملازمت کرنے سے اظہار ناراضگی کیا۔

بنگال میں درجہ متوسط بے روزگاری سے سخت پریشان ہے۔ فرید پور کے کلکٹر نے رائے دی ہے کہ بے روزگار تعلیم یافتہ اشخاص کو ایک سال تک زراعت کی تعلیم دے کر پندرہ بیگہ زمین تین سال تک کے لگان سے معافی کے ساتھ معہ دوسو روپیہ نقد

ی چاہئے۔ ایسے اشخاص کو خود ہی کھیتی باڑی کرنا پڑے گا اور وہ اس سے باز نہیں ہوں گے۔ حاصل کردہ زمین پٹہ پر دیں یا نوکروں سے اس میں کام لیں۔ ہمارے تعلیم یافتہ اشخاص کی عادت ہو زمین دے کر اس طرح مدد کی جائے تو بہت خوب ہو۔

ایک ماہر کا خیال ہے کہ ہکلانے کی اصل وجہ یہ ہے کہ بچے پھڑوں میں کافی ہوا نہیں جاتی یہ خیال بالکل غلط ہے کہ وہ لوگ ہکلاتے ہیں جن کی زبان میں کچھ عیب ہوتا ہے زبان کا اس سے تعلق نہیں ہے۔ چنانچہ اس تشخیص کے بعد سے نئے طریقہ پر علاج کرنے کی کوشش جاری ہے

محکمہ تعلیمات صوبہ پنجاب کی پنج سالہ رپورٹ مظہر ہے کہ گزشتہ پانچ سال میں تعلیم کے ہر شعبہ میں غیر معمولی ترقی ہوئی ہے۔ طلبا کی تعداد جو ۲۲-۱۹۲۱ء میں ۶۲۶۶۹ تھی ۲۷-۱۹۲۶ء میں ۱۱۸۲۷۳۶ ہو گئی۔ اس طرح گویا پانچ سال کی قلیل مدت میں ۵۵۶۰۴۶ کا اضافہ ہوا۔ آبادی کے لحاظ سے طلبا، زیر تعلیم کا تناسب ۲۲-۱۹۲۱ء میں ۳۰۳ فی صدی تھا جو ۲۷-۱۹۲۶ء میں ۵۰۷ فی صدی ہو گیا۔ اگر صرف لڑکوں کی تعداد شمار کی جائے تو یہ تناسب ۹۰۳۲ فی صدی ہو جاتا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستان میں پنجاب کے زیر تعلیم طلبا، کا تناسب قابل قدر ہے۔ کل خرچ تعلیم ۲۷-۱۹۲۶ء میں ۲۸،۷۶۵،۷۶۳ روپیہ ہوا جو ۲۲-۱۹۲۱ء کے خرچ سے بقدر ۹۸۰۳۴۷۶ روپیہ زیادہ ہے۔

اس رپورٹ میں معائنہ مدارس کے بابت چند خیالات کا اظہار کیا گیا ہے جو ہمارے ناظر صاحبان کے غور کے قابل ہیں۔ "آج کل ناظر صاحبان مدارس کا یہی کام نہیں کہ لڑکوں کا امتحان لے لیا اور مدرسہ کے حسابات کی جانچ پڑتال کر لی بلکہ ان کا بڑا فرض ہے کہ وہ اپنی توجہ عام تعلیمی مسائل شلاً تعلیم کی توسیع و اصلاح، سن اشخاص کی تعلیم اور اشاعتی کاموں پر بند دل کریں" جدید ناظر

محض ممتحن نہیں ہوتا بلکہ اس کا اہم کام تعلیم کے متعلق جدید خیالات پھیلانا اور صدر مدرس کو دوستانہ مشورہ دینا ہے

صوبہ پنجاب کے سررشتۂ تعلیمات کے قواعد مدارس خانگی میں جو جدید دفعہ کا اضافہ کیا گیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ خاص حالات میں مدارس کی امداد بغیر نوٹس دئے بند کر دی جا سکتی ہے غالباً یہ مدرسہ کے منتظمین کو سیاسی تحریکات میں حصہ لینے سے باز رکھنے کے لئے کیا گیا ہے ظاہر ہے کہ منتظمین مدرسہ حکومت کے خلاف جدوجہد کریں تو ان کے مدرسہ کے طلباء ان کے خیالات سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اور اسبات کو کوئی حکومت جائز نہیں رکھ سکتی

یکم امرداد سنہ رواں کو مدرسہ وسطانیہ لاتور مدرسہ فوقانیہ خمانیہ کا درجہ حاصل کرے گا اور مدرسہ فوقانیہ انگریزی گلبرگہ شریف اور مدرسہ وسطانیہ یادگیر میں جدید اسکیمات کا عمل ہو جائے گا۔

بمقام لاتور اقوام پست یعنے دھیڑ وغیرہ کے لئے ایک مدرسہ تحتانیہ قائم کیا گیا صوبہ گلبرگہ شریف میں یہ اپنی وضع کا پہلا شاہی مدرسۂ تحتانیہ ہے جو اس بدنصیب قوم کو علم سے آراستہ کرنے کے لئے قائم کیا گیا ہے اب تک صرف مستقر عثمان آباد پر علاوہ مخصوص کا ایک مدرسہ تحتانیہ تھا جس میں دھیڑوں کی تعلیم ہوتی ہے۔

فرزنان آبل نے ایک موٹر کار تیار کی ہے جس کی رفتار فی گھنٹہ چار سو تیس میل ہے اور خیال ہے کہ رفتار اس سے زیادہ بھی ہو سکتی ہے۔ اس وقت تک لوگ کپتان سیگریف کی سن بیم موٹر کی دو سو میل فی گھنٹہ کی رفتار پر عش عش کرتے تھے لیکن اس جرمن موٹر نے تو تمام عالم کو محو حیرت کر دیا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ غیر معمولی تیز رفتاری کے باعث

موٹر مذکور میں سے شعلے نکلنے لگتے ہیں اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ موٹر کے پچھلے حصہ میں آگ لگی ہوئی ہے۔

ذرائع آمد و رفت میں آئے دن وہ وہ انقلابات ہو رہے ہیں کہ مدرسین جغرافیہ کو نہایت ہی باخبر رہنے کی ضرورت ہے۔ فرانسیسی کپتان کوئے اور لیفٹننٹ بری اپنے ہوائی جہاز میں ٹوکیو سے روانہ ہو کر سیدھے ہانائے پہنچے جو دو ہزار پانچ سو میل کے فاصلہ پر ہے وہاں چند گھنٹے قیام کر کے پھر جو روانہ ہوئے تو ایک ہزار تین سو ساٹھ میل طے کر کے کلکتہ پر اتر پڑے۔ یہاں سے پھر چار پانچ گھنٹے کے توقف کے بعد چل پڑے اور ایک ہزار چار سو بیس میل اڑ کر کراچی پر دم لیا اور ساڑھے تین گھنٹے بعد پھر (بصرہ) کی جانب روانہ ہو گئے اس زمانہ میں کلکتہ سے جاپان تک ایک ماہ کا راستہ ہے۔ جو فرانسیسی ہوا باز نے دو روز میں طے کر دکھایا۔

برطانیہ عظمیٰ میں پانچ سو باسٹھ کروڑ پتی اور چار ہزار پانچ سو لکھ پتی ہیں۔

انگریزی زبان میں دو لاکھ پچاس ہزار الفاظ ہیں۔ جو فرانسیسی۔ جرمن اور اسپانوی زبانوں سے بقدر ستر ہزار زیادہ ہیں۔

ایک اطلاع مظہر ہے کہ کابل اور تاشقند میں ہوائی جہازوں کا سلسلہ قائم ہو گیا ہے اس وقت تک بوشہر سے اسکو تک ہوائی جہاز باقاعدگی سے اڑ رہے تھے اب افغانستان بھی روس اور یورپ سے قریب تر ہو گیا ہے قدیم زمانہ میں کابل سے تاشقند تک کا سفر تیز رفتار اونٹوں پر ایک ماہ کی مدت میں پورا ہوتا تھا۔ لیکن اب وہی سفر صرف آٹھ گھنٹے میں ختم ہو جاتا ہے۔

تجویز ہوئی ہے کہ لندن میں ایک مسجد بنائی جائے جس کا نام "مسجد نظامیہ" ہو اعلیحضرت بندگان عالی نے اس کار خیر میں مبلغ پانچ لاکھ کا شاہانہ عطیہ دیا ہے ممدوح الشان کی منظوری سے ہر سہ پائیگاہوں نے بھی ایک ایک لاکھ روپیہ کے چندہ کا اعلان کیا ہے۔ لارڈ ہیڈلے جو فراہمی چندہ میں مشغول ہیں خیال کرتے ہیں کہ تعمیر مسجد کے لئے جملہ پندرہ لاکھ رقم درکار ہوگی

مسلمانان ہند مقیم لندن نے مسٹر امیر علی و دیگر اشخاص کے دستخط سے لندن میں مسلمانوں کا ایک قبرستان بنانے کے لئے اپیل شائع کی ہے۔ ان کا بیان ہے کہ مسلمانوں کے لئے کوئی قبرستان نہ ہونے کے باعث تجہیز و تکفین بالکل خلاف احکامات شرعیت ہوتی ہے۔ اگر نصف لاکھ روپیہ کا سرمایہ فراہم ہوجائے تو ایک قبرستان بن جانے علاوہ غریب مفلس مسلمانوں کی تجہیز و تکفین کا انتظام بھی ممکن ہوگا۔ چندہ کی رقم مسٹر موصوف کو بمقام لندن روانہ کی جاسکتی ہے۔

کابل میں تین بڑی تعلیم گاہیں ہیں جن کے نام یہ ہیں۔ حبیبہ۔ امانیہ۔ امانی ان میں علی الترتیب انگریزی۔ فرانسیسی اور جرمن زبانوں کی تعلیم ہوتی ہے۔ کابل میں یونیورسٹی قائم کرنے کی تجویز زیر غور ہے۔

لندن اور وانکوور (امریکہ) کے مابین ٹیلیفون کا تعلق ہوگیا ہے۔ سائنس کی بدولت اب سات ہزار میل کے فاصلہ پر سے آپس میں بات چیت ہونے لگی ہے۔

لندن سے ایڈنبرا تک ایک ایسی ریل چلانے کا انتظام ہوا ہے جو ۳۹۲ میل کا راستہ طے کرنے میں ایک منٹ کے لئے بھی توقف نہیں کرے گی۔

گزشتہ زمانہ میں سفر جز تعلیم متصور ہوتا تھا۔ ہمارا کوئی ایسا عالم نہیں گزرا ہے جس نے سخت ترین مصیبتیں برداشت کرکے سفر نہ کیا ہو۔ نئی تعلیم کے ساتھ پرانی باتیں بھی ختم ہوگئیں لیکن عجیب بات ہے کہ اس دور میں بہت سی پرانی باتیں نئے جامعہ میں نظر آتی ہیں۔ اور تکمیل تعلیم کے لئے سفر جز لاینفک ہوگیا ہے۔

سیاحوں سیاحوں میں بھی بڑا فرق ہوتا ہے۔ کوئی ہفتہ ایسا نہیں گزرتا کہ بمبئی کے بندرگاہ میں امریکن مسافرین سے لدا ہوا ایک آدھ جہاز نہ آتا ہو۔ لیکن اس کے آنے اور جانے کی کانوں کان خبر بھی نہیں ہوتی۔ ایک سیاح ہمارے امیر امان اللہ خاں شاہ افغانستان ہیں جس روز سے انہوں نے اپنی پہاڑی ملک کے باہر قدم رکھا ہے تمام عالم شور مچ گیا ہے۔ یورپ کے اخبارات کے صفحات بادشاہ و ملکہ کی تصاویر اور ان کے ملک کے حالات سے بھرے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ایشیا کی خوش قسمتی ہے کہ اس ایک گم نام ملک میں ایک ایسی زبردست ہستی پیدا ہوگئی جس کے آگے بڑی سے بڑی قوت نے سر جھکا دیا۔

آج تک کسی سیاح نے کسی ملک کی ایسی سیر نہیں کی جیسی کہ شاہ افغانستان ممالک یورپ کی سیر کر رہے ہیں۔ شاہ ممدوح انگلستان میں صرف تین ہفتہ رہے لیکن ملک کا کوئی حصہ اور وہاں کے باشندوں کی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہ تھا جس کا آپ نے معائنہ نہ فرمایا ہو۔ آپ ہوائی جہاز پر اڑے۔ تحت البحر کشتی میں بیٹھے۔ بحری اور بری مصنوعی جنگ ملاحظہ فرمائی کارخانہ جات دیکھے۔ فٹ بال میچ دیکھا۔ گھوڑ دوڑ میں شریک رہے۔ اکثر و بیشتر مواقع پر ملکہ صاحبہ آپ کے ہمراہ رہیں۔

ہندوستان کے پبلک اسکول کے لئے جو وائسرائے بہادر کی سرپرستی میں قائم ہو رہا ہے۔ ایک مرکزی مقام کی تلاش تھی۔ بنگلور۔ بھوپال وغیرہ کی تجاویز زیر غور تھیں نواب صاحب بھوپال نے تو اس اسکول کے قیام میں ایسی دلچسپی کا اظہار کیا کہ اپنے دارالحکومت بلا قیمت وسیع اراضی دینے کا اعلان کر دیا۔ بالآخر تصفیہ یہ ہوا کہ اسکول مذکور ڈیرہ ڈون میں قائم کیا جائے۔ چنانچہ اس انتخاب کا سرکاری طور پر اعلان بھی کر دیا گیا ہے ڈیرہ ڈون کسی صورت میں بھی ہندوستان کا مرکزی مقام تصور کیا نہیں جا سکتا۔ ہم کو اندیشہ ہے کہ جنوبی کئی لوگ بالخصوص اس کے فوائد سے محروم رہیں گے۔

ہندو یونیورسٹی کے پروفیسر اور آل انڈیا ایجوکیشن آف ٹیچرس کے صدر مسٹر شیشادری نے اپنی اختتامی تقریر کے دوران میں کہا کہ "نواب مسعود جنگ بہادر ناظم تعلیمات کی کوشش سے ریاست حیدرآباد نے بہت تعلیمی ترقی کی ہے۔ ان کی اور ان کے ساتھیوں کی مساعی جمیلہ سے جامعہ عثمانیہ تعلیمی دنیا میں قدم بڑھا رہی ہے۔ میں نے بھی جامعہ عثمانیہ کا معائنہ کیا اور مجھے یہ دیکھ کر بڑی مسرت ہوئی کہ کامیابی کے ساتھ اعلیٰ ترین تعلیم زبان اردو میں دی جا رہی ہے۔ دیسی زبان کو ذریعہ تعلیم قرار دینے میں مجھے جو شکوک تھے جامعہ عثمانیہ کے معائنہ کے بعد رفع ہو گئے"۔

حکومت احاطہ مدراس نے تعلیم یافتہ اشخاص کی بے روزگاری کے وجوہ دریافت کرنے کے لئے ایک کمیٹی مقرر کی تھی جس نے بہت کچھ تحقیق و غور و خوض کے بعد اپنی رپورٹ پیش کر دی ہے۔ کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ ممالک محروسہ سرکار عالی میں بھی بے روزگاری کے وجوہ دریافت کر کے انسدادی تدابیر اختیار کی جائیں۔

خلیفہ کو معزول کرنے کے بعد ترکوں نے جو دستور حکومت تیار کیا تھا اس کی ایک اہم دفعہ یہ تھی کہ "اسلام حکومت کا مذہب ہے" حال ہی میں مجلس وضع قوانین نے بالاتفاق ہو کر اس دفع کو منسوخ کر دیا اور یہ ظاہر کر دیا کہ حکومت ہر مذہب و ملت کے لئے یکساں ہے اس لئے اس کے ساتھ کسی مذہب کی خصوصیت نہیں ہونی چاہئے۔

سر جارج گیرسن نے تیس سالہ محنت کے بعد ہندوستان کے تیس کروڑ سے زیادہ باشندوں کی کل زبانوں کے متعلق ایک جامع رپورٹ تیار کر لی ہے جس کا پہلا حصہ شائع ہو گیا ہے موصوف کی تحقیقات میں ثابت ہوا کہ اس وقت ہندوستان میں سات سو تیس زبانیں بولی جاتی ہیں۔ ان میں سے ایک سو اناسی زبانیں ایسی ہیں جو لٹریچر (ادب) رکھتی ہیں باقی یعنے پانچ سو پچپن بول چال تک محدود ہیں۔

سر جارج گیرسن کا بیان ہے کہ آسام کی بعض قومیں جو لباس کی ضرورت تک محسوس نہیں کرتیں۔ ایسی زبان بولتی ہیں جن کو اب تک دائرہ تحریر میں بھی نہیں لایا گیا ہے۔ برخلاف اس کے ہندوستان کے دیگر حصص میں ایسی زبانیں بھی موجود ہیں جن کا دو دو ہزار برس سے لٹریچر (ادب) موجود ہے اور ان زبانوں میں ان کے لٹریچر (ادب) میں دن دونی رات چوگنی ترقی ہو رہی ہے۔

یکم مئی سے قاضی پیٹ سے بلہار شاہ تک ریل چلنے لگے گی۔ اور وہ دن دور نہیں ہے کہ عادل آباد جو ریاست حیدرآباد کا کالا پانی کہلاتا تھا اچھے ضلعوں میں شمار ہونے لگے گا۔ بعض کا خیال ہے کہ اعلیحضرت بندگان عالی جن کی توجہ شاہانہ سے یہ ریل تیار ہوئی ہے یکم مئی کو اس کا افتتاح فرمائیں گے۔ اس ریل کے چلنے سے مدراس اور دہلی میں بارہ گھنٹے اور پانچ سو میل کی کمی ہو گئی ہے۔

محکمہ صنعت و حرفت ممالک محروسہ سرکار عالی نے حمایت ساگر کے قریب بڑے پیمانہ پر نمایشی زراعت کرنے کا تصفیہ کیا ہے۔ اس کے ساتھ موتیشی خانہ بھی ہوگا جہاں اعلیٰ درجہ کی گائیں بھینس رکھی جائیں گی اور ان کی پرداخت کے طریقے اور دودھ کا استعمال بتلایا جائیگا

ممالک محروسہ سرکار عالی میں بعض مقامات پر آب نوشی کی بڑی قلت ہے۔ مسٹر میک سن کو حال ہی میں انسدادی مدابیر اختیار کرنے کے لئے مامور کیا گیا ہے سنا گیا ہے موصوف سب سے پہلے ضلع رائچور میں اپنا کام شروع کریں گے

ڈاکٹر ہیرالڈ مین ماہر زراعت کو آبپاشی کے متعلق تفصیلی رپورٹ تیار کرنے کے لئے دو ہزار روپیہ ماہوار پر سال بھر کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔ موصوف نے نظام ساگر پر چارم آبپاشی کرنے کے بابت نہایت اہم تجاویز پیش کی ہیں۔

ڈاکٹر صاحب موصوف ہندوستانی زراعت سے ایسے واقف ہیں کہ آج کل ان کا جواب نہیں ہے۔ آپ نے احاطہ بمبئی میں برسوں زراعت کا کام کیا ہے۔ زراعت پر متعدد کتابیں لکھی ہیں اور اپنی دلچسپی اور مزارعین سے ہمدردی کے باعث ہر جگہ ہر دل عزیز رہے ہیں۔

کلکتہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر کی اس وقت تک کوئی تنخواہ مقرر نہیں تھی اس مرتبہ یہ تصفیہ ہوا کہ وائس چانسلر کی تنخواہ دی جائے جس کی مقدار ڈھائی ہزار روپیہ ماہوار ہو۔ پروفیسر جگوناتھ سرکار موجودہ وائس چانسلر نے اس عطیہ کو قبول کرکے پوری کی پوری رقم کلکتہ یونیورسٹی گریجویٹس کی تعلیم کے لئے وقف کردی ہے۔

---

*

*

مکتبہ ابراہیمیہ

دورِ عثمانی کا اولین مکتبہ ہے۔ جو ایک عرصہ سے اہل ملک کی علمی ادبی خدمت گزاری میں مصروف ہے ملک کے کثیر تعداد میں یہی ایک مکتبہ ہے جس نے کتب بینی کے مذاق کو پبلک میں اُبھارا اور تعلیمی و علمی کتابوں کی نشر و اشاعت سے ملک میں تصنیف و تالیف کی تحریک کی پرچار کر رہا ہے۔ اس کی جانب سے دماغی کاوشوں کے لئے ہر وقت ہونہار اور لائق اردو افشا پردازوں کو صلائے عام ہے۔ حال ہی میں ابنائے ملک کے مشترکہ سرمایہ سے انجمن ہائے امداد باہمی سرکار عالی کے تحت مکتبہ کی رجسٹری کرائی گئی ہے۔ تاکہ عوام الناس بھی اس علمی ادارہ میں شریک ہو کر اپنی اجتماعی مالی قوت سے ملک کو علم و ادب کی دولت سے مالا مال کریں ضمناً اس سے مالی منفعت بھی حاصل کریں۔ مکتبہ میں اردو کتابوں کا بڑا ذخیرہ موجود ہے اور ہر وقت اردو کی جدید مطبوعات جو ہندوستان میں شائع ہوا کرتی ہیں مہیا کرتا ہے۔ درسی کتابیں نیز تعلیم کی متعلقہ کتابیں آلات تجربہ آلات سائنس بچوں کے عام مطالعہ کی کتابیں عورتوں کے مذاق کی کتابیں طلبا کے امتحان کی کتابیں مدارس کے کتب خانوں کے قابل کتابیں اور اردو کے مشہور علمی ادبی ماہوار رسالے اور مطبوعہ فارس یہ سب چیزیں مکتبہ سے دستیاب ہو سکتی ہیں۔ ان کے علاوہ خود مکتبہ بھی وقتاً فوقتاً تعلیمی اور علمی ادبی کتابیں شائع کرتا رہتا ہے۔ اس کی شائع کردہ کتابیں ملک میں خراج تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ اب اس نے ایک ماہوار علمی رسالہ بھی مجلہ مکتبہ کے نام سے جاری کیا ہے جس کا پہلا شمارہ شائع ہو چکا ہے اس میں علم و ادب لطیف کے بہترین نمونے موجود ہیں اس رسالہ کی سالانہ قیمت (عہ) اور ششماہی (عہ) ہے اس کی خریداری میں سہولتیں پیدا کی گئی ہیں تاکہ حتی الامکان ہر شخص بلکہ مکتبہ سے مستفید ہو۔ مدرس صاحبان بھی اس رعایت سے بہت کچھ فائدہ اٹھا سکتے ہیں یعنی بمنت یا بدقعات (عہ) روپے کی درسی و دیگر کتابیں خریدنے پر سال بھر اچھا کے لئے رسالہ مفت جاری ہو سکتا ہے (عہ) روپیہ کی مطبوعات مکتبہ

مکتبہ ابراہیمیہ نے جو تعلیمی کتابیں شائع کی ہیں ان کو بک کمیٹی سررشتہ تعلیمات ملک سرکار عالی نے منظور کر کے بذریعہ گشتیات مدارس سرکار عالی کے نصاب تعلیم میں داخل کر لیا ہے۔ یہ کتابیں ملک کی تعلیمی ضروریات کو مدنظر رکھ کر جدید طریقہ تعلیم کے اصولوں پر لائق اور معتبر کارسانذہ سے لکھوا کر شائع کی گئی ہیں اور کتابوں سے تعلیمی کورس اور ذہنی تربیت کی تکمیل کما حقہ ہو سکتی ہے طرز بیان عام فہم زبان سلیس چکنا کاغذ چکنا چھپائی عمدہ ہے

(۱) حمایت الاسلام برائے جماعت صغیر	قیمت	۴ر۲ھ	(۶) حمایت الاسلام برائے جماعت چہارم قیمت ۱۴ر
(۲) ر ر مع ضمیمہ برائے مدرسین	قیمت	۷ر۶ھ	(۷) معلومات دینی حصہ اول برائے جماعت سوم ر ۲ر۶ھ
(۳) ر ر برائے جماعت اول	قیمت	۷ر	(۸) ر ر دوم ر چہارم ر ۴ر۶ھ
(۴) ر ر	دوم قیمت	۶ر۶ھ	(۹) جغرافیہ ریاست حیدرآباد برائے جماعت
(۵) ر ر	سوم قیمت	۱۲ر	چہارم و پنجم قیمت ۱۲ر

مکتبہ کی شائع کردہ علمی ادبی کتابیں۔

جن کے متعلق ہندوستان کے مشاہیر اہل قلم نے بہترین رائیں دی ہیں حسب ذیل ہیں یہ کتابیں ہر کتب خانہ میں رہنے کے قابل ہیں ان کی چھپائی چھپائی اور کاغذ عمدہ ہے۔

(۱) درس اردو مصنفہ محمد ضیاء الدین صاحب ہاشمی منشی فاضل	عہ	(۵) مبادی فلسفہ از میر حسن الدین صاحب بی اے ال ال بی	۱۴ر
(۲) خیابان اردو مولفہ احمد عارف صاحب	۱۲ر	(۱۰) اسوۂ حسنہ مصنفہ احمد علی تنویر صاحب مدرس اول مدرسہ سلطانی بی اے	۸ر
(۳) ر ر مصنفہ غلام محی الدین صاحب قادری ایم اے	عہ	(۱۱) آثار الکرام حصہ اول مصنفہ حکیم سید اللہ صاحب قادری ایم اے ال ال بی	۱۲ر
(۴) تنقید و مقالات ر ر	۱۲ر	(۱۱) شاہ رفیع الدین قندھاری مولفہ محمد عبدالغفور صاحب عابد	۵ر
(۵) اردو کے اسالیب بیان ر ر	عہ	(۱۳) خزینہ اخلاق از سید عبدالقادر صاحب عزیز	۶ر
(۶) محمود غزنوی کی بزم ادب ر ر	۱۲ر	(۱۴) سیر زمین (نظم) از سید غلام مصطفے صاحب	۱ر
(۷) دنیا افسانہ مصنفہ محمد عبدالقادر صاحب سروری ایم اے ال ال بی	عہ	(۱۵) نیک بی بی (نظم) ر ر	۲ر
(۸) جواہر کلیات نظیر مرتبہ سید غلام مصطفے صاحب و مختار احمد صاحب	عہ	(۱۶) چھوماشیاں (نظم) ر ر	۱ر

حسب ذیل ماہانہ رسالے بھی مکتبہ سے مل سکتے ہیں

نیرنگ خیال	۵ر۱ھ	معارف	۹ر۴ھ	عالمگیر (خاص نمبر)	عہ
عالمگیر	۵ر۱ھ	ہمایون	۹ر۴ھ	نیرنگ خیال (عید نمبر)	عہ
عصمت	۵ر۱ھ	زمانہ	۹ر۴ھ	زمانہ (جوبلی نمبر)	۱۴ر
مبات	۲ر۴ھ	مخزن	۷ر	مخزن (سالانہ نمبر)	عہ
نگار	۹ر۴ھ	مجلہ مکتبہ	۶ر	نگار (موسمی نمبر)	عہ

ملک کا علمی خدمتگار۔

مکتبہ ابراہیمیہ دامنی (محدود) اسٹیشن روڈ حیدرآباد دکن

ہجری شمسی ۱۳۳۷ شاہ نمبر ریجان گریم ۲۰۶۵

جلد چہارم نمبر ۹

المعلم

ع

اردی بہشت سنہ ۱۳۳۷ ف

محمد سجاد مرزا ایم اے اکنٹ

قواعد

(۱) یہ محض تعلیمی رسالہ ہے جس میں تعلیم کے مختلف شعبوں کے متعلق مضامین درج ہوں گے سیاسی مضامین شریک نہ کئے جائیں گے۔

(۲) یہ رسالہ ہر ماہ فصلی کے پہلے ہفتہ میں شائع ہوگا۔

(۳) پرچہ وصول نہ ہو تو ہر ماہ فصلی کی ۲۵ تاریخ تک خریدار صاحبان بحوالہ نمبر خریداری حال فرمائیں

(۴) جو مضامین ناقابل طبع متصور ہوں گے اُن کی واپسی خرچہ ڈاک کی روانگی پر منحصر ہوگی۔

(۵) اس رسالہ کی قیمت سالانہ (پیشگی) معہ محصول ڈاک ہے جو پیشگی لی جائے گی۔

(۶) نمونہ کا پرچہ چھ آنہ کے ٹکٹ وصول ہونے پر ارسال کیا جائے گا۔

(۷) جواب طلب امور کے لئے جوابی کارڈ وصول ہونا چاہئے ورنہ ادائی جواب میں مجبوری رہے گی

(۸) اجرت طبع اشتہارات درج ذیل ہے رقم وصول ہونے پر اشتہارات طبع کئے جائیں گے۔

تعداد مدت	صفحہ	نصف صفحہ	ربع صفحہ
ایک بار	۵	۳ ۸ ر	۲ ۸ ر
۶ بار	۲۵ ۸ ر	۱۵	۳ ۸ ر
ششماہ	۳۰	۲۵ ۸ ر	۱۵
سالانہ	۶۰	۳۰	۲۵ ۸ ر

(۹) جملہ مراسلت و ترسیل رقوم من آرڈر وغیرہ پتہ ذیل پر ہونی چاہئے۔

دفتر رسالہ العلم بلگرامی ہوز سانچہ توپ
حیدرآباد دکن

شاد نمبر

المعلم

فہرست مضامین

(۱) تصویر سنگ بنیاد کتب خانہ عام گلبرگہ شریف

(۲) صدرت نامہ — عالیجناب راجہ راجایان راجہ سرکشن پرشاد مہاراجہ بہادر یمین السلطنتہ جی۔ سی۔ آئی۔ ای (۱ تا ۱۹) صدر اعظم باب حکومت سرکار عالی

(۳) تنصیب سنگ بنیاد کتب خانہ عام گلبرگہ شریف — مولوی مرزا عصمت اللہ بیگ صاحب عصمت (۲۰ تا ۲۸)

(۴) معائنہ مدرسہ فوقانیہ عثمانیہ گلبرگہ شریف — مولوی عبدالستار صاحب سبحانی بی اے بی ٹی صدر مدرس (۲۹ تا ۴۲)

(۵) معائنہ مدرسہ فوقانیہ انگریزی گلبرگہ شریف — بال برامیم صاحب ایر بی اے بی ٹی صدر مدرس (۴۳ تا ۵۰)

(۶) معائنہ مدرسہ فوقانیہ عثمانیہ رائچور — ڈی بی کامٹ صاحب بی اے بی۔ ٹی (۵۰ تا ۶۱)

(۷) معائنہ مدرسہ فوقانیہ عثمانیہ عثمان آباد — مولوی مرغوب الدین صاحب بی اے بی ٹی صدر مدرس (۶۲ تا ۶۷)

(۸) معائنہ مدرسہ خانگی ہمدرد رائچور — پی کشن راؤ صاحب وکیل ہائیکورٹ بانی مدرسہ (۶۸ تا ۷۱)

(۹) معائنہ مدرسہ خانگی نوتن ودیالہ گلبرگہ — جناردھن راؤ صاحب وکیل ہائیکورٹ متہمد مدرسہ (۷۱ تا ۷۵)

(۱۰) مرقع ترقی تعلیم صوبہ گلبرگہ شریف — پیش کردہ مولوی سجاد مرزا صاحب ایم۔ اے۔ (کنٹب) صدر مہتمم تعلقات صوبہ گلبرگہ شریف (۷۶ تا ۸۲)

جلالتمآب راجہ سر شاد مہاراجہ بہادر مہاراجہ بہادر سلطنت

جی۔ سی۔ آئی۔ ای

اکرم اب حکومت سرکار عالی

آج کہ علم اور علماء کم اور دولت صدیوں سے یکجا ہو کر
رہ گیا کے بہت سے ایسے ممالک ہیں جن کی تاریخ
ایک بھی ایسی مثال نہ ملتی کہ وہاں کوئی عالم عمل یا دولتمند باعلم گزرا ہو
لیکن ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہندوستان ایسی لاجود ہستیوں سے خالی نہیں رہا ہے
ہمارے ملک میں یہاں ایسی مثالیں موجود ہیں کہ صدیوں تلاش میں بادشاہوں اور
راجہ نیوی جاہ وحشمت نے فقیری اختیار کر جنگل کی راہ لی ہے وہاں ایسی
مثالیں بھی ملتی ہیں کہ بادشاہ گدڑیاں پہنے۔ پڑھنے۔ رہنے سہنے کے
لحاظ سے بزرگوں عظمت نے سادہ اور عالمانہ زندگی بسر کی ہے
بادی النظر میں یہ سب کچھ زمانہ حال کی ادبار کی گہری گھٹائیں صفحات تاریخ پر
محدود دکھائی دیتا ہے لیکن حقیقت سے کوسوں دور ہے دور حاضر میں عالی جناب
راجہ راجایان راجہ سرکشن پرشاد مہاراجہ بہادر یمین السلطنت صدر اعظم بابا حکومت
سرکار عالی کا ہستی کا سرسری مطالعہ ماضی کی تصویر جیتی جاگتی کر دکھاتا ہے۔

عالی جناب مہاراجہ سر صدر اعظم بہادر بتاریخ ۲۸ فروری سنہ ۱۸۶۴ء پیدا ہوئے
آپ کے والد بزرگوار راجہ ہری کشن بہادر تھے جنہوں نے مہاراجہ نواب سر شاد بہادر کی
اکلوتی صاحبزادی سے شادی کی تھی مہاراجہ بہادر اولاد نرینہ سے سرفراز نہ ہوئے

پس انہوں نے عالی جناب

ان کے انتقال کے بعد ا ی نے ا کو مورو ثی

س پر تمام محرا سہ میں ہر طرف خوشیاں منائی

تمام دفاتر کو دو یوم کی تعطیل دی گئی ۱۹۰۱ء میں جناب ن

عظیم الشان عہدہ سے سرفراز ہوے اور رتبہ راجا

معہ جواہرات بیش قیمت عطا ہوا۔ ۱۰ نومبر ۱۹۰۱ء

اور اپنی دانشمندی و تدبر کارگزاری کے سلہ میں ہز

عزت و اہمیت میں شہرت ہی سے کم ۲

سمجھا جاتا ہے۔ جناب ممدوح الشان کی قا ت اور ہر دلعزیزی کی

شہرت جب تمام ۱۱ مشہور ہوگئی تو سرکار عظمت مدار نے ۱۹۰۳ء اس کا اعتراف

اور ۱۹۰۳ء میں کے ۔ ی ۔ ای ۔ اور اس کے بعد ۱۹۱۱ء میں جو ۔ آئی ای

خطاب دیا۔ آخر الذکر خطاب عموماً روسا ا جاتا ہے اس

کیا جاسکتا ہے کہ جناب ممدوح کی غ وطن ر صلحت مدار کو کس

پاس ہے۔

یوں ۔ ۃ ٹوڈرمل کے خاندان۔ ذاتی قابلیت۔ اوصاف حمیدہ اور اہم ترین عہدہ کے

باعث مہاراجہ سر صدر اعظم بہادر کی بڑی شہرت ہے لیکن جناب ممدوح کی حقیقی شہرت

آپ کی اس صوفی منشی ولت علم کی وجہ سے ہے جس کی بہت کم مثالیں نظر آتی ہیں

جناب ممدوح علی درجہ کے ادیب شاعر اور مصور ہیں۔ ا یہ آپ "شاد"

کہلاتے ہیں اس تخلص کے اختیار کرنے میں آپ نے بڑی جدت اور نازک خیالی سے

کام لیا ہے ایک تو "شاد" آپ کے اسم مبارک کا آخری حصہ ہے۔ دوسرے

مہاراجہ چندولال مرحوم جن کی زندگی آپ کی مطمح نظر رہی ہے "شادان" تخلص رکھتے تھے

مدرسہ عالیہ کلکتہ

[illegible] کا ایک [illegible] اپنے [illegible] اظہار عقیدت [illegible] یا ہے

[illegible] ہی وابستگی رکھتے ہیں آپ کا قلم نہ صرف [illegible] یوان کی

[illegible] وقتاً فوقتاً [illegible] عمدہ رسالہ میں طبع ہوتا رہتا ہے۔

[illegible] نے جو احسانات کئے ہیں وہ ہمیشہ یادگار رہیں گے آپ نے

[illegible] "محبوب الکلام" سائل شائع فرما کر نوخیز اردو ادب میں

[illegible] ایسی عمدہ اور قابل تقلید مثالیں قائم فرمائی جس کے

[illegible] کی [illegible] داتی امداد فرما [illegible] وہ آپ نے

[illegible] کسی [illegible] [illegible] [illegible] حوصلہ افزائی سے کم [illegible] دریغ نہیں فرمایا۔ [illegible] جلیل

پنڈت رتن لال سرشار سب آپ کے رہین منت ہیں۔ [illegible] حیدرآباد میں شعراء کا مجمع

آپ ہی کی بدولت ہوا اور اس وقت ہندوستان [illegible] یہ بھی ایسی ہستی نہیں ہے جو

آج [illegible] علما اور شعراء کی قدر کر رہی ہو۔ ان مشاغل کے باوجود آپ فن مصوری کے

[illegible] دیدہ ریز فرزند [illegible] دیدہ ریز فرزند میں ایسے ماہر ہیں کہ اچھے اچھے

مصور آپ کے آگے سر نہیں اٹھا سکتے قطع نظر اس کے آپ کی زبردست خصوصیت

یہ ہے کہ آپ ایک صوفی منش عالم ہیں۔ گو آپ امیرزادے امیر ہیں لیکن طبیعت کی

سادگی یگانہ روزگار ہے۔ آپ کا عقیدہ ہے کہ امرا کی دولت غربا کی رفع ضرورتوں

چنانچہ آپ اس پر عمل فرماتے ہیں اور بے دریغ خیرات کرتے رہتے ہیں۔

آپ جیسے امیرزادے امیر مدبر [illegible] فاضل صوفی کے [illegible] ذات تشنہ گان علم کے لئے

چشمہ فیض ہیں اس ناچیز کی خوش قسمتی ہے کہ تعلیم کے متعلق آپ کے تازہ ترین خیالات

اور معائنہ مدارس کے حالات "المعلم" کے ایک نمبر میں جس کا نام حسب اجازت شاد نمبر

رکھا گیا ہے شائع کرنے کی عزت حاصل کی جاتی ہے۔

ناچیز مدیر

جناب من! میرے رفقاء و طلبائے عزیز و معزز حاضرین! بلحاظ اس ذاتی تعلق
جو مجھ کو اس جامعہ سے ہے اس تقریب تقسیم اسناد میں آپ سب کا خیر مقدم کرنا
مجھ پر فرض ہے۔ جامعہ عثمانیہ کی تیسری اسناد کا جلسہ صرف اولے رسم کی ایک تقریب نہیں ہے جو اور یونیورسٹیوں میں بھی ہر سال ہوا کرتی ہے بلکہ یہ وہ تقریب ہے جس میں ہر سال اہل ملک کی نگاہیں جامعہ کے ان ابنائے وطن طیلسانیین کی طرف اٹھتی ہیں جنہوں نے اپنے ملک اور اپنی زبان میں تعلیم حاصل کی ہے جن کی ذہنی، اخلاقی اور عملی جہد و بہد پر آئندہ
اقتصادی ارتقاء کا دار

اس نوع کے ان طیلسانیین کے دلوں میں اگر وہ ہونہار جوان
اور عملی زندگی کے محرک ہو سکتے ہیں تو ہمیں یقین ہے کہ وہ دن قریب ہے جب کہ ابنائے جامعہ کے مقاصد کو پورا ہوتے ہوئے دیکھیں گے۔

ہمارے موجودہ فرماں روا اعلیحضرت ملکہ کے عہد سعادت مہد کی ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ
اس دور حکومت سے وہ زمانہ شروع ہوتا ہے جو ہماری تاریخ کے لحاظ سے تمام ہندوستان میں صرف جامعہ عثمانیہ کو حاصل ہے دکن کا عہد زریں کہلا سکتا ہے۔

تعلیم کے مقاصد کو پورا کرنے والے عالمین دو ہیں ایک "فطرت" دوسرے "
فطرت سے مراد طالب علم کا وہ جوہر قابل ہے جو قدرتی اسباب کی بنا پر اس میں موجود ہے اس کے ابھارنے یا سنوارنے کا نام تربیت ہے۔ کسی قوم و ملت کی ذہنی اور اخلاقی تربیت اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتی جب تک کہ ارباب تعلیم اس کی قومی خصوصیات و روایات اور انفرادی مذاق و رجحان اور دوسری فطری قابلیتوں کو مدنظر رکھ کر ان کی زبان میں تعلیم دیں ماہرین تعلیم کے نزدیک یہ امر مسلم ہے کہ بجائے غیر زبان کے وطنی زبان کو تعلیم کا ذریعہ قرار دینا قومی ترقی کا پہلا زینہ ہے۔ اس لحاظ سے جامعہ عثمانیہ کو جو اہمیت حاصل ہے وہ ظاہر ہے مگر کیا ہم صرف اردو زبان کو تعلیم کا ذریعہ قرار دے کر یہ سمجھ لیں کہ اب ترقی کی شاہراہ

وی ہم ان منازل کو باسانی ... ے چلے جائیں گے جو اس راہ میں
ہیں ... ان ... میں صعوبتیں ہیں ان کے برداشت کرنے پر ایک طرف ... اب تعلیم کو
دوسری طرف تمام اہل ... اور خصوصاً جامعہ کے فارغ التحصیل نوجوانوں کو بھی آمادہ رہنا چاہیئے
ہوں کہ تعلیمی مقاصد کی تکمیل کا اخلاقی فریضہ اُن پر بھی ہے۔ نصاب تعلیم کی ایک مناسب تنظیم
ضروری ہے جب تک اس کے لئے عملی تدابیر اختیار نہ کی جائیں ایک مقررہ اور محدود نصاب کی
[illegible] علمبرداری جامعہ کی علمی جدوجہد محدود رہے گی۔
[illegible] تاریخ کی ورق گردانی ... موجودہ طرز تعلیم [illegible] سیاسیین کی صرف ایسی
[illegible] رہا ہے جن ... [illegible] ہی حصول معاش کا ذریعہ ہے ... سے ... یافتہ
کی تعداد کے ساتھ معاش مسائل کی پیچیدگیاں بھی بڑھتی جاتی ہیں۔
اس پر اس اعتراض کا امکان ہے کہ اعلیٰ تعلیم کا ... سے ذہن کی نشوونما اور علمی
شرافت مقصود ہے معاشی سودمندی کے معیار پر نہیں جانچنا چاہیئے۔ مگر صرف ادبیات اور
تاریخ وغیرہ کے ایک مقررہ [illegible] طرح اعلیٰ تعلیم کے مقاصد کو پورا کر سکتی ہے
اعلیٰ تعلیم کے مقاصد صرف اسی وقت پورے ہو سکتے ہیں جب ادبی ماحول اور عالی مذاقی کی
ایسی فضا پیدا کی جائے جو علمی جدوجہد تحقیق تصنیف و تالیف کے حق میں [illegible]
بیشتر جہاں ایسی فضا ہے وہاں اعلیٰ تعلیم کے مقاصد صرف معاشی سودمندی کے معیار پر
نہیں جانچے جاتے۔ مگر ہمارے ملک میں موجودہ اقتصادی حالات کے نظر کرتے ایک ایسے
نظام تعلیم کی ضرورت ہے جو ذہنی نشوونما (کلچر) کے ساتھ معاشی و اقتصادی پہلو کو بھی نظر انداز
نہ کرے۔

انسان کو جو فوقیت موجودات ارضی پر حاصل ہے اور اشرف المخلوقات کی عزت سے
معزز اور مفتخر ہے جو نص قرآنی سے ثابت ہے وہ صرف اس کے تفکر و تجسس کا نتیجہ ہے جس کی
بدولت اس نے کتاب فطرت کا مطالعہ کیا۔ بغیر اس قابلیت کے تہذیبی ارتقاء کے

سنار[illegible] گزرے کر سکتا کتاب [illegible] پیمانہ اس کے گوناگوں [illegible]
باہمی ربط و تعلق یہ سب ہیں کہ انسان کے قلب و دماغ پر ایسے پُر اسرار اثرات پیدا کرے
جو ایک طرف حق شناسی اور دوسری طرف عالم شناسی کی محرک ہو۔ انسانی قلب و دماغ کے
انہیں دو رخ کا نام ہے خدا پرستی اور علم دوستی یا "مذہب" اور "علم" پر اس کا تمام جد و جہد
دار و مدار ہے جس کے مجمل تذکرہ کا نام تاریخ تمدن ہے۔

حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ علیہ السلام جیسی مقدس ہستی عارف باللہ اور عشق کا
عارفانہ قول ہے کہ "علم انسان کو چیزیں سکھاتا ہے یعنی حق شناسی عالم شناسی، خود شناسی حق شناسی
اور عالم شناسی کے ساتھ [illegible] شناسی پیدا ہوتی ہے"۔

عالم شناسی سے انسان کو کائنات کی لامتناہی وسعت اور نظام قدرت کی لا
طاقتوں سے متعلق ایسے مفید (مگر محدود) معلومات حاصل ہوتے ہیں جن کے ذریعہ سے انسان
قدرت کی طاقتوں کو اپنا محکوم بناتا ہے اور اپنی ہستی اور امکان کو بھی سمجھنے کا شعور پیدا کرنے لگتا ہے
مگر ساتھ ہی ایک پر اسرار عظمت بھی اس کے دل پر طا[illegible] ہے جو مذہب کی محرک ہے یہیں
وہ اپنی پستی کو سمجھنے لگتا ہے اور اس [illegible] باطن کو [illegible] کرتا ہے جو عبد اور معبود کے درمیا
یہی [illegible] باطن مذہب کا مختلف [illegible] تعالیٰ شکلوں میں رہی اور اسی کی وجہ سے دنیا میں باو
مادی ترقیوں کے [illegible] عقل و [illegible] کے [illegible] میان الحاد و تشکیک کو فروغ نصیب نہ ہوا۔ مذہب
قلب انسان کو تسکین و [illegible] بے ہمدردی کے شریفانہ جذبہ کو جلا دیتا ہے۔ مذہب ہی کے زیر اثر
[illegible] معاشرت، علوم نظر اور فنون لطیفہ کا [illegible] و نما ہوئی۔ خود شناسی اور حق شناسی
حقیقت ایک دوسرے کے لازم و ملزوم ہیں۔ مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ
خصلت انسانی کے عرفان کے خزانے کی کلید ہے بشرطیکہ مذہب کی تصویر افراط و تفریط کے
خط و خال سے پاک ہو۔ مگر بغیر علم و حکمت کے نہ تو خدا شناسی صحیح معنوں میں خدا شناسی ہو سکتی ہے
اور نہ خود شناسی ہی ممکن ہے۔

نزدیک تعلیم کا مقصد [illegible] ہے تعلیم انسان کو اپنے
[illegible] وجودات کے ربط باہمی کو معلوم کرنے [illegible] کا گنگ کو سمجھنے
مدد دیتی ہے۔ بالفاظ دیگر علم انسان کو اس رفعت تک پہونچاتا ہے جہاں وہ خدا شناسی
انسان شناسی مردم شناسی اور خود شناسی کے قابل بنتا ہے اور ایک مقدس پاکیزہ زندگی بسر کرتا ہے
غرض کہ حصول علم کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ انسان اپنی فضیلت اور شرافت کو سمجھے۔

انسانی ہستی کے اعلیٰ جوہر کو جلا دینے کے لئے ایک حد تک ایسی تعلیم کی ضرورت ہے
جس سے مذہبی وجدان اور اخلاق کی تربیت ہو۔ ہمارے زوشن دا
پیش نظر رکھ کر جامعہ عثمانیہ میں مذہبی اور اخلاقی تعلیم کا انتظام [illegible] مناسب سمجھا۔ تعلیم
ہمارے نوجوان کو خدا شناسی کے ذریعہ فرائض میں مدد دیتی ہے اگر مذہبی تعلیم قوم کو خدا پرستی
اور آبائی روایات کے برقرار رکھنے کی محرک ہو جو کسی مذہب و ملت کی روحانی اور مادی
ترقی میں کارآمد ہو سکتے ہیں تو اس تحریک کا ہرگز یہ منشا نہیں ہو سکتا کہ ایک فرقہ دوسرے
فرقہ کا حریف و عنید بنے۔ ہندوستان کی اقتصادی اور سیاسی ترقی اسی وقت ممکن ہے
جب مذہبی اور فرقہ واری تعصب اور تنگ نظری کا خاتمہ ہو جائے۔ مذہبی تعصب اور اس کے
ناواقف اندیش نتائج سے ہندوستان جیسے پر امن ملک میں آئے دن جو فسادات رونما ہوتے
ہندوستانی قومی زندگی کے حق میں خطرناک بلکہ مہلک [illegible] افسوس ہے کہ تنگ نظر اور
قائدین مذہب کو اپنی ذاتی دلچسپیوں کا آلہ بنا کر قوم کو تباہ کر [illegible] ان کو یہ بھی گوارا نہیں کہ
قوم کے وسیع مفہوم کا اطلاق بھی اپنے مذہب کے دائرہ [illegible] باہر غیر مذہب ہم [illegible] پر
جس ملک میں قومیت کے یہ معنے ہوں اس کی فلاح و بہبودی کی تدبیر کا کارگر ہونا مشکل ہے۔ عناد
اور تعصب کی کجروی کو مذہب کا مسلک حقیقی سمجھنے والے لوگ ہمارے اخلاق و بہبود اور
قومیت کے ارتقاء کے دشمن ہیں۔ یہ وہ جراثیم ہیں جن کے مہلک اثرات کا استیصال ہر روشن
خیال پاک مشرب تعلیم یافتہ شخص کا فرض ہے ورنہ اگر اس مہلک وبا کے اثرات خدانخواستہ

میں توسیع بلبقایہ [illegible] کارگر ہو سکے گی۔

حضرات! اس وقت [illegible] ہمارے نوجوانوں کے جذبات [illegible]

ہندوستان کی قومی زندگی کے فنا و بقا کا سوال دوسری طرف ہے۔ ہر تعلیم یافتہ محب وطن فرض ہے کہ توازن اور تقابل میں دور اندیشی سے کام لے کر قوم اور ملک کے مستقبل کا فیصلہ کرے۔ اس کے لئے اخلاقی جرأت اور کیارکٹر کی ضرورت ہے۔ کیارکٹر کی تربیت صرف بردبار اور خیر و شر سے متعلق چند قدیم و جدید خیالات کے معلوم کرنے سے نہیں ہو سکتی۔ اس کے لئے ایک ایسے ماحول کے پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ جس میں [illegible] تمہیں بدرت [illegible] اخلاقی اور اقتصادی رعمل کے نتائج رونما ہوں۔ الزام کے پیدا کرنے کی ذمہ داری بہت کچھ اُن اصحاب پر ہے جو جامعہ کی علمی جمہوریت [illegible] مقتدر ہیں۔ جامعہ کے نظام تعلیم کی تقسیم تین حصوں میں ہو سکتی ہے۔

(۱) کلچرل تعلیم جس سے طلبا کی ذہنی قابلیت کی اعلیٰ نشو و نما ہو علمی تحقیق، تنقید اور تجسس کی اہلیت طلبا میں پیدا ہو۔

(۲) صنعتی اور پیشہ وری تعلیم [illegible] کے لئے طلبا کی اہلیت اور مذاق کے جانچنے کا بھی ایک معیار ہونا چاہیئے۔

(۳) مرتبہ امتیاز تعلیم۔ ان طلبا کے لئے جو صرف امتحانات کامیاب کرنے کا شوق رکھتے ہیں۔

[illegible] کے نصاب تعلیم کی تنظیم ایک ایسے نہج پر ہونی چاہیئے جو طلبا میں علمی اور عملی قابلیتوں کے پیدا کرنے میں مدد دے۔ میری رائے میں یہ مقصد نہ تو صرف اس مقولہ کے تحت آسکتا ہے کہ "دولت علم سوائے معلومات ہے" اور نہ یہ صرف معاشی ترقی کا پیش خیمہ سمجھا جا سکتا ہے بلکہ اس کو ایک ایسے نصب العین کے تحت ہونا چاہیئے جو جامع طور پر طلبا کے علمی اور عملی نشو و نما کا محرک ہو۔ صورت حال یہ ہے کہ جو ثانوی تعلیم کو ختم کرتا ہے جامعہ کی اعلیٰ تعلیم پانے کے لئے

[illegible] لئے ہے اور [illegible] آل کرتا ہے کہ بغیر اس کے [illegible] معاشیاتی نقطۂ نظر [illegible] کا مسئلہ اہل اور لا
ایک نظر آتا ہے [illegible] اس صورت میں اعلیٰ تعلیم کے حقیقی مقصد [illegible] فوت [illegible] جانے کا امکان
اور ایک ایسے ماحول کے پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہے جو بعوض اس [illegible] کہ روح علمی کے حق میں
حیات بخش ثابت ہو سم قاتل بن جائے۔

کسی ملک کے افراد صرف ادبیاتی تعلیم پاتے اور [illegible] مذاق کے پیدا کرنے [illegible]
معاشرت و تہذیب کے مدارج طے نہیں کر سکتے [illegible] ایک جامعہ پر جا [illegible]
ہو سکتا ہے جب اس کے مختلف شعبوا [illegible] ایسے افراد نکلیں جو [illegible]
[illegible] کے حقیقی خدمت گزار ثابت ہوں۔

زرعی اور صنعتی تعلیم | ہمارے ملک میں زرعی و صنعتی ترقی کے قدرتی اسباب موجود ہیں ان سے
فائدہ اٹھانے کے لئے زرعی و صنعتی تعلیم کا رائج ہونا ضروری ہے۔ اس کے لئے جامعہ میں شعبۂ
زراعت کا قیام بھی مناسب ہوگا۔ شعبۂ زراعت کے ساتھ ایک ایسے معمل کی بھی ضرورت ہوگی
جہاں ملک کی زرعی پیداوار کے کثیر پیمانہ پر حاصل کر سکنے کے اسباب معلوم ہوں اس کی سخت
ضرورت ہے کہ جامعہ کے طلبا میں سے کافی تعداد میں یورپ یا امریکہ جا کر زرعی کیمیا کی عملی تعلیم
حاصل کریں، سرکاری اور غیر سرکاری ذرائع سے ان کو اس کی ترغیب دی جائے [illegible]
تعلیم یافتہ افراد کے وجود سے اسی صورت میں فائدہ ہو سکتا ہے جب وہ [illegible] کاری ملازمتوں اور
رقبوں کی آرزوؤں پر علمی اور ملکی خدمات کی انجام دہی کو ترجیح دیں [illegible] حد تک [illegible]
منافع کا ایثار کرنا ہوگا۔ چنانچہ اس ملک میں رئیسوں کی مسلک کوئی [illegible] ہوئی حقیقت [illegible]
دنیا کی علمی تاریخ میں ایسے لوگوں کی مثالیں بکثرت ہیں جنہوں نے [illegible] خاص شعبۂ علم میں
پیدا کرنے کے بعد علمی خدمات کی خاطر ذاتی اغراض کو پیش نظر نہیں رکھا، ان میں کتنے
ایسے ہوں گے جن کی زندگی میں ملک و قوم کی طرف سے ان کی خدمات کا اعتراف تک
ہو سکا، وہ خود بھی کسی ذاتی شہرت یا حصول سودمندی کے خواہشمند نہ تھے یہی وہ لوگ ہیں

جن [illegible] کو تقاضے [illegible] دام حاصل ہے [illegible] ولمنٹ کے بچے خدمتگزار ہیں

شعبۂ تعلیم امداد باہمی [illegible] زراعت کے ساتھ شعبۂ [illegible] باہمی کا قیام بھی مناسب ہے جس طرح یورپ [illegible] ممالک جیسے فرانس اور جرمنی میں تعلیم امداد باہمی کے شعبے قائم ہیں اسی طرح [illegible] معاشیات امداد باہمی اور عام معاشیات امداد باہمی کی تعلیم کے لئے ایک مستقل شعبۂ امداد باہمی [illegible] جامعہ میں بھی ضرورت ہے۔ اس شعبہ کے قیام کے قبل جامعہ کے [illegible] لکچرار کا پاس معاشیات کے ممتاز طلبا سانی کا امداد باہمی میں اعلیٰ سند حاصل [illegible] بھیجنا بھی مناسب ہوگا

شعبۂ تعلیمات جامعہ عثمانیہ کے وسیع کا لحاظ کرتے ہوئے ایک شعبۂ تعلیمات کے بھی قیام کی ضرورت ہے تعلیم کے اغراض اسی وقت پورے ہو سکتے ہیں جب تحتانی، وسطانی فوقانی جماعتوں کی تعلیم مناسب اصول پر دی جائے۔ ایسی تعلیم دینے کے وہی لوگ اہل ہو سکتے ہیں جو اصول و طریقہ تعلیم سے کما حقہ واقفیت رکھتے ہوں، مدرس کا صرف تعلیم یافتہ اور شائستہ ہونا اغراض تعلیم کے لئے کافی نہیں ہے اس کے لئے فن تعلیم سے واقف ہونا بھی لازمی ہے ہمارے پاس میاٹرک۔ اور ایف۔ اے پاس شدہ مدرسین کی تعلیم کا انتظام ہے۔ مگر موجودہ ضروریات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اور ان دشواریوں کا لحاظ کرتے ہوئے جو ہمارے مدرسین کو بیرون ممالک محروسہ بھیجنے میں پیش آتی ہیں، ایک ایسے شعبۂ تعلیم کے قیام کی ضرورت ہے جو بی اے اور ایم۔ اے کے مدارج تک تعلیم دے سکے۔

انتظام السنۂ مغربی علوم مغربی کے حصول کے لئے صرف انگریزی ہی کی تعلیم کافی نہیں ہے ضرورت اس کی ہے کہ فرنچ و جرمن زبان کی تعلیم کا انتظام، جیسا کہ دنیا کی اور یونیورسٹیوں میں ہے جامعہ عثمانیہ میں بھی کیا جائے۔

تحقیقات اب وہ وقت آگیا ہے کہ ہمارے طلبا سانین سائنس کی تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد سائنٹفک تحقیقات میں حصہ لیں سائنس کے مختلف شعبوں میں تحقیقات کی

سہولت پیدا کرنے کے لئے اعلیٰ [illegible] ہے جن کے لئے آن [illegible]
لحاظ سے جو [illegible] ہیں جامعہ کو ایک اقل [illegible] افہ کرنا ہوگا / ایک مناسب سٹاف کے
علاوہ اس کے لئے ایک مخصوص عمارت بھی چاہیئے جس میں [illegible] تحقیق کی ضروریات کے
لحاظ سے اعلیٰ پیمانہ پر آلات اور اسباب بجربی ثابت ہوں۔ [illegible] موجودہ جب کہ
جامعہ کے لئے مناسب اکمنہ وعمارات کا انتظام نہیں ہے یہ [illegible] ہی قدر قبل از وقت
کہ عنقریب جامعہ کے لئے مناسب [illegible] کا تعین اور تعمیر [illegible] کام شروع ہو جائے گا
اس وقت ایسے ایک مکمل [illegible] تعارف کا مسئلہ بھی پیش [illegible] گورنمنٹ کی
طرف سے تعلیمی [illegible] کے لئے کافی [illegible] تو [illegible] بھی
آئندہ بھی ایسے مصارف میں جن سے ہمارے [illegible] اور علمی [illegible] شاندار ہونے کی توقع
ہو کس ہے سرکار مزید مصارف کا بار اٹھانے میں بخدا امکان دریغ نہ کرے گی۔ [illegible] ملک میں
علم وعمل کا احیاء صرف حکومت کی یک طرفہ کوشش سے نہیں ہوا۔ یورپ کے جامعات کا
کیا ذکر برطانوی ہند کے سرکاری جامعات میں بھی [illegible] سینکڑوں عطیات واوقاف ہیں جو
علم دوست اور ذی مقدرت اصحاب کی عالی [illegible] کی مستقل یادگاریں ہیں۔ میں آکسفورڈ اور
کیمبرج جیسے بعید الوقوع مقامات تک نہ جاکر وہاں کے عطیات سے واقف نہیں کرانا چاہتا
قریب تر کلکتہ ہی کو چلئے کہ جہاں کی یونیورسٹی میں عطایائے دین کی گونج آپ کے کانوں میں
پہنچے بغیر نہیں رہ سکتی جن میں خاص طور پر کلکتہ یونیورسٹی میں صنعتی تعلیم کے لئے [illegible] بھاری
گوشِ آنجہانی کا شاندار عطیہ قابل اشارہ ہے۔ ان اچھی مثالوں کی تقلید [illegible] بھی
ممکن ہے جس کے لئے مجالس جامعہ کو بھی توجہ کرنی ہوگی۔ اس کے ساتھ میں یہ بھی کہہ دوں گا کہ
سائنس کے فارغ التحصیل طلبا اپنی علمی دلچسپی کا مواد خود بھی بخدا امکان فراہم کریں۔ دنیا کی
علمی تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ اکتشافات اور اختراعات کی دنیا میں عظیم ترین کارہائے
نمایاں اکثر وبیشتر ایسے ہی علم دوست اشخاص نے کئے ہیں جن کو اپنی ضرورتوں کے لحاظ سے

افر ہیا کرنے کا ارمان [illegible] نے یہ ثابت کر دکھایا کہ حقیقی علم دلچسپی اور تحقیقی ذہن، وجہد کے شوق کا خواہ کیسے [illegible] حیرت انگیز نتائج برآمد ہوا علمی انجام دیتا ہے۔

تصنیف و تالیف [illegible] روحِ تحقیق کے [illegible] اپنی روح تنقید اور تصانیف

و تراجم کی سرگرمی کا [illegible] ضرورت ہے۔ اردو زبان میں ایک جامعہ کے لئے علمی مواد فراہم کرنے کی ایک چھوٹی [illegible] دارالترجمہ سے توقع رکھی جاتی ہے۔ دارالترجمہ سے نصابی کتب کے [illegible] کچھ بھی کام ہوا اور [illegible] وہ بھی موجودہ حالات کے اعتبار سے قابل تحسین ہے۔ صرف درسی کتب [illegible] ترجموں سے زبان [illegible] علمی وسعت نہیں بڑھ سکتی۔ مگر ہم کو اس قلیل سرمایہ [illegible] توقع [illegible] کی ذہنی ادبی صلاحیتوں کی نشوونما جامعہ عثمانیہ کی تعلیم سے ہوں ہے اپنے لیے [illegible] ق اور رجحان کی مناسبت سے تصنیف و تالیف میں دلچسپی [illegible] کریں گے تو مجھے یقین ہے کہ ہماری زبان کو وہ دولت حاصل ہوگی جس کی [illegible] تقریباً محتاج ہے۔ مجھکو یہ معلوم کرکے نہایت خوشی ہوئی کہ جامعہ کے بعض طلبا نے اور طلبا تصنیف و تالیف کے کام میں بذات [illegible] پسی لے رہے ہیں۔ امید ہے کہ ان کی سعی و دلچسپی کے نتائج بار آور ہوں گے اور یہ ملک میں علم کے نشر و اشاعت کرنے والوں میں شمار ہونے کا امتیاز حاصل کریں گے۔ جامعہ ایک علمی اور ذہنی جمہوریت ہے جس میں ہر طلبا فی اور طالب علم اپنے حقوق و فرائض رکھتا ہے۔ ان فرائض کی ادائی بھی خاص دلچسپی اور اہمیت رکھتی ہے یہ دلچسپی وہی پیدا کر سکتے ہیں جو علمی دنیا میں رہنے اور اس کی دلفریب فضا سے لذت اندوز ہونے کی اہلیت رکھتے ہوں۔ علمی تعلیم کا سب سے پہلا لازمہ یہ ہے کہ علمی مذاق کی وسعت کے ساتھ تحقیق و تنقید کی روح پیدا ہو اور اس علمی مواد میں اضافہ ہو جو بطور ارث ہم کو اسلاف سے ملا ہے۔ صرف دوسروں کی ادبی نازک خیالیوں اور علمی اکتشافات کی داد دینے کی قابلیت پر اکتفا کرنا اس نصب العین سے دور ہے جس سے ایک جامعہ پر جامعیت کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ ادبی تنقید اور علمی تحقیق کی روح اسی وقت پیدا ہو سکتی ہے جب اس کے لئے

ایسا ماحول موجود ہو جس میں علمی بلند خیالی اور آزاد [illegible] مذہبی تعصبات اور [illegible] توہمات مفقود ہوں ایسے صحت بخش اثرات ہوں [illegible] ماحول کے ذہنی زنگ و نمایک [illegible] اور علمی خیالات کے باہمی تبادلے رائج مروج ہوں طلبا یہ محسوس کریں کہ اس علمی ماحول میں علم و تحقیق کی ایک روح اجتماعی ان کے انفرادی مسائل کی [illegible] ہے۔

علمی رسالے ایسے علمی رسالوں اور مجلوں کی اشاعت بھی ضروری ہے [illegible] علمی زندگی کے حق میں [illegible] اس موقع پر کہنا پڑتا ہے کہ [illegible] متعدد ماہواری اور سہ ماہی رسالے [illegible] علمی سرگرمی اور بیداری پیدا کرنے میں کوشاں ہیں۔ بجز دو ایک رسالوں کے اور تمام رسالہ اس معیار پر پورا نہیں اترتا۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ سائنس اور علوم و فنون کے دیگر شعبوں میں بھی اس قسم کے رسالے نکلتے ہیں جو علمی مذاق کے وسیع کرنے میں کامیاب ثابت ہوں۔ معاشیات نفسیات فلسفہ طب جدید و تشریح زراعت و فلاحت کے شعبوں میں بھی خاص کر ان کی ضرورت ہے۔

لکچرز جامعہ کے پروفیسروں کی علمی خدمات [illegible] متعلمین کی حد تک محدود رہنے سے پبلک کو جامعہ کی علم گستری سے مستفید ہونے کا [illegible] ملتا ہے۔ اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ جامعہ کی طرف سے بشرط فرصت ہر ہفتہ ایک دو لکچر پبلک کے لئے ترتیب دیا جائے جس کے ذریعہ علمی ادبی اور دیگر مفید مباحث پر روشنی ڈالی جائے اور پبلک کے مذاق علمی کو استوار کرنے کی کوشش کی جائے جیسا کہ فارسی زبان کے لئے ہمارے علم دوست داعی الاسلام آقا محمد علی پروفیسر نے ابتدا کی ہے اور برابر کام جاری ہے ایسا انتظام یقیناً پبلک کی نظر میں جامعہ کی وقعت اور سودمندی کو بہت بڑھا دے گا۔

معلمین اور متعلمین کے تعلقات معلمین و متعلمین کے تعلقات باہمی بھی کیرکٹر کے بنانے اور سنوارنے میں بہت بڑا حصہ لے سکتے ہیں معلمین کے خیالات اور برتاؤ کا غیر محسوس اثر متعلمین پر بہت جلد ہوتا ہے۔ قدیم مشرقی تعلیم میں متعلم اور معلم کا تعلق تقریباً خادم و مخدوم کا ساتھا۔

درجہ ... معلم اپنے شاگرد ... کا ... ہے۔ گو دورِ جدید کی ضرورتوں نے اس تعلق میں ایک لمبی ہو ... کی ہے جو آزادانہ تبادلۂ خیالات کے لئے اور طلباء کے کیرکٹر کے بنانے میں زیادہ موزوں سمجھی جاتی ہے۔ کلیات جامعہ کے ... ج میں معلم و متعلم کا تعلق زیادہ ہموار ہونا چاہئے۔ نوعمر طبع تازہ آزمائش پسند ہوا کرتے ہیں ... کی تقلیدی قابلیت سے مفید مطلب ... پر لگانا اور ان کے طبعی مناسب سانچہ میں ڈھالنا دانشمند معلمین کا ... ہے اگر معلمین بے ... ذہنی آزادی سے ... خصوصیات ... روایات سے برسرِ ... کھنے میں اچھی مثالیں ... گے۔

... ہوں گے اس ... کے لوازم ... میں بہت موجودہ جامعہ ... وہ غالباً جامعہ کے لئے مناسب عمارتیں اور دارالاقامہ کا نہ ہونا ہے جس کی وجہ سے جامعہ کی علمی زندگی کے عناصر کچھ تو مفقود اور کچھ پراگندہ حالت میں ہیں۔

نظام تعلیم

دارالاقامہ اقامتی ... اس نقص کے رفع کرنے کی تدابیر کو بعجلت تمام عملی جامہ پہنانا چاہئے درس دینے ... لے جامعات اور اقامتی جامعات میں یہی فرق ہے کہ اول الذکر جامعات میں معلمین اور ... ایک دوسرے سے سرسری طور پر واقف ہوتے ہیں معلمین کی صحبت کے صحت بخش ... سے متعلمین زیادہ مستفید نہیں ہوتے۔ اقامتی جامعات مطمحِ نظر ہی جداگانہ ہے۔ جدید جامعات کی تنظیم آج کل اقامتی اصول پر ہو رہی ہے۔ یہ بات آج کل تعلیم یافتہ طبقوں میں عام طور پر محسوس ہو رہی ہے کہ امتحان دینا اور اسناد حاصل کرنا موجودہ تعلیمی ضروریات کے لئے بالکل ناکافی ہے۔ یہ تو اسی عہد گزشتہ کے لئے سزاوار تھا جب کہ تحصیلِ علم اور حصولِ اسناد کا منتہائے مقصد حصولِ ملازمت سمجھا جاتا تھا۔ موجودہ تعلیم کا مقصد ایسی جماعتوں کا پیدا کرنا ہے جن میں ایثارِ نفسی کے مادہ کے ساتھ زیادہ تر آزاد پیشے اختیار کرنے والے علمی خدمات انجام دینے والے ہوں اور کچھ سرکاری خدمات کے ذمہ دار فرائض کو انجام دینے والے افراد بھی ہوں۔ دورِ حاضر کے جامعات کو وہ تمام اسباب فراہم کرنا چاہئے

جو طلبا کو اس قابل بنائیں کہ وہ تہذیب اس اور [illegible] معاشرت [illegible] سیاسی
نیا میں خود کو آزادانہ ملک اور [illegible] حوصلہ خادم ثابت کریں۔ ایوان پرنسٹن کامل کا
واسف صادق آ [illegible] عرصے دکن میں تصویر کا اسکول قائم ہے جو کسر نفس ایثار اور مکارم
اخلاق کی تعلیم [illegible] اور یہاں کی فضا میں [illegible] تعلیم جماعت کے ذریعہ [illegible] گان ملک کی ذاتی
آمادگی کے لحاظ [illegible]

تعلیم نسواں | ہماری معاشرتی اصلاح کے [illegible] نص کی ادائی میں طبقۂ نسواں کا بہت بڑا حصہ
[illegible] ہے۔ آج کل دنیا کے ہر حصہ میں نسوانی تعلیم کی [illegible] سہولتیں پیدا کی جارہی ہیں کہ جماعت کی اعلیٰ
تعلیم کے تقریباً ہر شعبہ میں عورتوں کو مردوں کے مساوی حقوق [illegible] ہیں۔ یورپ کے جماعتوں میں بھی
ایک زمانہ دراز تک عورتوں کو مردوں کے برابر شرکت کے حقوق حاصل نہیں تھے۔ انگلستان میں
۱۸۷۸ء یعنے گزشتہ صدی کے اواخر تک عورتوں کے لئے اعلیٰ تعلیم کا سدباب تھا ہاں
ہاں ابتدائی اور وسطانی تعلیم کا باقاعدہ آغاز ہو کر [illegible] سال سے زائد عرصہ نہیں ہوا نوقانی
تعلیم کا بھی آغاز ہو کر گو ایک عرصہ ہوا مگر میں جہاں آ [illegible] سال کرتا ہوں وہ برسوں تک برائے نام
رہی۔ مگر گزشتہ دس سال کے نتائج کے لحاظ کرتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ ترقی کی رفتار امید افزا ہے
حال ہی میں نام پلی زنانہ کالج میں بی۔ اے تک تعلیم کا انتظام بھی ہو چکا ہے۔ تعلیم نسواں کی
سست رفتاری کے میری دانست میں دو وجوہ ہیں۔

(۱) ملک میں تعلیم نسواں کی ضرورت کے احساس کا فقدان اور رائے عامہ کی
ناواجبی مخالفت۔

(۲) ایک ایسے نصاب تعلیم اور نظام تربیت کا نہ ہونا جس میں ہمارے ملک
اور قوم کی ذہنی اور معاشرتی خصوصیات کا کافی طور پر لحاظ ہو۔

نسوانی تعلیم میں تعلیم انتظام خانہ داری اور فنون لطیفہ کو وسعت دینا چاہئے اور اس کے
ساتھ مذہبی تعلیم کا بھی سلسلہ رہے۔ خانگی زندگی معاشرت اور تمدن کی پہلی منزل ہے۔

اس میں عورت اور مرد کے حقوق اور اختیارات یکساں نہیں ہیں۔ عورت کو ہر اعتبار سے اس میں دقت حائل ہے۔ یوں تو تہذیب معاشرت اور سرمنزل میں عورت کی ذمہ داری نسبتاً مرد سے زیادہ ہے۔ ہماری معاشرت کی جن خامیاں اور خرابیاں جہل کی تاریکی اور توہمات سے پیدا ہوئی ہیں قابل استیصال ہیں۔ کے لئے عورتوں کی ذہنیت کی تربیت اور ترقی بھی لازمی ہے۔ مرحلہ یہ ہے کہ ان کی ذہنیت کی تربیت اس طرح ہو کہ سکون کو مٹائے بغیر نہایت احتیاط سے کام لینا چاہئے۔ ذہنی تربیت کے ساتھ ان علامتی خصوصیات اور روایات کا برقرار رکھنا بھی نہایت ضروری ہے جن سے ہندوستانی نسوانیت کی روح زندہ ہے۔ ہندی عورتیں اعلیٰ تعلیم پائیں، ہر شعبہ علم و فن میں مردوں کے برابر رہیں، مگر ساتھ ہی اس کے ہندی نسوانیت کی خصوصیات کو بھی ملحوظ خاطر رکھیں۔ غیر اقوام کی کورانہ تقلید ہندیوں کی مفلس مشرقی قوم کے حق میں خودکشی ہے۔ عورتیں مردوں سے زیادہ ذکی الحس ہیں اس مناسبت سے ان کی اعلیٰ قابلیتوں کو سنوارنے کا بہترین ذریعہ فنون لطیفہ کی تعلیم ہے۔

میں نے اپنے خیالات اور مشوروں کے اظہار میں آپ سب کا بہت وقت لیا اب مجھ کو ایک خوشگوار فریضہ کی طرف جو آج کی اس صحبت سے مخصوص ہے متوجہ ہونا ہے تقسیم اسناد کے سلسلہ میں سال حال جو نام سب سے اول پیش ہو رہا ہے وہ نواب حیدر نواز جنگ بہادر کا ہے۔ حیدر نواز جنگ بہادر سرکار آصفی کے ایک مقتدر اور دیرینہ عہدہ دار ہونے کے علاوہ جامعہ عثمانیہ کی مجلس اعلیٰ کے رکن رکین اور جامعہ کے روح رواں ہیں حیدرآباد میں ایک یونیورسٹی کے قیام کا مسئلہ مختلف مقاصد کے تحت تقریباً نصف صدی سے سرکار عالی کے پیش نظر رہا ہے۔ ۱۸۸۴ء میں مسٹر بلنٹ نے حضرت غفران مکان کے نام ایک مکتوب میں ایک محمڈن یونیورسٹی کے قیام کا خاکہ پیش کیا تھا جو ایک تصور خیالی کی طرح طاق نسیاں میں رہ گیا۔ بعد ازاں میرے زمانہ مدار المہامی میں جب کہ پنجاب یونیورسٹی سے

ذریعۂ تعلیم کے عدم الحاق کی وجہ سے ذمہ داران امتحان کے لئے گوناگوں مشکلیں پیدا ہو گئی تھیں جن کو رفع کرنے میں بعض علما جیسے ڈاکٹر گھورا ناتھ اور علی حیدر صاحب طباطبائی نے اپنے طور پر عملی حصہ بھی لیا تھا۔ مولوی عزیز مرزا صاحب مرحوم نے دارالعلوم کی ترقی کے سلسلہ میں ایک ڈیوٹیشن بھی بے قیام کی سکیم بڑی محنت سے تیار کی تھی اور میں نے عبدالحلیم صاحب شرر اور مولوی شبلی نعمانی کو اس کام کے لئے منتخب کیا تھا۔ مگر تحریک جامعہ عثمانیہ کا وجود میں آنا دورِ عثمانی کے لئے مشیت نے مخصوص رکھا تھا۔ اس مہتم بالشان کام کے انجام دینے میں نواب حیدر نواز جنگ بہادر اور ان کے معاونین نے قابل قدر سعی کی۔

نواب حیدر نواز جنگ بہادر ایک علم دوست، علم پرور فاضل ہیں۔ ہندوستان کے مختلف علمی حلقوں میں آپ علمی حصہ بھی لیتے رہے ہیں جس کی وجہ سے دور حاضر کے سربرآوردہ مصلحین تعلیم میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ ایل۔ ایل۔ ڈی کی ڈگری عطا کر کے جامعہ عثمانیہ آپ کی علمی شغف کا اعتراف کرتی ہے۔ مگر آپ نے جامعہ کی خدمت جس دلسوزی اور انہماک سے کی ہے اس کا اعتراف صرف وہ شہرت کر سکے گی جو ہمیشہ بدولت آپ کا نام جامعہ عثمانیہ کی تاریخ کے ساتھ ہمیشہ وابستہ رہے گا۔ میں نہایت مسرت کے ساتھ نواب حیدر نواز جنگ بہادر کو ایل۔ ایل۔ ڈی کی اعزازی سند اور مبارکباد دیتا ہوں۔

اس خطبے کے اختتام سے پہلے مجھے چند باتیں طیلسانین کو مخاطب کر کے کہنی ہیں۔

اے طیلسانین و فرزندان جامعہ! میں آپ کو اس کامیابی پر مبارکباد دیتا ہوں جس سے آج آپ کو علمی امتیازات حاصل ہوئے۔ میری دلی تمنا ہے کہ زندگی کے ہر جد و جہد میں آپ کو کامیابی کے اعلیٰ مراتب نصیب ہوں۔ مراحل زندگی کو وہی لوگ کامیابی کے ساتھ طے کر سکتے ہیں جو میدان عمل کے تنازع للبقا میں اطمینان قلب اور اخلاقی جرات سے مزاحم کا مقابلہ کریں۔ جامعہ کی تعلیم نے آپ کے ذہنی اور اخلاقی قوی کی تربیت کی ہے۔ اب آپ کا کام ہے کہ ان تربیت یافتہ قابلیتوں کی مدد سے زندگی کے ہر دائرۂ عمل میں کامیابی حاصل کریں

تحصیل علم کے بعد سب سے پہلی فکر جو نوجوانوں کو دامنگیر ہوتی ہے وہ ذریعۂ معاش ہے۔ افسوس ہے کہ اب بھی اکثر تعلیم یافتہ نوجوان حصولِ ملازمت ہی کو بہتر ذریعہ سمجھتے ہیں جب اپنی کوششوں سے ناکامیاب ہوکر ہمت ہارتے ہیں تو ان کو خیال ہوتا ہے کہ ان کی ساری علمی محنت رائیگاں ہوئی۔ میری دانست میں وہ سراسر غلطی پر ہیں تعلیم انسان کو ان تمام قوتوں سے جن کی تربیت ہوئی ہے کام لینے کا طریقہ سکھاتی ہے۔ اگر کوئی یہ سمجھے کہ تمام قوتوں کا مصرف ایک ہی طرف ہوسکتا ہے تو اس کی عقل قابلیت محدود اور مطمح نظر پست ہے۔ پیدائش دولت کا سب سے بڑا ذریعہ محنت ہے۔ جو شخص اپنی محنت کو کسی راستے اور ٹھکانے لگانے کا پتہ رکھتا ہے اس کو دنیا کبھی تنگ و تاریک نظر نہیں آسکتی اور نہ وہ پست ہمت ہوتا ہے۔ ہمارے ملک میں پیدائش دولت کے قدرتی اسباب وافر ہیں۔ صرف صنعتی و زراعتی تعلیم کے نہ ہونے اور سرمایہ دار اہل ملک کی عدم توجہی اور کم ہمتی نے افلاس زیادہ نمایاں ہے۔ دنیا میں بعض چھوٹے ممالک ایسے ہیں جہاں پیدائش دولت کے قدرتی اسباب محدود یا تقریباً مفقود ہیں۔ مگر اہل ملک کی محنت، سلیقہ اور کاروباری تنظیم کی بدولت وہ ممالک متمول ہیں۔ یورپ میں ڈنمارک اور ہالینڈ ہی کی مثال لیجئے کہتے ہیں وہاں معدنی پیداوار تقریباً مفقود ہے۔ مگر دانشمند اہل ملک نے زراعتی ترقیوں کی بدولت ان کو ایسا بنایا کہ ڈنمارک اور ہالینڈ دوسرے مساوی رقبہ کے یورپین ممالک سے زیادہ متمول ہیں آپ کو چاہئے کہ کسی کام یا پیشے کو باعث ننگ و عار نہ سمجھیں۔ ہر ایک پیشہ لحاظ اس کے کہ وہ تمدنی ضروریات کو پورا کرتا ہے باوقعت و قابل احترام ہے۔ قدیم ہندوستان میں ذات پات کی تقسیم سے پیشوں کی تخصیص بھی ہوگئی تھی۔ تمدنی مصالح کی بنا پر کسی زمانے میں ایسی تقسیم شاید اچھی تھی۔ مگر موجودہ زمانے میں کوئی تعلیم یافتہ شخص کسی پیشے کو ذلیل نہیں سمجھتا۔ ناخواندہ جاہل اشخاص کوئی پیشہ اختیار کرتے ہیں تو اپنی اخلاقی کمزوریوں کی وجہ سے اس پیشے کو بھی دوسروں کی نگاہوں میں ذلیل کرتے ہیں۔ ہر پیشہ ور کو چاہئے کہ وہ فنی معلومات رکھے، کام سے دلچسپی اور

اس کو کامیابی کے ساتھ چلانے کا سلیقہ رکھے، دغا، فریب، وعدہ خلافی کی اخلاقی کمزوریوں کو اپنے میں پیدا نہ ہونے دے۔ ایک تعلیم یافتہ پیشہ ور میں یہ سب خصائل باحسن وجوہ جمع ہو سکتے ہیں۔

اے نوجوانو! آپ سے ملک کی توقعات وابستہ ہیں۔ ملک و قوم کی مدد آپ اسی وقت کریں گے جب اپنی آپ مدد کریں۔ وہ نوجوان نہیں ہیں جو اپنے پیروں پر آپ کھڑے نہیں رہ سکتے اور دوسروں کا سہارا ڈھونڈھتے ہیں۔ آپ کو چاہیئے کہ اس علمی مذاق اور دلچسپی کو جو جامعہ کی تعلیم نے آپ میں پیدا کی ہے، کسی حال اور کسی مجبوری میں ترک نہ کریں۔ علم ہی وہ چراغِ ہدایت ہے جس کے بغیر شاہراہ عمل اور عقل و تدبیر کی رہبری بھی بیکار رہے۔ یہی وہ خزینہ ہے جو لاتعداد دلچسپیوں کے سامان آپ کے لئے فراہم کرے گا۔

آخر میں خاص طور پر آپ سے میری یہ بھی توقع ہے کہ آپ قوائے جسمانی کی ترقی کو بھی ہمیشہ اپنی مساعی میں داخل رکھیں کہ اچھے قوائے جسمانی پر علمی ادبی اور ملکی خدمات کا پورا انحصار ہے کہ بقول کسی کے تندرست جسم مانند ایک معبد کے ہے جس میں پاک روح اور پاک خیالات رہتے ہیں۔

اب میں اپنے آقائے ولی نعمت کے حق میں دست بدعا ہوتا ہوں جس کے شاہانہ التفات سے جامعہ عثمانیہ کی علمی زندگی برقرار ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ ہمارا مالک حقیقی اپنا ظلِ رحمت ہمارے مالکِ مجازی کی صورت میں ہمارے سروں پر تادیر قائم رکھے۔

تنصیب سنگ بنا کتب خانہ عام گلبرگہ شریف

(از)

مولوی مرزا عصمت اللہ بیگ صاحب عصمت

۱۴ ماہ اسفندار ۱۳۴۷ف جب کہ عالیجناب مہاراجہ سر صدر اعظم بہادر نے کتب خانہ عام گلبرگہ شریف کا سنگ بنیاد اپنے دست مبارک سے رکھا ہمارے دلوں میں ہمیشہ نقش کالحجر رہے گا۔ اور خدا نے چاہا تو رہتی دنیا تک وہ عمارت ان تاریخی پتھروں کو اپنی آغوش میں لئے ہر آنے جانے والے کے سامنے آکر اس مبارک رسم کی یاد تازہ کرتی رہے گی وہ سماں اب تک ہماری آنکھوں میں پھر رہا ہے۔ اور ہمیشہ پھرتا رہے گا جس روز عملہ دفتر صدر مہتمی تعلیمات طلبا اور مدرسین کی متفقہ کوششوں نے گلبرگہ کو سجا کر دلہن بنا دیا تھا۔ صوبہ داری سے مدرسۂ فوقانیہ تک جا بجا خوبصورت خوبصورت کمانیں بنائیں ان کو پھول پتے۔ اور جھنڈیوں سے سجایا اور نازک اور دلفریب نقش و نگار موقعہ موقعہ سے مدحیہ اور دعائیہ اشعار لکھ کر اپنے دلی جذبات اور عقیدتمندی کا اظہار کیا۔

ان تمام گلکاریوں کا سماں تالاب کے خوش منظر پاس آکر دوبالا ہو جاتا ہے یہیں وہ قطعہ اراضی ہے جو ایک مدت سے کتب خانہ عام کے لئے محفوظ کی گئی تھی۔ آج اس کے وسط میں ایک خوبصورت شامیانہ نصب کیا گیا ہے۔ حاشیہ کے ارد گرد نہایت خوبصورت سنہری اور روپہلی جھالر لگائی گئی ہے چوبوں پر اوپر سے لے کر نیچے تک پھولوں کے گجرے لٹک رہے ہیں۔ چھت گیری کے بیچوں بیچ۔ ہار لٹکا کر لڑیوں کو چاروں طرف اس طرح کھینچ دیا ہے کہ شامیانہ پھولوں کی ایک چھتری معلوم دیتا ہے اس میں حاشیوں پر

جا بجا د[illegible] سنہری حروف سے لکھے ہوئے قطعات۔ تاریخی مادہ اور دعائیہ اشعار چمک دمک پیدا کر رہے ہیں۔ ہر طرف میزیں اور کرسیاں نہایت قرینہ سے جمی ہیں جگہ جگہ گلدستہ رکھے ہیں۔ جن میں سے زاوص۔ اور عقید تمندی کی بھینی بھینی خوشبو نکل کر ہر دماغ کو معطر کر رہی ہے۔ شامیانہ پر سے جھنڈیوں کا ایک جال تمام میدان میں پھیل گیا ہے۔ اور لال قمقمے مڑے ہوئے چوبوں پر سے گذرتا ہوا۔ سڑک کے دورویہ چوبوں کی قطاروں سے جا ملا ہے۔ بازو میں کتب خانہ عام کا ایک زبردست سنگ مرمر جو تقیل کی زنجیروں میں لٹک رہا ہے۔ مولوی انوار اللہ صاحب مہتمم تعمیرات نے عمارت کتب خانہ کی داغ بیل ڈالی بنیاد بھروائی اور پتھر کو جر ثقیل پر معلق لٹکایا۔ ذرا جر ثقیل کی زنجیر ڈھیلی کیجئے اور سنگ بنیاد مقررہ مقام پر جا بیٹھتا ہے۔ اس پتھر کا طول اور عرض ۳×۴ فٹ ہے جس پر خوش خط مندرجہ ذیل کتبہ کندہ ہے۔

اعلیحضرت سلطان العلوم نواب میر عثمان علیخاں بہادر آصف جاہ سابع فرمانروائے دکن خلد اللہ تعالیٰ ملکہ و سلطنتہ

عہد ہمایوں

سنگ بنیاد

کتب خانۂ عام گلبرگہ شریف

عالیجناب راجہ راجایان راجہ سرکشن پرشاد بہادر یمین السلطنت صدر اعظم بامحکمہ بزمانۂ نواب معود جنگ بہادر ناظم تعلیمات وسجاد مرزا صدر مہتمم تعلیمات

بتاریخ ۱۴ اسفندار ۱۳۳۶ف ۲۳ ماہ رجب المرجب ۱۳۴۶ھ انصب فرمایا

پانچ بجے کے قریب اعلیٰ عہدہ داران ضلع خوش باش۔ اور معزز وکلا ریکے بعد دیگرے آنا شروع ہوئے۔ اور تھوڑی دیر میں شامیانہ مہمانوں سے بھر گیا۔

اب ہر شخص اُس قابل احترام ہستی کے دیکھنے کا منتظر تھا جس کے مبارک ہاتھوں سے کتب خانہ عام کے سنگ بنیاد رکھے جانے کی رسم ادا ہونے والی ہے۔ وقت مقررہ کا شدت

انتظار تھا اور جوں جوں وقت قریب آتا جاتا تھا اشتیاق بڑھ رہا تھا۔ یکایک پولیس ڈیوٹی نے عالیجناب مہاراجہ صدر اعظم بہادر کی تشریف آوری کی خبر دی۔ اور لوگوں کی نظریں سڑک کے جانب متوجہ ہوگئیں۔

صوبہ واری سے لے کر اراضی کتب خانہ تک رعایا سڑک کے دونوں جانب قطاریں باندھے عالی جناب مہاراجہ سر صدر اعظم بہادر کے دیکھنے کے لئے کھڑی تھی۔ اور یہ انبوہ کثیر ابر کی طرح پھیلتا ہوا تالاب تک اُمنڈ آیا تھا۔ مہاراجہ بہادر موٹر میں آہستہ آہستہ رعایا کا سلام لیتے ہوئے چلے خوش آمدید اور زندہ باد کے نعروں سے فضا گونج اٹھی۔ غرض کہ اس شان و شوکت سے مہاراجہ بہادر کی سواری ٹھہرتے ٹھہراتے تالاب تک آپہنچی۔

اس مقام پر شروع میں سوار۔ پھر پولیس کی جمعیت۔ اور سب سے آخر میں عہدہ داران سرکار اور دیگر شرکا جلسہ کھڑے ہوئے تھے شامیانے کے سامنے بینڈ والے۔ ساز و سامان سے آراستہ۔ حلقہ باندھے آمد کے منتظر تھے۔ سواری پہنچتے ہی مہتمم صاحب پولیس نے سلامی دی۔ ساتھ ہی بینڈ نے میٹھے سروں میں قومی ترانہ بجایا۔ عالیجناب مہاراجہ بہادر استادہ ہوگئے مسکرائے اور سلامی لی۔ مولوی محمد حسین صاحب نائب ناظم تعلیمات مولوی سجاد مرزا صاحب صدر مہتمم تعلیمات اور مولوی اعجاز حسین صاحب گلبرگوی وکیل استقبال کے لئے آگے بڑھے عالی جناب مہاراجہ بہادر موٹر سے اُترے سب کے سلام کا جواب دیا۔ اور مولوی اعجاز حسین صاحب وکیل کو ہم کلامی کا فخر بخشا۔ پھر شامیانہ کے جانب چلے۔ اور اندر آکر سونے پر رونق افروز ہوئے تھوڑی دیر بعد سجاد مرزا صاحب نے اپنے والد مرحوم کی کتاب سیرۃ المحمود المعلم کا پرچہ جس میں مولوی محمد حسین صاحب نائب ناظم تعلیمات کا ڈنمارک پر مضمون تھا اور خود کا مرتبہ مرقع ترقی تعلیم صوبہ گلبرگہ پیش کیا جس کو قبول فرما کر عزت افزائی فرمائی گئی۔ مولوی سید احمد رضا صاحب واسطی مہتمم تعلیمات رائچور نے ممالک محروسہ کی ترقی تعلیم کے نقشہ جات پیش کئے جس کو شرف قبولیت بخشا گیا۔

مولوی سجاد مرزا صاحب نے پھر مرزا عصمت اللہ بیگ صاحب کے قصیدہ پڑھنے کی اجازت چاہی۔ مہاراجہ بہادر مسکرائے اور مخاطب ہو کر فرمایا کہ بسم اللہ شروع کیجئے۔ جناب موصوف کا مدحیہ قصیدہ مندرجہ ذیل ہے۔

قصیدہ

موسمِ گل آ گیا رخصت ہوئی فصلِ خزاں — للہ الحمد اب ہے لطف سیرِ باغ و بوستاں
ہی ہر اک نخلِ گل تر پر عروسانہ پھبن — قامتِ سرو چمن ہے رشکِ قدِ مہوشاں
عارضِ خوباں پہ چشمک برگِ گل کرنے لگے — سنبل ترا ندنوں ہے غیرتِ زلفِ بتاں
ہے تبسم خیز ہر غنچہ تو گل ہیں خندہ زن — اللہ اللہ کیا چمن میں ہے مسرت کا سماں
ڈالی ڈالی ہے چمن کی بس کہ پھولوں سے لدی — پھٹ پڑی ہے پتہ پتہ پر بہارِ دلستاں
دید کے قابل ہے شانِ آمدِ فصلِ بہار — سیر سے جس کے نہیں ہٹتی نگاہِ قدسیاں
مغنیچے نغلیں بجاتے ہیں خوشی سے راتدن — چل رہی ہے خوب ان کی آجکل مے کی دکان
جس کو دیکھو مست و بیخود نشہ میں سرشار ہے — گا رہا ہے کوئی مستی میں بجا کر تالیاں
کوئی ساغر میکدہ میں ڈھونڈھتا ہے ہر طرف — کوئی چلو ہی لگائے منھ کو کہتا ہے کہ ہاں
پھول گرا باقی نہیں تلچھٹ ہی دیدے ساقیا — ہیں خمارے سے چکنا چور ساری ہڈیاں
فصلِ گل ہے یا طلسمِ تازہ ایجادِ بہار — دیکھ کر جس کو تحیر میں ہے ہر پیر و جواں
یوں تو باغِ دہر میں ہر سال آتی تھی بہار — لیکن اب کے سال کچھ اس کا انوکھا ہی سماں
کیوں چلی آتی ہے اتراتی ہوئی بادِ نسیم — روح افزا اس قدر کیوں ہی ہوائے بوستاں
روکشِ گلزارِ جنت کیوں بنا ہے شہر آج — کھا رہا ہے خار گلبرگہ پہ کیوں باغِ جناں
ہر برس سے ہے الگ اس سال جو رنگ بہار — حاضرینِ بزم پر باعث بھی ہوا اس کا عیاں
لائے ہیں تشریف گلبرگہ یمین السلطنت — سر مہاراجہ کشن پرشاد والا دودماں
کیوں نہ ہوں سب شاد پھر اور کیوں نہ شادابی بڑھے — کیوں بہل جائے نہ پھر رنگ بہار بوستان

اُن کے آنے کی خوشی کچھ ایسی ہے ہر ایک کو
ہے تبسم ریز کوئی اور کوئی سرگرداں

ڈالی ڈالی ہے شجر کی اُن کی آمد سے نہال
پتہ پتہ شاخ کا آمد سے ان کی شادماں

حق تعالیٰ نے وہ بخشے ان کو اوصاف نکو
جن سے مخلوقِ خدا نے فیض پایا بیکراں

ان کے اخلاق و فضائل کا بیاں کیا کیجئے
ہے دعا مدح میں جن کی ہر اک رطب اللساں

ان کی ہے بیدار مغزی کا زمانہ معترف
ان کے ہر اک کام سے فہم و فراست ہے عیاں

علم دانش سے زیادہ علم سے دانش فزوں
تجربہ ادراک پر کرتا ہے صدقہ اپنی جاں

آپ نے آکر یہاں بنیاد ڈالی علم کی
تشنگانِ علم تک پہنچا دیا بحرِ رواں

اور اوصافِ خصوصی ہیں بہت اس کے سوا
فیضیاب ان کے فیوضِ عام سے ہے اک جہاں

دادگستر داد بخش و دادرس فریادرس
عادل و بازل کریم و دستگیرِ بے کساں

تا کجا طولِ سخن عصمت دعا پر ختم کر
ہاتھ اہلِ بزم کے اٹھے ہیں سوئے آسماں

یا الٰہی عمر ہو خضر و مسیحا سے فزوں
تیرِ اقبال چمکے بن کے مہرِ آسماں

نام ان کا رہتی دنیا تک رہے روشن مدام
اور رہیں تیرے کرم سے شاد و شاداں شادماں

قصیدہ خوانی کے بعد مولوی سجاد مرزا صاحب نے ایک خوبصورت فریم میز پر سے اٹھایا جس کے اندر اطلس پر چھپا ہوا اڈریس تھا۔ صاحب موصوف نے عبدالسلام صاحب اور محمود پیر صاحب کی جانب دیکھ کر اشارہ کیا۔ اس اشارہ پر دونوں صاحبان نے چھپے ہوئے اڈریس حاضرین جلسہ کو تقسیم کئے جب اڈریس تقسیم ہو چکے۔ تو سجاد مرزا صاحب نے عالی جناب مہاراجہ بہادر سے بکمال ادب اڈریس پڑھنے کی اجازت چاہی اجازت ملنے پر اپنا اڈریس شروع کیا

سپاسنامہ بخدمت عالیجناب راجہ راجایان راجہ کشن پرشاد بہادر راجہ السلطنت جی سی آئی ای صدر اعظم بامبے سرکار عالی

عالیجناب نمیلت مآب!

میں بکمال ادب سررشتۂ تعلیمات صوبہ گلبرگہ شریف کی جانب سے عالیجناب کی مراجعت اور تشریف آوری کا شکریہ ادا کرنے کی عزت حاصل کرتا ہوں۔

کتب خانہ عام گلبرگہ شریف نواب مسعود جنگ بہادر ناظم تعلیمات جیسے آبائی بہی خواہ تعلیم کی خاص تعلیمی دلچسپی کی وجہ سے معرض وجود میں آرہا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ صوبہ گلبرگہ شریف میں علمی فضا پیدا ہو۔ نونہالان ملک جو ختم تعلیم کے بعد حصول معاش میں مصروف ہو جاتے ہیں ان میں علمی ذوق قائم رہے۔ اور جنہوں نے محض ابتدائی تعلیم پائی ہے ان کی علمی زندگی کا چراغ غفلت ولاپروائی کے جھوکوں سے گل نہ ہونے پائے۔

آج کا دن ممالک محروسہ سرکار عالی میں ہمیشہ یادگار رہے گا کہ سب سے پہلے گلبرگہ شریف ہی کو یہ فوقیت حاصل ہوئی کہ سررشتہ تعلیمات صوبہ گلبرگہ شریف کی خوش قسمتی سے اس کے کتب خانہ عام کا سنگ بنیاد ایک ایسی زبردست۔ علم دوست۔ علم پروہستی کے جلیل القدر ہاتھوں رکھا جارہا ہے جو سررشتہ علوم وفنون کے لئے خاص کرمایۂ ناز ہے انشاء اللہ یقین ہے کہ تشنہ گان علم اس چشمۂ فیض سے ہمیشہ سیراب ہوتے اور عام برکات حاصل کرتے رہیں گے۔

اب میں ادب کے ساتھ عالی جناب کی خدمت عالی میں یہ استدعا پیش کرتا ہوں کہ اپنے محترم ومبارک ہاتھوں سے کتب خانہ عام گلبرگہ شریف کا سنگ بنیاد نصب فرمانے کی زحمت گوارا فرماکر سررشتۂ تعلیمات کی عزت افزائی فرمائیں رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا

پیش کردہ کمترین سجاد مرزا۔ صدر مہتمم تعلیمات صوبہ گلبرگہ شریف

۱۴ر اسفندار ۱۳۴۷ف م ۲۳ر رجب ۱۳۴۶ھ

یہ اڈریس سب لوگ خموشی کے ساتھ سنتے رہے۔ جب اڈریس ختم ہوا۔ تو آگے بڑھے اور عالی جناب مہاراجہ بہادر کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ اپنی جگہ سے اُٹھے اڈریس لیا تھوڑی دیر تک اُسے ملاحظہ فرمایا۔ پھر مولوی علمبردار صاحب مدرّس رہا کی سپرد فرمادیا۔

تھوڑی دیر تک خموشی کا عالم رہا۔ پھر عالیجناب مہاراجہ بہادر اٹھے۔ اُن کے ساتھ تمام عہدہ داران سرکار اور دیگر شرکا جلسہ کھڑے ہوگئے۔ اپنے جیب سے ایک کاغذ نکالا۔ اور بلند آواز سے۔ تمام لوگوں کے جانب مخاطب ہوکر یہ پر مغز تقریر کی

ارشاد فیض بنیاد بروقت تنصیب سنگ بنیاد

کتب خانہ عام گلبرگہ شریف

از

عالیجناب راجہ راجایان مہاراجہ سرکشن پرشاد یمین السلطنۃ صدر اعظم مآب حکومت سرکار عالی

حاضرین۔ میں اس نواح کے دورہ میں آج کی صحبت میں کتب خانہ عام کے سنگ بنیاد کے رکھنے کی رسم کو بیحد مرغوب پاتا ہوں فیضان علم کی یہ تعمیر ایک مبارک فال ہے اس کے فوائد بھی بیشمار اور مبرہن ہیں۔

عام کتب خانوں کی ضرورت ملک کے ہر آباد حصہ میں مسلّم ہے مستقران سمت کا کیا ذکر اضلاع اور تحصیل اور دیہات میں بھی ہے عام کتب خانوں کا اچھے مذاق اور اچھے مقاصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے قائم کرنا لازمی ضروریات ملک میں داخل ہے جس کے بغیر تعلیمات کی کوششیں اور اہل ملک کا عام مذاق تشنہ رہے گا ساتھ ہی یہ امر خواص و عوام کے لئے

ہمیشہ ملحوظ خاطر رہنے کے قابل ہے کہ کتب خانوں کو محض علمی تحقیق مطالعہ اور حوالہ طلبی کے لئے مخصوص رکھنا چاہیئے ان کو اگر سیاسی کلبوں کی سی حیثیت دے دی جائے تو مقصد علم شکست پذیر ہوگا۔

گلبرگہ میں عام کتب خانہ کا قیام اس سمت کے مستعد اہل۔ علم دوست اور جفاکش صدر مہتمم تعلیمات سجاد مرزا صاحب کی کوششوں کا نتیجہ ہے مرزا صاحب نے علمی مذاق کا حصہ اپنے محترم والد سے پایا ہے اور نواب مسعود جنگ بہادر ناظم تعلیمات کی عالمانہ رہنمائی بھی ان کے شریک حال ہے۔ میری اطلاع میں جو اچھی اچھی تعلیمی کوششیں سررشتہ کر رہا ہے وہ لایق قدر ہیں۔ اس سمت میں اطفال زیر تعلیم کی تعداد ٹورنمنٹ اور اسپورٹس کا انتظام سفری کتب خانہ اور انجمن اساتذہ کا کام دوسرے اسمات کے لئے لایق تقلید ہے اور اس سمت کے وہ عہدہ دار جو اپنے فرائض کی انجام دہی میں سرگرم ہیں لایق تحسین ہیں۔ اس کتب خانہ عام کے سنگ بنیاد کے رکھنے سے قبل اس امر کے اعلان کی اجازت چاہتا ہوں کہ اس کتاب خانہ میں میری طرف سے وہ جملہ کتب جو اردو زبان میں معاشیات زراعت فلاحت اور امداد باہمی پر ہوں تحفتہً دی جائیں گی ایسے کتب خانہ کی فہرست کو صدر مہتمم صاحب مرتب کر کے مجھ سے کتب منگوالیں۔ میرے جملہ تصانیف کا ایک سٹ بھی اس کتب خانہ کے لئے ہدیہ ہوگا۔

اب میں ادائی رسم کی طرف متوجہ ہوتا ہوں آپ سب میری اس دعا میں شریک ہوں کہ یہ کتب خانۂ عام دور عثمانی کی علم پرور فضا میں خاطر خواہ ترقی کرے اور شہر گلبرگہ کی علمی رونق کا دائماً سبب بنا رہے۔ ۱۴ر اسفندار ۱۳۴۷ف

اس کے بعد مولوی سجاد مرزا صاحب نے ایک سربمہر پوتل پیش کی جس میں حیدرآباد کے سکہ رائج الوقت عد ۔ ۸ر ۴ر ۲ر ۱ر ایک پیسہ اور ایک پائی رسالۂ المعلم اور اخبارات رہبر دکن و صحیفہ جس میں عالی جناب مہاراجہ بہادر کے صوبہ گلبرگہ میں دورہ کی کیفیت تھی۔

تہ کر کے بند کر دئے گئے تھے۔ اور عرض کی کہ سنگ بنیاد رکھنے کے پیشتر اس بوتل کو بنیاد میں محفوظ فرما دیا جائے۔ جس کی جگہ انہوں نے اول محفوظ کر دی تھی۔ عالیجناب مہاراجہ بہادر نے بسم اللہ کر کے بوتل ہاتھ میں لی۔ خود آگے بڑھے۔ اور تمام لوگ ان کے پیچھے ہو لئے۔ پتھر پاس پہنچے۔ اور بسم اللہ کر کے بوتل کو بنیاد میں محفوظ کیا۔

پھر مولوی سجاد مرزا صاحب کے جانب دیکھا۔ انہوں نے ایک نہایت خوبصورت صندوقچہ پیش کیا جس میں نقرئی کرنی۔ اور چونے کے لئے تسلا تھا۔ مولوی انوار اللہ صاحب مہتمم تعمیرات نے تسلے میں چونا بھر کر پیش کیا۔ مہاراجہ بہادر نے کرنی سے چونا لے کر اول بوتل کا سوراخ بھرا۔ پھر مقررہ جگہ پر چونا ڈال کر۔ اس کی سطح ہموار کی اور سنگ بنیاد پر ہاتھ رکھ کر دبایا۔ اور سر تعمیرات نے جر ثقیل کی زنجیریں ڈھیلی کیں۔ اور پتھر آہستہ آہستہ اترتا ہوا ٹھیک اپنی جگہ جا بیٹھا۔

عالی جناب مہاراجہ بہادر ہر وقت بسم اللہ پڑھتے جاتے تھے اور خدائے تعالیٰ کی درگاہ میں اس کی استقامت اور استحکام کی دعا کرتے جاتے تھے۔ جب یہ رسم ختم ہو گئی تو مولوی سجاد مرزا صاحب کے جانب دیکھا۔ فوٹو گرافر۔ کیمرہ لئے سامنے کھڑا تھا آپ اس کی جانب مخاطب ہوئے کیمرہ کی سطح درست کرنے کے لئے فرمایا۔ فوکس درست کروایا۔ اور فوٹو لینے کے اجازت دی۔ فوٹو لیا گیا۔ اور یہ قابل تقلید جلسہ جو معالک محروسہ سرکار عالی میں اپنی وضع کا پہلا جلسہ تھا بخیر و خوبی ختم ہو گیا

معائنہ مدرسہ فوقانیہ عثمانیہ گلبرگہ

(از)

مولوی عبدالستار صاحب سبحانی بی اے بی ٹی مدرس صدر

مدرسہ کی تاریخ میں یہ اولین موقع تھا کہ اس کو ہز اکسلنسی راجہ راجگان مہاراجہ سرکشن پرشاد مہاراجہ بہادر یمین السلطنت جیسے جلیل القدر پشت و پناہ علوم و معارف رکن رکین ریاست کے معائنہ کا شرف حاصل ہوا۔ آگین

۲ مرا سفندار ۱۳۳۷ف روز پنجشنبہ مدرسہ ہذا کے لئے ایک مبارک تاریخ اور مسرت روز تھا کہ اس دن مہاراجہ بہادر کے نظام العمل ورود مسعود سے کارپردازان مدرسہ کو یہ خبر فرحت اثر معلوم ہوئی کہ بتاریخ ۱۴ مرا سفندار ۱۳۳۷ف بروز شنبہ عالی جناب سر کشن پرشاد یمین السلطنت مہاراجہ بہادر اپنے قدوم میمنت لزوم سے مدرسہ کو رونق نشین گے اور کارپردازان و طلبا، مدرسہ کو شرف نیاز سے سرفراز فرمائیں گے۔ اس مژدۂ جاں بخش سے مدرسہ میں مسرت و شادمانی کی ایک ایسی لہر دوڑی کہ اس نے منجانب مدرسۂ عالی جناب مہاراجہ بہادر کے شایان شان خیر مقدم میں خلوص و نیازمندی کے جذبات پیش کرنے کے لئے تمام کو بے چین کر دیا۔

عام زیبائش مدرسہ کے علاوہ مدرسہ ہذا میں تین مستقل شعبہ ایسے تھے جن کی تزئین و اصلاح آرائش و ترتیب کارپردازان مدرسہ نے دس بارہ یوم کی قلیل مدت میں لازمی و ضروری قرار دی۔ ۱۔ چمن مدرسہ ۲۔ کمرۂ تعلیم جغرافیہ ۳۔ کمرۂ نمائش تعلیمی۔

۱۔ چمن مدرسہ۔ باتباع ہدایات بحین معائنہ عالی جناب نائب ناظم صاحب تعلیمات ۱۳۳۷ف میں جن اصلاحی امور کی مدرسہ میں ابتدا ہوئی ان میں سے ایک چمن بھی ہے

اس کا قیام بالکلیہ مدرسین مدرسہ کی نگرانی اور طلباء کی ان تھک کوششوں اور تحقیقی دلچسپی پر منحصر ہے۔ ابھی اس کے لئے کوئی خاص عملہ منظور نہیں ہوا۔ اس عرصہ میں اس نے جو کچھ ترقی کی وہ دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ اس وجود مسعود کے موقع پر حسب ارشاد عالی جناب صدر مہتمم صاحب صوبہ ہذا کوشش اس امر کی ہوئی کہ چمن کی موجودہ تختہ بندی کو قائم رکھتے ہوئے جغرافیہ کے نقشہ جات اور جیامٹری کی مختلف اشکال کو بہر نوع چمن میں واضح کیا جائے چنانچہ ہندوستان کے مستقل پختہ نقشہ میں ریاست حیدرآباد کے طبعی حالات و مشہور مقامات دو متصلہ مدور حوضوں میں نصف کرہ جات ارضی کے ذریعہ تجارتی شاہراہوں اور جگہ جگہ پر مختلف قدرتی مناظر اور رنگ برنگ کی گھاس کے ذریعہ ریاست حیدرآباد مختلف حالات سے اول الذکر کی اور مختلف اقسام کے پھولوں طرح طرح کے خوشنما پودوں کی کیاریوں اور متعدد حوضوں کے ذریعہ ثانی الذکر کی وضاحت کی گئی۔ ساتھ ہی مختلف رنگوں کی گھاس کے خوش آمید اور دلکش اور روشوں پر رنگ برنگ کے پتھروں کی بیلوں سے چمن کی رونق کو دوبالا کیا گیا۔ چمن مدرسہ میں کوئی جگہ ایسی باقی نہ تھی کہ جہاں کوئی نہ کوئی نقشہ یا جیامٹری کی شکل واضح نہ ہوئی ہو جگہ جگہ پر جھنڈیاں ایستادہ تھیں کہ جن سے چمن کی مختلف کیفیت اور اس کے متعلق ضروری حالات کا اظہار ہوتا تھا۔ گویا کارپردازان مدرسہ نے اس موقع گرانبہا سے فائدہ اٹھا کر چمن مدرسہ کو جواب تک طلبا کے لئے زرغ معلومات کا ایک بہترین ذخیرہ تھا مضامین تعلیمی کی توضیح مرئی کا ایک مستقل عمدہ ذریعہ اور عام دلبستگی کا ایک عمدہ مقام بنا دیا۔

۲۔ کمرۂ تعلیم جغرافیہ۔ اس کمرہ کی ترتیب و آراستگی مولوی محمد حسین صاحب مدرس مدرسہ کی خاص توجہ اور دلچسپی کا نتیجہ ہے۔ صاحب موصوف کو تاریخ جغرافیہ سے خاص لگاؤ ہے۔ ٹریننگ سے واپس ہو کر آپ نے مدرسہ میں تعلیم جغرافیہ کی ایک خاص صورت پیدا کی۔ اس کے لئے ایک کمرہ مخصوص کر کے طلباء کی مشق نقشہ کشی کی غرض سے

دیواروں پر تختہ سیاہ بنوادے عند الموقع استعمال کے لئے جن ممالک کے خاکہ جات مطبوعہ مدرسہ میں موجود نہ تھے ان کے خاکہ متعدد تختہ سیاہ پر تیار کئے طلبا کی نقشہ کشی کے بہترین نمونہ جات کو وقتاً فوقتاً محفوظ رکھا جو اس کمرہ میں دیواروں پر آویزاں ہیں عالی جناب گرامی قدر مہاراجہ بہادر کی تشریف آوری کے مبارک موقع پر اس کمرہ کی تزئین و اصلاح میں طلبا، ڈرائنگ نے بہت کام کیا ان میں سے اسحٰق محمد خاں۔ فخر الدین۔ غلام نبی خاص طور پر قابل تذکرہ ہیں یہ انہیں کی استعداد فنی اور تعلیمی دلچسپی کا نتیجہ ہے کہ تواریخ ہند و انگلستان کے مختلف واقعات۔ ہندوستان میں مختلف سلاطین کا زمانہ۔ ان کی سلطنت کی تدریجی ترقی مختلف تاریخی ٹائم چارٹس اور جغرافیہ کے مختلف شعبہ ہر ممکنہ طریقہ سے اس کمرہ میں واضح نظر آرہے ہیں مثلاً تاریخ انگلستان کی مختلف لڑائیاں۔ تاریخ ہند میں شیر شاہ و ہمایوں کی لڑائی کے اور دکن کی خانہ جنگی کے مختلف مدارج تصاویر کی صورت میں مبیّن ہیں۔ ریاست حیدرآباد و ہندوستان کے مختلف حالات کی علیحدہ علیحدہ نقشہ جات میں متعدد طریقہ پر وضاحت ہوئی ہے یعنی صنعت بذریعہ تصاویر۔ بذریعہ اشیا بذریعہ تحریر اور بذریعہ اشکال علی ہذا القیاس پیداوار وغیرہ بھی۔ قدرتی مناظر اور مختلف ممالک کے طبعی حالات کی ڈرائنگ نہ صرف اُن کے خط و خال کو واضح کرتی ہے بلکہ طلبا کی دلچسپی اور واقعات کی ذہن نشینی کا ایک خاص ذریعہ ہے۔ ان کے علاوہ مختلف ممالک کے طبعی حالات کے متعلق مٹی کے نمونہ جات بھی بہت سے بنائے گئے جن کا مصالحہ مدرسہ ہی میں تیار ہوا متعدد ممالک کے مختلف حصوں کو علیحدہ علیحدہ تیار کرکے بچوں سے نقشوں کی صورت میں ترتیب دلایا گیا گویا جغرافیہ میں بھی الفاظ سازی کی سی ایک حالت پیدا کی گئی۔ جغرافیائی عام حالات کے متعلق از قسم ذیل بہت سے اشعار نہایت خوشخط اور خوبصورت تحریر میں کمرہ کی دیواروں پر جابجا آویزاں کئے گئے۔

موسم۔ ہے حرارت کی کمی بیشی فقط ورنہ جاڑا کون اور سردی ہے کیا

حملہ بابر و سکندر کھینچکر جذبہ جولیا گھر سے بابر کو ترا — لے اڑا یونان سے سودا سکندر کو ترا
مٹنڈرا کی حالت جا بجا آبِ رواں چلنے سے ہیں تھم جاتے — اور سر شیشہ ہیں شیشے کی طرح جم جاتے

اس کمرہ کی چھت پر ایک چکر ایسا بنایا گیا کہ ہوا کے زور سے گھومتا تھا اور اس کے ہر پہلو پر ممالک کی مختلف حالتیں نظر آتی تھیں۔

بہرحال کوشش اس امر کی کی گئی کہ جغرافیائی اور تاریخی امور کی وضاحت کے لئے جو جو ذرائع اور طریقہ ممکن ہو سکتے ہیں ان تمام کو واضح کر دیا جائے تاکہ آرایش و زیبائش کے ساتھ ساتھ کارپردازان و طلباء مدرسہ کی علمی و تعلیمی قابلیت کا بھی کما حقہ اظہار ہو سکے اور ساتھ ہی کارآمد و مفید ذرائع تعلیمی کا ایک اچھا ذخیرہ مستقلاً مدرسہ میں مہیا رہے۔

۳۔ کمرہ نمایش تعلیمی۔ مدرسہ میں یہ ایک مستقل نمائش عرصہ چار سال سے قائم ہے ہر سال جلسہ سالانہ کے موقع پر اس میں ضروری ترمیم و اصلاح ہوتی رہتی ہے یعنی جو کام خراب ہو جاتا ہے یا معیار سے گرا ہوا رہتا ہے اس کی جگہ اس سے بہتر طلباء سے تیار کرا لیا جاتا ہے اور طلباء کے بہترین جدید کام کا اضافہ کر دیا جاتا ہے۔ اس کے دو شعبہ ہیں اول تو وہ کام جو طلباء مدرسہ میں کرتے ہیں۔ یا جو مضامین نصاب سے متعلق رہتا ہے دوسرا وہ کام جس کا تعلق طلباء کی خانگی صنعت سے ہے۔ اول الذکر میں ریاضی قصہ خوانی حفظان صحت عام واقعات و حالات کے طریقہ تعلیم کی توضیح اور اس کی متعلقہ تصاویر شامل ہیں۔ ڈرائنگ کے ہر شعبہ کا بہترین کام اور طلباء کے سال بھر کے کام کا انتخاب مثلاً ہوم ورک اور اسکول ورک کی کاپیاں۔ کنڈرگارٹن کے متعلق چھوٹے بچوں کا کام۔ اسکاؤٹس کی مختلف دستکاری کے نمونے اس میں شریک ہیں۔ مدرسہ پارچہ بافی کی ایک شاخ بھی اب تک اس مدرسہ سے متعلق رہی اس کے زیر تعلیم طلباء نے علمی و عملی جو کام انجام دئے وہ بھی شریک نمایش ہیں۔ طلباء کی خانگی صنعت سے متعلق لکڑی کا تاج محل۔ لندن کا پل ولایت کے دودھ دہی کے کارخانہ کا ماڈل ٹین کا مقامی گلزار حوض مقوے کی روزمرہ تعلیمی

استعمال کی اشیاء کانچ کی بنی ہوئی متعدد چیزیں چمن مدرسہ کے پتوں کا کاپی میں جمع کیا ہوا ایک عمدہ بڑا ذخیرہ اور کپڑے کا ایک خوبصورت چھوٹا خیمہ ہے۔ اس میں سے اکثر کام طلباء نے کارپردازان مدرسہ کی زیر ہدایت و نگرانی مدرسہ ہی میں تیار کیا۔

سالانہ اسکول اسپورٹس میں جیتی ہوئی وائی فٹ بال شیلڈ۔ رولنگ۔ ہاکی شیلڈ اور رسہ کشی کے متعلق کارچوبی جھنڈا بھی اسی کمرہ کی رونق کو دوبالا کر رہے ہیں غرض کہ یہ نمائش مدرسہ کے لئے اظہار کارگزاری کا ایک عمدہ ذریعہ اور طلباء کے لئے تعلیم کے ساتھ ساتھ خانگی صنعت و حرفت سے لگاؤ اور دلچسپی پیدا کرنے اور اس کو قائم رکھنے کا ایک اچھا وسیلہ ہے نمائش میں شریک شدہ کاموں کے متعلق طلباء کو نہ صرف مختلف قسم کے انعامات سے ہی ہر سال استفادہ کا موقع ملتا رہتا ہے بلکہ اس کے ذریعہ ان کے لئے حسب استعداد علمی خدمت ڈرائنگ ماسٹری سے بہرہ اندوز ہونے کی صورت بھی پیدا ہوتی رہتی ہے۔ چنانچہ اب تک مندرجہ ذیل طلباء اس نمائش تعلیمی کی بدولت مامور بکار ہو چکے ہیں۔

۱۔ سید الطاف حسین ہائی اسکول گلبرگہ۔ ۲۔ محمد ابراہیم چودھری مدرسہ نوقانیہ گلبرگہ۔
۳۔ محمد علی مدرسہ وسطانیہ صلع بیدر۔ ۴۔ ضیاء الدین مدرسہ وسطانیہ سورم
۵۔ عبدالسبحان مدرسہ نوقانیہ گلبرگہ۔

اس موقع پر نمائش میں ۵۰ تصاویر کی تبدیلی ہوئی ۱۰۰ جدید مختلف تصاویر اور ۱۲ عدد نمونہ جات کا اضافہ ہوا۔ جو عبدالحمید۔ رام گوپال۔ مدار خاں۔ رکن الدین معین الدین اور عبدالکریم ہاگا نویں کی اعلیٰ قابلیت اور دن رات کی محنت شاقہ کا نتیجہ ہے۔

مختصر یہ کہ عالی جناب مہاراجہ بہادر کی تشریف آوری موسومہ مندرجہ بالا شعبہ جات مدرسہ کے حق میں ایک بڑی ترقی کا باعث ہوئی اور جو اصلاحات و اضافہ جات ان میں اس موقع پر ہوئے انہوں نے ایک ایسی مستقل صورت اختیار کی کہ گویا اس مبارک موقع کی ایک دائمی یادگار مدرسہ میں قائم ہو گئی۔

اس کو مدرسہ کی خوش قسمتی کہیئے۔ یا کارپردازان مدرسہ کی خوش نصیبی کہ یہ مبارک ومسعود تشریف آوری ایسے زمانہ میں واقع ہوئی کہ مدرسہ کے سالانہ جلسہ کا وقت تھا کارپردازان وطلباء مدرسہ نے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر جلسۂ سالانہ کی تیاریاں شروع کردیں جس سے انتظامات خیر مقدم کو چار چاند لگ گئے اور مدرسہ کی عام آرائش وزیبائش نے ایسی صورت اختیار کی کہ اس سے پہلے نہ کبھی مدرسہ کو نصیب ہوئی اور نہ آیندہ بھی ممکن ہے۔

مدرسہ کا سالانہ جلسہ ہر سال دو روز ہوتا ہے اسی لحاظ سے حسب معمول طلباء نے ہر زبان میں نظمیں یا دکیں ڈرامے تیار کئے۔ لیٹرن لکچرز ترتیب دیے گئے حسب موقع ڈرل کی تعلیم وتربیت کا آغاز ہوا۔ خارج از اوقات مدرسہ تیاری سامان آرائش میں ہر وقت طلباء مصروف نظر آنے لگے اس طرح مدرسہ میں چند روز کے لئے ایک غیر معمولی چہل پہل شروع ہوگئی۔

عمارت مدرسہ کے اندر وباہر متعدد مصنوعی کمانیں تیار کی گئیں سڑک پر اور عمارت شاخ مین ایک ایک بڑی کمان تھی اول الذکر کے بیرونی رخ پر "خوش آمدید" اور اندرونی رخ پر "خدا حافظ" ثانی الذکر کے بیرونی رخ پر "شاد باد" "صدر اعظم بہادر" اور اندرونی رخ پر "زندہ باد یمین السلطنۃ" موٹے حروف میں چسپاں تھا۔ ان تمام کمانوں میں کمرہ تعلیم جغرافیہ اور کمرہ نمایش کی کمانیں خوبصورتی اور عام زیبائش کے لحاظ سے دیدہ زیب اور بے مثل تھیں پہلی کمان کے ہر دو جانب ؎

ہے دعا یہ تمام بچوں کی　　سلطنت کے یمین رہیں شاداں

اور دوسری کمان کے دونوں طرف۔ ؎

پھولے پھلے الٰہی یوں ہی چمن ہمارا　　قائم رہے سروں پر شاہ دکن ہمارا

کپڑے پر لکھے ہوئے اشعار ترچھے لگے ہوئے تھے۔ مدرسہ کی دونوں عمارتوں میں ہر چہار طرف

جھنڈیوں اور پھول پتیوں سے ایک عجیب دل کش سماں بندھا ہوا تھا جس طرف نگاہ جاتی رنگ برنگ کے کپڑوں پر رنگین کاغذوں کے بنے ہوئے مندرجہ ذیل۔ اشعار مصرعے اور جملے لہلہاتے نظر آتے۔

(۱) زندہ اردی یوں مسیحا علم و فن را در دکن — زندہ باش اے حضرت عثمان علیخان زندہ باش

(۲) شاد باد یمین السلطنت — (۳) شاد پر فضل ہو خدا کا مدام

(۴) صدر اعظم رہیں دوا گا شاد — (۵) سلامت رہے بادشاہ دکن

(۶) علامہ جہاں مہاراجہ کشن پرشاد — ۱۳۳۷ف

تمام حوضوں میں قسم قسم کے گھومتے ہوئے روشن فوارے عجب بہار دکھا رہے تھے رنگین مچھلیوں سے بھرا ہوا قدرتی نظارے کا ایک جنگلی حوض اور پھولوں سے لدی ہوئی ولایتی گلاب اور گڈھل کی باڑیں حاضرین کے لئے ایک تماشہ بنی ہوئی تھیں مدرسہ کی چھتوں پر روشنی کی چھوٹی چھوٹی کمانیں تھیں جن کی روشنی سے اندر و باہر تمام عمارت مدرسہ بقعہ نور بن رہی تھی

جلسہ کے لئے مستقل اسٹیج کو وسیع کیا گیا۔ پردے خاص طور پر طلبا ہی نے مدرسہ میں تیار کئے اور ان کو اس طرح قائم کیا کہ جب یہ اٹھیں تو تمام اسٹیج نظر آئے اس طرح اسٹیج کے تینوں طرف نشستوں کا انتظام عمل میں آگیا۔ عالی جناب مہاراجہ بہادر اور معزز اسٹاف کے لئے اس مستقل اسٹیج کے روبرو ایک شامیانہ کے نیچے ایک عارضی اسٹیج تیار کیا گیا جس پر کرسیوں اور کوچوں کی نشستیں تھیں اس شامیانہ اور مستقل اسٹیج کی آرائش بذات خود ایک نمائش تھی

از روئے پروگرام عالی جناب صدر اعظم بہادر کی تشریف آوری کی تاریخ ۱۲ اسفندار مقرر تھی مگر بعد میں تبدیل ہوکر ۱۳ اسفندار ہوگئی۔ تبدیلی تاریخ سے کارپردازان مدرسہ کا خیال ہوا کہ تاریخ جلسہ میں بھی توسیع ہوگی چنانچہ اسی لحاظ سے انتظامات میں بھی توسیع عمل میں آئی مگر جب اسپیشل اسٹیشن گلبرگہ پر پہنچا تو عالی جناب صدر مہتمم صاحب نے ارشاد فرمایا کہ جلسہ کا کام ہونا چاہیئے عالی جناب نائب ناظم صاحب کی بھی یہی رائے تھی جو بغرض صدارت کانفرنس تعلیمی

صوبہ ورنگل تشریف لے جانے والے تھے۔ پس اگرچیکہ انتظامات نامکمل تھے اور کارپردازان مدرسہ کے ارادوں کی تکمیل کے لئے ابھی بہت کچھ باقی تھا مگر ماتحتین کے لئے اپنے جلیسا الاعلیٰ افسران بالادست کی شرکت اور وہ بھی نائب ناظم جیسے جلیل القدر رکن سررشتہ کی موجودگی جیسی کچھ بھی ضروری تھی وہ محتاج بیان نہیں کارپردازان مدرسہ نے اس موقع کو اپنے لئے باعث عزت افزائی و سرفرازی سمجھا اور دوسرے ہی دن جلسہ کے لئے تیار ہوگئے۔ بیرون مستقر رقعہ جات وغیرہ کی تقسیم بھی بعمل نہ آسکی۔

نظام العمل جلسہ بموجب عملدرآمد سابق حسب ذیل تھا

معائنہ ڈرل۔ افتتاح نمایش تعلیمی معائنہ کمرہ تعلیم جغرافیہ

قرأت۔ نظم خوانی۔ سپاسنامہ۔ تقسیم انعام۔ ڈراما

عالی جناب مہاراجہ سرکشن پرشاد مہاراجہ بہادر مع صاحبزادگان بلند اقبال معززممبران اسٹاف و دیگر عہدہ دار صاحبان مقامی ٹھیک ۶ بجے شام مدرسہ تشریف لائے مدرسہ سے باہر سڑک پر طلباء مدرسہ دورویہ دور تک کھڑے ہوئے تھے انہوں نے "زندہ باد یمین السلطنت" "شاد باد مہاراجہ بہادر" کے فلک بوس نعرہائے مسرت اور تالیوں سے عالی جناب صدر اعظم بہادر کا خیر مقدم کیا پھاٹک پر عالی جناب نائب ناظم صاحب تعلیمات عالی جناب صدر مہتمم صاحب تعلیمات صوبہ گلبرگہ شریف و صدر مدرس صاحب مدرسہ فوقانیہ استقبال کے لئے موجود تھے۔ یہاں سے عالی جناب مہاراجہ بہادر بائز اسکاؤٹ کی باقاعدہ سلامی کو شرف قبولیت عطا فرماتے ہوئے اسکاؤٹ اسٹیونز کی کمان کے زیر سایہ ڈرل کے میدان میں تشریف لے گئے جہاں چھوٹے چھوٹے بچے ڈرل کے لئے تیار تھے ان بچوں نے سب سے پہلے جھنڈیوں کے ذریعہ عالی جناب مہاراجہ بہادر یمین السلطنت کو بالفاظ۔

WELCOME TO HIS EXCELLENCY RAJA RAJAYAN RAJA SIR

KISHAN PRASAD SAHEB MAHARAJA BAHADUR SADRE-AZAM HYDIRABAD DECCAN.

خوش آمدید کہا پھر مگدر، ڈمبل اور بندوقوں کی ڈرل پولیس بینڈ کے ساتھ دکھائی جو جناب مرزی جلال الدین صاحب مہتمم کو توالی نے ازراہ طلبا، نوازی و عام تعلیمی دلچسپی نہ صرف اسی موقع پر مدرسہ کو عطا فرمایا تھا بلکہ ہمیشہ کے لئے عند الضرورت بچوں کی تعلیم و تربیت کی غرض سے مقرر فرما دیا تھا۔ صاحب موصوف کی مدرسہ کے ساتھ اس سچی ہمدردی اور مربیانہ توجہات و عنایات کے لئے کارپردازان و طلبار مدرسہ ہمیشہ مرہون منت و احسان رہیں گے

معائنہ ڈرل کے بعد نمائش تعلیمی۔ کمرۂ تعلیم جغرافیہ اور چمن مدرسہ بغور ملاحظہ فرمائے گئے جس کے لئے کم و بیش ایک گھنٹہ صرف ہوا۔ اس موقع پر بار بار اظہار مسرت و اطمینان سے کارپردازان و طلبا، مدرسہ کی حوصلہ افزائی فرمائی گئی۔

اس کے بعد تمام مجمع بغرض شرکت جلسہ مدرسہ کی دوسری عمارت میں منتقل ہوا عالی جناب مہاراجہ بہادر مع صاحبزادگان و الا تبار و معزز ممبران اسٹاف طلبار کے نعرہائے مسرت اور تالیوں کی گونج میں زیر شامیانہ رونق افروز ہوئے۔

لوگوں کا ہجوم اور عوام کی کثرت اس قدر زیادہ تھی کہ اگر صدر دروازہ پر جناب مہتمم صاحب کو توالی کی توجہ شامل حال نہ ہوتی تو انتظام جلسہ بالکل درہم برہم ہو جاتا جلسہ اندرون عمارت مدرسہ کے بائز اسکاؤٹ کا انتظام تھا جو اس خوش اسلوبی کے ساتھ انجام پایا باوجود مجمع کثیر کے کسی قسم کی کوئی دقت واقع نہ ہوئی۔ جلسہ کا آغاز مندرجہ ذیل نظم سے ہوا۔

مختار احمد و منظور الحق

اے جناب صدر اعظم ذی کرم خوش آمدید
علم پرور داد گر عالی ہمم خوش آمدید

شادماں استاد ہیں بشاش ہیں بچے تمام
سب خوشی سے کہہ رہے ہیں دمبدم خوش آمدید

آج نازاں ہے مدرسہ صدر اعظم آگئے
ہر طرف ایک شور ہے اے محترم خوش آمدید

آپ کی آمد کا تھا مدت سے ہم کو انتظار
آج دیکھے ہم نے حضرت کے قدم خوش آمدید
اللہ اللہ اب بہار مقدم سرکار سے
مدرسہ ہے رونقِ باغ ارم خوش آمدید

عبدالوہاب

نہ تو اندر حرم گنجی نہ در بت خانہ می آئی
ولیکن سوئے مشتاقان چہ مشتاقانہ می آئی
قدم بے باک تر نہ در حریم جان مشتاقان
تو صاحب خانہ آخر چرا دزدانہ می آئی
بغارت می بری سرمایۂ تسبیح خوانان را
بہ شبخونِ دل زناریاں ترکانہ می آئی
تو بر نخل کلیمے بے محابا شعلہ می ریزی
تو بر شمع یتیمے صورتِ پروانہ می آئی
بیا اقبال جامے از خمستان خودی درکش
تو از میخانۂ مغرب ز خود بیگانہ می آئی

محمد یوسف

فرقے نہ نہد عاشقِ در کعبہ و بت خانہ
این جلوتِ جانانہ آن خلوتِ جانانہ
شادم کہ مزار من در کوئے حرم بستند
راہے ز مژہ کادم از کعبہ بہ بت خانہ
از بزم جہاں خوشتر از حور و جناں خوشتر
یک ہمدم فرزانہ و زبادہ دو پیمانہ
در دشتِ جنونِ من جبریل زبوں صیدے
یزداں بہ کمند آور اے ہمت مردانہ
اقبال بہ منبر راز ے کہ نباید گفت
ناخفتہ بروں آمد از خلوت میخانہ

اگر ظاہر نہ ہر صورت میں صورت آخریں ہوتا
پتہ اس کا کہیں ملتا نشاں اس کا کہیں ہوتا
جو وہ بے پردہ ہو جاتا کلیم اللہ کی خاطر
قیامت تھی قیامت کا تماشہ پھر وہیں ہوتا
اگر پردہ دوئی کا درمیاں سے ہو جاتا اٹھا ہوں سے
تو مجنوں کو نہ ہجر لیلیٰ محمل نشیں ہوتا
کہاں ممکن ہے صبر و عشق دونوں کا بہم ہونا
جو یہ ہوتا وہ نہیں ہوتا جو وہ ہوتا یہ نہیں ہوتا
نہ ہوتا استحاں وہ بت اگر شیخ و برہمن کا
خدائی میں کسے پھر امتیاز کفر و دیں ہوتا
ہوا اول ہوا الآخر ہوا ظاہر ہوا الباطن
یہ ظاہر ہے مگر پھر بھی کہیں ظاہر نہیں ہوتا
عبادت کیلئے بھی شاد اطمینان لازم ہے
پریشانی میں کوئی کام ہو دل سے نہیں ہوتا

نظم خوانی کے بعد حسب ارشاد عالی جناب صدر مہتمم صاحب تعلیمات عدد مدرس صاحب
سپاسنامہ ذیل پڑھ کر سنایا۔

سپاسنامہ بہ گرامی خدمت رفیع المنزلت عزت مآب ہز اکسلنسی راجہ اجایان مہاراجہ سرکشن پرشاد وہا
بی ۔ ۔ ۔ ای یمین السلطنت صدر اعظم باب حکومت دولت آصفیہ دام اللہ برکاتکم وابد اللہ فیوضکم

حضرت عالی قدر! خوش قسمتی سے اس مدرسہ کی تاریخ میں یہ پہلا موقعہ ہے کہ عالی جناب
عزت مآب نے اس مدرسہ کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے سرفراز فرمایا ؎

چوں تو عالی مرتبت زینت دہ اسکول شد ظلمت این بخت خفتہ پر تو نیر گرفت

والا مرتبت! مدرسہ کی یہ سرفرازی اور کارپردازان و طلباء مدرسہ کی یہ عزت
و حوصلہ افزائی ان کے لئے ہمیشہ کے واسطے مایۂ ناز اور سرمایۂ فخر رہے گی۔ ذات والا صفات کی
اس توجہ فرمائی اور ذرہ نوازی کے موقع پر کارپردازان و طلباء مدرسہ دلی جذبات عقیدتمندی
و احساسات خدمت گزاری کے ساتھ خدمت رفیع المنزلت میں ہدیہ شکر و امتنان پیش
کرتے ہیں۔ مصرع

بیا کہ چشم و دل این جاست فرش راہ تو

ذات گرامی کی جو توجہ و عنایات سررشتۂ تعلیمات پر مبذول ہوتی چلی آئی ہیں اور ہمہ ہمی ہیں
و نیز مدارس کی ترقی اور اصلاح کی صورت میں یہ اپنا جو اثر دکھلا رہی ہیں وہ رعایائے سرکار
ابد مدت کے بچوں کے جذبات حصول تعلیم و شوق علم کو ابھار ابھار کر ان کو زیور علم سے
آراستہ اور اغراض سررشتۂ تعلیم کو تکمیل سے بہرہ اندوز کئے بغیر نہیں رہ سکیں حضرت عالی قدر
مدرسہ ہذا کو بارگاہ خسروی سے فوقانیہ کا گریڈ عطا ہو کر عرصہ نو سال کا منقضی ہوتا ہے اس وقت
ہر مذہب و ملت کے طلباء اس میں زیر تعلیم ہیں مسلمان برہمن لنگایت و دیگر اقوام
مختلف مذاہب کے طلباء کا ایک جگہ جمع ہو کر مختلف مذاہب کے مدرسین سے حصول
تعلیم کرنا ملک کے لئے مبارک فال ہے ایک نازگ وقت پر اس باہمی ربط و میل جول

صدمہ پہنچنے کا اندیشہ تھا مگر خدا کا شکر ہے کہ آپس کے تعلقات مستحکم ثابت ہوئے اور سب شہر و شکر رہے اور ہیں یہ مدرسہ کیا بلحاظ تعداد طلباء اور کیا بلحاظ نتائج امتحانات سرکاری اپنے مماثل دیگر مدارس ممالک محروسہ سرکار ابد پایہ میں ہمیشہ ممتاز رہا ہے۔ مدرسہ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ بچوں کے لئے ہمدردی اور محبت کا مخزن ان کے عام نگرانی تعلیمی۔ اخلاقی اور جسمانی اصلاح و ترقی کا ذریعہ بننے کی کوشش کرتا ہے۔ کارپردازان مدرسہ کے پیش نظر طلباء کی وہ حالت رہتی ہے جو آیندہ زندگی میں ان کے لئے کارآمد ہو چنانچہ ضروریات وقت کا لحاظ کرتے اور موجودہ زمانہ کی رفتار کو پیش نظر رکھتے ہوئے طلباء کے دلی رجحان آبائی پیشہ اور عام صنعت و حرفت سے لگاؤ قائم رکھنے اور اس کو ترقی دینے کے لئے مدرسہ میں مستقل نمائش تعلیمی قائم کی گئی جس کے ذریعہ طلباء اپنی مختلف قسم کی دستکاری کے عمدہ نمونے پیش کرتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ مدرسہ حتی الامکان اس امر کی کوشش کرتا ہے کہ سرکار ابد پایہ کی عزیز رعایا کی جو امیدیں اور سرشتہ تعلیمات کے جو اغراض اس کے ساتھ وابستہ ہیں ان کی کماحقہ تکمیل ہو۔

یہ کمترین عقیدت آگین جملہ اساتذہ و طلاب مدرسہ کی جانب سے خدمت والا مرتبت میں کمال ادب کے ساتھ حضرت والا کی اس رونق افروزی اور تشریف آوری کا دوبارہ شکریہ پیش کرتے ہوئے اس دعا پر سپاسنامہ ختم کرتا ہے ؎

ہو آپ پر مزید کرم شہریار کا — رتبہ بلند اور ہو عالی وقار کا
ہم بامراد شاد ہے ہوں شاد شاہ سے — اور فضل مشتمل ہے پروردگار کا

گویا نیدہ کارپردازان نیازکیش مدرسہ فوقانیہ عثمانیہ گلبرگہ شریف"

اس کے جواب میں عالیجناب مہاراجہ بہادر نے حسب ذیل ارشادات گرامی سے حاضرین کو سرفراز فرمایا۔

"آپ صاحبان نے جس خلوص و گرمجوشی سے میرا خیر مقدم کیا ہے اس کا میں بیحد

ممنون ہوں۔ میں اس صحبت سے بیحد محظوظ ہوا ہمارے ملک میں تعلیم و تربیت کی ترقی بفضلہ نمایاں ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ لوگوں کی اگر ایسی ہی دلچسپی رہی تو تعلیم میں دن دونی رات چوگنی ترقی ہوگی۔ مجھے گلبرگہ آئے ہوئے ابھی صرف دو روز ہوئے ہیں اس عرصہ میں جو کچھ [illegible] اور آج اپنی آنکھوں سے دیکھا اس سے مجھے آپ کے کام اور محنت اور یہاں کی حالت پر بہت اطمینان ہوا۔ جن اشعار کو خاتمہ پر آپ نے اپنی دعا میں کہا ہے میں بھی انہیں کو اپنی دعا میں دہراتا ہوں اور خدا سے امید کرتا ہوں کہ یہ تمام بچے پھلیں پھولیں اور روز افزوں ترقی کرکے مالک و ملک کے سچے خادم و بہی خواہ ہوں"۔

اس کے بعد عالی جناب مہاراجہ بہادر نے منجانب مدرسہ مندرجہ ذیل طلبا کو ایک ایک تمغہ دست مبارک سے عطا فرماکر سرفراز فرمایا۔

(۱) محبوب خاں۔	بصلہ کامیابی بامتحان میٹرک بدرجہ اعلیٰ
(۲) عبدالحمید۔	انعام اول ڈرائنگ بضمن نمائش تعلیمی
(۳) رام گوپال۔	انعام دوم ڈرائنگ بضمن نمائش تعلیمی
(۴) مدار خاں	انعام خاص پینٹنگ

اس موقع پر اسٹیج کے پردہ وغیرہ کی پینٹنگ کا کام انہیں کے ہاتھوں انجام پایا۔

(۵) عبدالرحیم۔	انعام اول ڈرل
(۶) نصیرالزماں	انعام دوم ڈرل
(۷) غلام حافظ خاں	انعام اول دینیات بصلہ کامیابی امتحان میٹرک

آخر الذکر ایک تمغہ مولوی عبدالغفور صاحب مدرس مدرسہ رائچور نے غلام حافظ خاں کو ممالک محروسہ میں بمضمون دینیات لازمی اول آنے کے صلہ میں عطا فرمایا۔

مدرسہ کے لئے یہ امر باعث فخر ہے کہ ۱۳۳۴ف سے مسلسل اسی مدرسہ کا طالب علم امتحان میٹرک شعبہ دینیات میں بفضلہ تعالیٰ یونیورسٹی میں اول آرہا ہے چنانچہ ۱۳۳۵ف میں

غوث محی الدین کو تمغہ طلائی بصلہ کامیابی بدرجہ اعزازی ۱۳۳۶ف میں محمد عثمان کو اور ۱۳۳۴ف میں محبوب خاں کو تمغہ جات نقروی بصلہ کامیابی بدرجۂ اعلیٰ منجانب مدرسہ عطا ہوئے۔

تقسیم انعام کے بعد مولوی عصمت اللہ بیگ صاحب کا لکھا ہوا "بی۔ اے۔ ۔ ۔" ہر دلعزیز ڈراما اردو میں ہوا۔ اس میں ملازمت کے مقابلہ میں تجارت کو مفید اور ذریعہ کامیابی دکھلایا گیا تھا۔

ابھی کرنے کو بہت کچھ تھا مگر وقت زیادہ ہوگیا اور اندیشہ تھا کہ کہیں تاخیر باعث تکلیف نہ ہو لہذا جلسہ ختم کردیا گیا۔

عالی جناب مہاراجہ بہادر اس تمام کارروائی سے نہایت درجہ محظوظ ہوئے اظہار مسرت و امتنان فرمایا اور بعد برخاست جلسہ مدرسہ کی روشنی ملاحظہ فرماتے ہوئے مراجعت فرمائے ایوان صوبہ داری ہوئے۔

کیمپ میں صدر مدرس صاحب مدرسہ کو شرف باریابی عطا فرماکر ایک بیش بہا تھان ہمرہ سے ان کی عزت افزائی فرمائی گئی اور طلبا کی شیرینی وانعامات کے لئے ڈیڑھ سو روپیہ کی معتد بہ رقم مرحمت فرماکر کارپردازان و طلبا مدرسہ کو ممتاز و سرفراز فرمایا گیا

حکمان بالادست کے زیر سرپرستی عالی جناب سریمین السلطنۃ مہاراجہ بہادر دام اقبالہ کی مدرسہ کے متعلق یہ دلچسپی اور کارپردازان و طلبا مدرسہ کی یہ حوصلہ افزائی و نیز افسران سررشتہ کی یہ ماتحت نوازیاں اور کرمفرمائیاں مدرسہ کے لئے ہمیشہ مایہ ناز اور سرمایۂ فخر رہیں گی۔

معائنہ مدرسہ فوقانیہ انگریزی گلبرگہ شریف

از

مسٹر لال سبرامنیم صاحب ایم اے بی ٹی صدر مدرس

عالی جناب مہاراجہ سر صدر اعظم بہادر کی تشریف آوری کے ضمن میں ہائی اسکول گلبرگہ شریف بھی قسم قسم کی رنگین کاغذی پیرقوں اور جھنڈیوں سے آراستہ کیا گیا تھا۔ مدرسہ کا ہر کمرہ بھی اسی طرح آراستہ و پیراستہ تھا جس کو بچوں نے نہایت محنت اور شوق سے خوبصورت بنایا تھا۔ ہر جگہ اعلیحضرت شاہ دکن اور مہاراجہ بہادر کے لئے دعائیہ فقرے لکھے ہوئے تھے۔ بعض جماعتوں میں مدحیہ اشعار آویزاں کئے گئے تھے مثلاً فورتھ فارم میں حسب ذیل اشعار تھے۔

ہے ہماری دعا یہ صبح شام

صدر اعظم وزیر شاہ دکن — تا قیامت رہیں سلامت و شاد

ہے دعا حق سے روز و شب اپنی — صدر اعظم رہیں ہمیشہ شاد

دیواروں پر مختلف ممالک کے نقشہ جات اور قطعات لکھے ہوئے تھے۔ مدرسہ کا درمیانی ہال خصوصاً سب سے زیادہ آراستہ کیا گیا تھا۔ جہاں مہاراجہ بہادر کے لئے شاندار اجلاس تیار کیا گیا تھا۔ ہال کے چاروں طرف نمائش کا سامان دیواروں سے متصل رکھا گیا تھا۔ جو نہایت ہی خوبصورت تھا عقب اجلاس دیوار پر مختلف قسم کی تصاویر آویزاں تھیں جو طلباے مدرسہ کی تیار کردہ تھیں۔ اور ذیل کے اشعار بھی بقلم جلی ناظرین کو اپنی جانب متوجہ کر رہے تھے۔

زندہ باش مہاراجہ سر کشن پرشاد

مہاراجہ کشن پرشاد آئے ہیں بصد حشمت — بنا ہے رشک گلزار جناں اب مدرسہ اپنا

مدرسہ کے صحن کا حوض بھی اپنے خوش نما منظر سے ناظرین کو لبھا رہا تھا۔ اوپر یہ شعر لکھا ہوا تھا

چشم دل را خاک راہت توتیا ست طرفہ تر در مقدمِ تو جلوہ ہا ست

مدرسہ کے صدر دروازہ پر حسب ذیل شعر سنہری حروف میں اپنی بہار دکھا رہا تھا۔

بیا کہ چشم و دل اینجا ست فرش راہ تو

اس سے آگے ایک کمان تیار کی گئی تھی۔ جس کی پیشانی پر مہاراجہ بہادر کے لئے دعائیہ فقرہ لکھا ہوا تھا۔ GOD SAVE H. E. THE MAHARAJA

اور اس کی دوسری جانب یہ فقرہ تھا۔ WELCOME

الغرض مدرسہ کی آرائش زیبائش سب نے مل جل کر کی اور مدرسہ کی تمام آرائش طلباء کے ذریعہ مدرسین کے زیر ہدایت ہوئی۔

جس روز مہاراجہ سر صدر اعظم بہادر تہضت افروز گلبرگہ ہوئے مدرسہ ہذا کے اسکوٹس اسٹیشن پر موجود تھے۔ اسکوٹس نے راستہ کے ہر دو جانب اپنی لکڑیوں سے کمان کی شکل بنائی تھی جس کے درمیان سے مہاراجہ بہادر گزر کر موٹر میں سوار ہوئے۔ اور جلوس کے وقت بھی جناب ممدوح کی موٹر کے آگے زمزمہ گا رہے تھے عالی جناب مہاراجہ سر صدر اعظم بہادر نے بتاریخ ۱۹ ماہ اسفندار ۱۳۳۷ف تقریباً دس بجے صبح ہائی اسکول گلبرگہ کو اپنی تشریف آوری سے عزو افتخار بخشا۔ استقبال کے لئے جناب صدر مہتمم صاحب و صدر مدرس صاحب مع اسٹاف موجود تھے ممدوح الشان کے آتے ہی بہوں نے باادب سلام بجالایا۔ سیڑھیوں سے اوپر فرش پر چڑھتے ہی پھولوں کی بارش ہوئی۔ ممدوح الشان نے یہاں توقف فرما کر ڈرل کا معائنہ فرمایا۔ اور تھوڑی دیر بعد نشست گاہ پر رونق افروز ہوئے مدرسہ کے ایک لڑکے نے قرأت پڑھی۔ اور دوسرے لڑکے نے مہاراجہ بہادر کی لکھی ہوئی نظم "پریم درپن" کے کچھ اشعار نہایت سریلی آواز میں سنائے جس کو سن کر مہاراجہ بہادر محظوظ ہوئے۔ بعد ازاں سائنس کے کمرہ میں تشریف لے گئے۔ یہاں سے واپسی کے وقت مکتبہ فارم کا کمرہ ملاحظہ فرمایا۔ جو نہایت ہی آراستہ تھا

مختلف بصیحت آمیز فقرے دیواروں پر چسپاں تھے مثلاً

COME WHAT MAY BRAVE IT OUT

سائنس کا کمرہ بھی بے حد آراستہ تھا۔ جاتے وقت سیڑھیوں پر بجلی اور گیاس کی روشنی کی گئی تھی جو سائنس ماسٹر رام راؤ صاحب کی محنت کا نتیجہ تھی۔ اور اس کمرہ کے دروازہ پر جلی انگریزی فقرہ لکھا ہوا تھا۔

KNOWLEDGE IS POWER

کمرہ کا اندرونی حصہ آرائش و زیبائش کے لحاظ سے بہت ہی خوش منظر تھا۔ دیواروں پر مختلف فقرے انگریزی زبان میں لکھے ہوئے تھے مثلاً

ELECTRICITY IS THE GEM OF MODERN CIVILISATION

SCIENCE IS SEARCH AFTER.

دارالتجربہ میں مختلف علمی تجربوں کا اہتمام تھا جن کے منجملہ مہاراجہ بہادر نے حسب ذیل تجربوں کو ملاحظہ فرما کر اظہار مسرت فرمایا۔

(۱) تیاری و خصوصیات ہیڈروجن۔ آکسیجن۔ کلورن۔

(۲) پٹاسیم اور سوڈیم کا عمل پانی پر۔

(۳) کیمیائی ذریعہ سے رنگون کی تیاری۔

(۴) ایر پمپ۔

(۵) مقیاس الہوا۔

(۶) بجلی کا عمل۔

(۷) لکٹامیٹر (دودھ میں پانی دیکھنے کا آلہ)

مہاراجہ بہادر نے ہر تجربہ کی نسبت لڑکوں سے دریافت فرمایا جس کا لڑکوں نے علمی طور پر معقول جواب دیا۔ ازاں بعد دوربین کے ذریعہ مختلف چیزوں کو ملاحظہ فرمایا۔

واپسی کے وقت کتب خانہ کا بھی ملاحظہ فرمایا گیا۔ جو سجا سجایا اور آراستہ تھا۔ یہاں سے

عالی جناب مہاراجہ سر صدر اعظم بہادر مختلف جماعتوں کا معائنہ فرماتے ہوئے رہائی ہال
تشریف لائے۔ اور نمائش کے سامان کو خصوصاً خیمہ جہاز۔ عمارت مدرسہ اور شہر پناہ کی دیوار کے
نمونے کو ملاحظہ فرما کر اظہار خوشنودی فرمایا۔ اور تمام مدرسین و طلبائے مدرسہ کا فوٹو لیا گیا مدرسہ سے
واپسی کے وقت بھی مہاراجہ بہادر پر پھول برسائے گئے۔ مہاراجہ بہادر موٹر میں تشریف رکھ کر
اسکاؤٹس کے ترانے کو کچھ دیر تک سنتے رہے۔ اسکاؤٹس ایک نظم جس کو زمزمہ کے نام سے
مہاراجہ بہادر ہی نے تصنیف فرمائی ہے خوش الحانی کے ساتھ بلند آواز سے پڑھ رہے تھے۔
مدرسہ کے ایک لڑکے مسمی ابوالحسن طالبعلم فورتھ فارم نے مہاراجہ بہادر کی مدح میں فارسی
قصیدہ لکھا تھا۔ یہ قصیدہ طالب علم مذکور نے کیمپ پر پیش کیا۔ اور دوسرے لڑکے
مسمی ایس۔ بی۔ رام چندر طالب علم نفتھ فارم نے مہاراجہ بہادر کی بڑی تصویر اُتاری تھی۔
اور ڈرائنگ ماسٹر مولوی الطاف حسین صاحب نے بھی ایک آئینہ میں مہاراجہ بہادر کی چھوٹی
تصویر نگاکر اس کے اطراف نقش و نگار کیا تھا۔ اور درمیان میں یہ تاریخی مصرع تھا۔

"خوشا اقبال شاد" ۱۳۲۰ف

مدرسہ میں بوجہ تنگی وقت یہ پیش نہ ہو سکیں۔ اس لئے یہ تینوں تقریباً تین بجے کیمپ پر حاضر ہو کر
مہاراجہ بہادر کے حضور میں اپنے ناچیز ہدایا کو پیش کیا۔ جن کو مہاراجہ بہادر نے قبول فرما کر عزو افتخار
بخشا۔ اور تصویر کے لئے مبلغ پچیس روپیہ اور قصیدہ کے لئے مبلغ پندرہ ۱۵ روپیہ اور دوسری
تصویر کے لئے مبلغ دس ۱۰ روپیہ انعام مرحمت فرما کر عزت افزائی فرمائی۔ اور مدرسہ کے
ارکان کو شیرینی تقسیم کرنے کے لئے مبلغ ایک سو روپیہ عطا فرمائے گئے۔

مدرسہ کے بعض اساتذہ نے بھی مدحیہ قصاید اور اشعار لکھے تھے۔ جو بوجہ تنگی وقت
پیش نہ ہو سکے۔ ان میں سے مرزا ابراہیم علی بیگ صاحب بی۔ اے مدرس اور عزیز قمر صاحب
ڈرائنگ ماسٹر کے قصائد درج ذیل ہیں۔

مدحیہ قصیدہ بخدمت عالیجناب معلی القاب بقاہر اکلنسی راجہ جایا راجہ کشن پرشاد مہاراجہ بہادر صدر اعظم باب حکومت سرکار عالی

در گلبرگہ شریف

گلشن ہستی کا نقشہ آج ہے بدلا ہوا
ہر طرف عیش و خوشی کا رنگ ہے چھایا ہوا

ہر بشر ہے شادماں بے انتہا اس طرح اب
جیسے مل جائے کسی کو قافلہ کھویا ہوا

باغ میں بھی ہر طرف بے انتہا رونق ہے آج
تو کہے اپنا نہیں ہے باغ یہ دیکھا ہوا

لالہ حمرا کا جوبن اور سوسن کی بہار
سنبل پیچاں کی خوشبو باغ سب مہکا ہوا

بلبلوں کی نغمہ سنجی رقص وہ طاؤس کا
کبک کی نازک خرامی سبزہ لہرایا ہوا

ہر طرف ہے حسن عالم سوز کا جلوہ عیاں
باغ کا ہے پتہ پتہ حسن میں ڈوبا ہوا

نرگس شہلا ہے نگراں کس لئے تو چار سو
کیا کوئی رشک قمر ہے اس میں پوشیدہ ہوا

سرو تلا اس طرح خاموش استادہ ہے کیوں
کیوں ہے اپنے آپ پر اتنا تو اترایا ہوا

باغ کے ہر راستہ پر پھول ہیں بیحد پڑے
بات کیا ہے ان حسینان چمن کو کیا ہوا

آرزو یہ ہے ہر اک کی خوب اس کو دیکھ لے
بعد مدت کے ہے وہ شیریں ادا آیا ہوا

کون وہ جس کے لئے حاضر ہیں خاص و عام سب
جو ہے اس مجلس میں جائے صدر پر بیٹھا ہوا

نام ہے جس کا کشن پرشاد ذی جاہ و حشم
کب دکن میں صاحب جود و کرم ایسا ہوا

اے کہ تیرا روئے روشن رو کش مہر منیر
اے کہ تیرا صاف باطن موتیا دھویا ہوا

اے ترا دست مکرم بذل میں دریائے نیل
اک جہاں تیرے کرم سے فیض ہے پایا ہوا

تو نے جس پر کی عنایت اس کا پھر کیا پوچھنا
چرخ ہفتم سے بھی اس کا تا علی ہوا

تیرے عہد میمنت میں ہے ترقی ہر طرف
علم و حکمت کا تو دروازہ ہی تجھ سے وا ہوا

شاعری ہو یا تصوف وعظ ہو یا فلسفہ
سب میں خاصہ دخل تجھکو سب میں ڈوبا ہوا

ہے فصاحت میں بھی بے شبہہ و بدل تیرا کلام
رنگ ہے سحبان سے تیرا بہت ملتا ہوا

وحدت و کثرت کا مسئلہ خوب تو نے حل کیا
بحر عرفان الٰہی میں ہے تو زوا

صوفی و سانی بھی ہے اور راز دان مملکت
کیا وزارت کے لئے یہ انتخاب اچھا ہوا

خلق میں مہماں نوازی میں کرم میں رحم میں
بعد حاتم اہل عالم میں ترا چرچا ہوا

بیر رکھنا غیر مذہب سے نہیں تیرا طریق
تیرے عدل بے بدل سے اک جہاں تر ہو ہوا

ہے دعا حق سے یہ روز و شب کہ تیری عمر میں
ہو ترقی دوگنی دشمن ہو گھبرایا ہوا

تیرے استقبال کو اقبال آئے ہر گھڑی
عیش ہو تعمیل ترے حکم کی کرتا ہوا

کیا عجب اے مشفق خستہ کہ تیرے حال پر
مہرباں ہو جائے وہ مہر کرم آیا ہوا

گزرانیدۂ خاکسار۔ مرزا ابراہیم علی بیگ بی۔ اے مشفق مدرس ہائی اسکول گلبرگہ

قصیدہ مدیحہ بقریظ تاثیر اوری عالیجناب معلی القاب نقاب کسلنسی راجہ جایان راجہ سرکشن پرشاد مہاراجہ بہادر

جی سی آئی ای صدر اعظم باب حکومت سرکار عالی در گلبرگہ ہائی اسکول

قلزم لطف و عطا راجہ کشن پرشاد ہیں
بحر جود و سخا راجہ کشن پرشاد ہیں

مدح خوان مصطفےٰ راجہ کشن پرشاد ہیں
واصف ذات خدا راجہ کشن پرشاد ہیں

آپ کے دم سے نہ کیوں روشن ہو ملک دکن
شمع آصف کی ضیا راجہ کشن پرشاد ہیں

کہہ رہی ہیں شاخ گل پر عندلیبان دکن
باغ آصف کی فضا راجہ کشن پرشاد ہیں

قوت بازوئے آصفجاہ سلطان دکن
اور تیغ و دست و پا راجہ کشن پرشاد ہیں

مال و زر سے جان سے اولاد سے گھر بار سے
نام آصف پر فدا راجہ کشن پرشاد ہیں

ہر طرف سے شور برپا ہے مبارکباد کا
آئے گلبرگہ میں کیا راجہ کشن پرشاد ہیں

آپ کے فیض قدم سے روح تازہ ہو گئی
کیا بہار جانفزا راجہ کشن پرشاد ہیں

کھل گئے در ہر طرف سے عدل کے انصاف کے
قاتل جور و جفا راجہ کشن پرشاد ہیں

ف امر واما [illegible] ظلم کو در بند ہے — صدر اعظم آج کیا راجہ کشن پرشاد ہیں
غ [illegible] ے [illegible] بوں میں صدا — بوے گلزار وفا راجہ کشن پرشاد ہیں

آپ کے ہر شعر کا انداز کہتا ہے قمر
لیق وصف و ثنا راجہ کشن پرشاد ہیں

گزرانیدہ شیخ عبدالعزیز قمر ڈرائنگ ماسٹر ہائی اسکول

نہ کہ گلبن زارا راجہ جایاں سر کشن شاہ آرا بہادر یمین السلطنت
صدر سی آئی ای
مہربرریش ہمہ ای راجہ جایاں سر کشن شاہ آرا بہادر یمین السلطنت سی آئی ای

پیشکار و صدر اعظم باب حکومت سرکار عالے

زہے قسمت کہ بہر ما ہی خواہ دکن آمد — محب ملک شاہ و پر ور دطن آمد
بہار آمد چمن سرسبز و طوطی ایں چنیں گوید — خوشا بختے کہ بوے عنبر و شکر ختن آمد
پرندان چمن گویند و بلبل ہم چنیں گوید — کہ در فصل خزاں ابر کرم بہر چمن آمد
چہ گویم ستاں را لیش نرسد از حد و — نمی بینی کہ بہر خدمتش چرخ کہن آمد
ہمہ انجم بصد تعظیم استادہ کمر بستہ — کہ سروی مرتبت دارا حشم ماہ یمن آمد
کدام آن راجہ راجایاں مہاراجہ کشن پرشاد — وزیر شاہ میر عثمان علی خان دکن آمد
خوشا روز و خوشا ساعت خوشا بختے ہمہ مکتب — کہ شاد امرو زصدر اعظم ملک دکن آمد
ندیدہ ایں چنیں روز و نخواہد دید گلبن گہ — کہ ہر سویش منور شد چوں ایں مہر وطن آمد
ادیب شاعر یکتا بجود و بذل بے ہمتا — ز بہر قدر افزائی قدر دان سخن آمد
طفیل شاد ہمہ شاد است رعایا مملکت آباد — ازاں وقتیکہ او در خدمت شاہ دکن آمد
نداند تا کسے دلریش و بیچارہ و جز نم — ہمہ بیکسان و دافع رنج و محن آمد
بالآخر ایں دعاے من شود مقبول آمالک — کہ تا دار ایہ اش بر ما چون خورشید دکن آمد
شود اقبال روز افزون شود اعدا ہمہ محزون — تو باد اشاد خوش ہر جا کہ تو کن زمن آمد

کمن گریہ مشو بریاں کہ ہستی بے پدر مادر برائے دستگیریت ایت اے حسن
گزانیدہ۔ ابوالحسن متعلم سکنڈ فارم گورنمنٹ انگلش ہائی اسکول

معارف نوازی فوقانی عثمان علی خاں بہادر

(از)

مسٹر ڈی۔ بی کالے صاحب بی اے بی ٹی صدر مدرس

عالیجناب یمین السلطنت صدر اعظم بہادر کی تشریف آوری کی تقریب میں مدرسہ فوقانیہ عثمانیہ رائچور رنگین جھنڈیوں اور خوش نما جھنڈیوں سے آراستہ کیا گیا تھا مدرسہ کے درمیانی ہال میں جناب ممدوح کے لیئے شاندار اجلاس بنایا گیا ہال ہذا ایک طرفہ نقشہ و آرائش خطی کے اعلیٰ نمونے اور بے نظیر طغرے لگے ہوئے تھے اور نمایشی اشیاء قرینے سے سجائی گئی تھیں۔ ۔ ۔

اساتذہ مدرسہ موجود تھے۔ موٹر سے اترتے ہی سب نے بکمال ادب آداب سلام کیا
[illegible] خوش آمدید بنایا اور سلامی دی۔ ہال کے بیرونی حصے پر
[illegible] ین السلطنت لکھا ہوا تھا۔ ہال کے ابتدائی حصے سے اجلاس تک
[illegible] یا گیا تھا۔ غرض کہ جناب ممدوح اجلاس پر تشریف فرما ہوئے۔ اس کے
صدر مدرس صاحب مدرسہ نے عالی جناب ممدوح کو پھولوں کے ہار پہنائے
[illegible] مدرس صاحب تعلیمات نے جناب [illegible] وح سے افتتاح جلسہ کی اجازت
[illegible] ازت سرفراز ہونے پر حسب نظم اس [illegible] کارروائی شروع ہوئی۔

نظام الجلسہ

(۱) قرأت	محمد فضل الرحمن طالب علم
(۲) غزل	مظفر الدین معہ برادران طالب علم
(۳) حمد بزبان کنڑی	چندر راؤ وغیرہ طالب علم
(۴) اڈریس	مولوی فاضل محمد غوث محی الدین صاحب فاضل
(۵) قصیدہ عربی	مولوی سید عبدالغفور صاحب ہاشمی
(۶) قصیدہ فارسی	مولوی فاضل محمد غوث محی الدین صاحب فاضل
(۷) قصیدہ اردو	محمد تقی صاحب برنی متعلم میٹرک
(۸) "	سید ذکی حسن صاحب انداز متعلم مڈل
(۹) جواب اڈریس	عالی جناب عالی القاب صدر اعظم بہادر دام اقبالہ

پہلے پہل فضل الرحمن طالب علم نے خوش الحانی سے چند سورتیں تلاوت کیں۔ اور دو
مسلمان لڑکوں نے عمدہ طرز میں عالی جناب مہاراجہ سر صدر اعظم بہادر کا حسب ذیل قطعہ پڑھا

قطعہ

موسیٰ ارنی کہو گے کب تک ۔ بجلی تم کو صدا پڑی ہے

سن کر بھی صدائے بے لن ترانی — پھر بھی ارنی کہنے کی گھڑی ہے
گریہ سے میرے خفیف ہو کر — بدلی ہوئی [illegible] ہے
مر جانے دو مر گیا جو دشمن — کیوں رو رہے ہو
خاموش رہیں اب آپ موسیٰ — اب میرے کلام کی
فرقت کی یہ شب ہے قصہ کوتاہ — بیشک تیری زلف سے بڑی ہے
ہیں روز ازل سے ہوں — یہ مے مری قسمت میں پڑی ہے
جز دیر و حرم کہاں میں جاؤں — منزل میرے شوق کی یہی ہے

[illegible] پیو مے تم اے شاد
بدلی [illegible] ہے جھڑی ہے

اس کے بعد [illegible] نے کنڑ زبان میں حمد پڑھی۔ ازاں بعد محمد رحمت اللہ طالب علم نے ایک نعت بزبان اردو پڑھی اور اول الذکر طلبا نے ایک ریشمی دستی پر مطبوعہ نظم پیش کرنے کا شرف حاصل کیا۔ اس کے بعد مولوی فاضل محمد غوث محی الدین صاحب فاضل نے اڈریس پڑھا اور اس کو فریم میں مزین کر کے پیش کرنے کی عرض کی۔

سپاسنامہ حسب ذیل ہے

اڈریس بشرف ملاحظہ ہدرو ملک ہز ہائنس یمین السلطنت مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر صدر اعظم دام اقبالہ

حضور والا۔ عالی جناب نے ضلع رائچور کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے ۱۳۱۶ف میں عزو افتخار بخشا تھا اور پھر ہم دوبارہ اپنی خوش قسمتی سے دولت دیدار کی سعادت حاصل کر رہے ہیں اس کی وجہ سے اہالیان رائچور عموماً اور طلبا و مدرسین خصوصاً جامے میں پھولے نہیں سماتے۔

عالی جاہ۔ جناب عالی خود ایک اعلیٰ انشا پرداز اور قادر الکلام شاعر ہیں اور علوم مشرقی و مغربی کے جامع ہیں خوشنویسی میں بھی ید طولیٰ رکھتے ہیں۔ عالی جناب کی اعلیٰ قابلیت مسلم ہے۔ جناب کے اوصاف حمیدہ اور اخلاق ستودہ کی مثال نہیں ملسکتی۔

جناب والا۔ آپ جناب کی صلح کل پالیسی اور صوفیانہ خیالات کا ملک پر یہ اثر ہوا ہے
کہ ہندو اور مسلمان باہم شیر و شکر ہیں اور باہمی شکر رنجی کافور ہو گئی برادران وطن
ہندو اور مسلمان آپ کی تعریف کر رہے ہیں۔ اور یہ آپ کے صوفی مشرب ہونے کا بین ثبوت ہے
ہم جناب کی اس عزت افزائی کا جو عالی جناب نے ہمارے ضلع کی
میں تشریف آوری فرمائی ہے۔ بکمال ادب شکریہ ادا کرتے ہیں۔ اور دعا کرتے ہیں کہ
خدا ہمارے ہر دل عزیز صدر اعظم بہادر کو سلامت باکرامت رکھے اور جناب کے
تمام کام پورے کرے آمین ثم آمین یا رب العالمین

ایں دعا از ما و از جملہ جہاں آمین باد

آپ کے خادم طلباء و مدرسین مدرسہ [illegible] ضلع رائچور

اس کے بعد مولوی کامل سید عبدالغفور صاحب ہاشمی نے عربی قصیدہ پڑھا۔ اور اس کو
فریم میں مزین کر کے پیش کرنے کی عزت حاصل کی۔ ازاں بعد مولوی فاضل محمد غوث نبی الدین صاحب
فاضل نے فارسی قصیدہ پڑھا۔ اور اس کو فریم میں مزین کر کے پیش کرنے کی عزت حاصل کی۔
اس کے بعد محمد یعقوب صاحب برادر میر مشرک نے اردو کا قصیدہ پڑھا۔ اور اس کو
فریم میں مزین کر کے پیش کرنے کی سعادت حاصل کی۔
ازاں بعد سید ذکی حسن صاحب انڈر سٹنڈنگ مڈل نے اردو قصیدہ پڑھا۔ اور اس کو فریم میں
مزین کر کے پیش کرنے کی سعادت حاصل کی۔

قصاید خوانی ختم ہونے کے بعد عالی جناب ممدوح نے اڈریس کا جواب ارشاد فرمایا۔
وہ یہ ہے "میں بہت خوش ہوا کہ آپ لوگ اتفاق و اتحاد سے زندگی بسر کر رہے ہیں۔
اور آپس میں صلح و آشتی سے رہتے ہیں۔ اور مجھے دیکھکر خوشی حاصل ہوئی کہ بلا تفریق مذہب
و ملت آپ کا طرز عمل برادرانہ ہے۔ اور مجھے یہ سن کر مسرت ہوئی کہ رائچور میں مذہبی اور ملکی
فسادات نہیں ہیں۔ آپ لوگ چاہئے کہ باہر کے ناپسندیدہ اثرات سے بچے رہیں۔ اور ایسی

تعلیم حاصل کریں جس سے اپنے، ملک اور مالک کی خدمت اچھی طرح انجام دیں
اس کے بعد جلسہ برخاست ہوا اور عالی جناب ممدوح نواب [illegible] لحظہ [illegible]
اولاً آپ کی نظر مبارک اُس بیت پر پڑھی۔ جو سرکار ممدوح نے خار [illegible]
دست مبارک سے تحریر فرمائی تھی۔ اور جس پر یمین السلطنت کا مونوگرام چھپا

مرا می بینی و در دم زیادت [illegible] ترا می بینم و شوقم زیادت می شود

برائے مجی خان خانان بہادر [illegible] چشتی۔

اس کو ملاحظہ فرما کر اس کو نوٹ رکھنے پر خوشنودی کا اظہار فرمایا جیب [illegible]
آداب بجالایا۔ پھر اس کے بعد در [illegible] بیت ملاحظہ فرمائی۔ وہ بھی سرکار ممدوح کے دست
لکھی ہوئی تھی۔ وہ بیت یہ ہے۔

خزاں میں بھی یہ تمنا کہ جلد آئے بہار
بہار آئی تو وحشت یہ ہے کہ جائے بہار
شاہ اللہی ۱۳۳۷ھ

اس کو بھی ملاحظہ فرما کر خوشنودی کا اظہار فرمایا چنانچہ عالی جناب صدر مہتمم صاحب نے فرمایا کہ سرکار
خوشنودی کا اظہار فرما رہے ہیں۔ اس پر میر امام [illegible] صاحب نے پھر بمان ادب آداب بجالایا
ازاں بعد سرکار نے وہ قطعہ ملاحظہ فرمایا جو اعلیحضرت میر محبوب علی خاں بہادر آصفجاہ سادس
غفران مکان رح کے شیر کے شکار کے موقع پر نذر گزرانا تھا۔ اور وہ یہ ہے۔

ہوالقوی

میر محبوب علی شاہ دکن — شیر افگن ہے بہادر ہے دلیر
وہ جوانمردی ہے میرے شاہ کی — زور بازو سے کیا شیروں کو زیر
جب تہیہ صید کا اس نے کیا — ہو گئے سب زندگی سے شیر سیر
ایکدم میں ہو گیا جوڑا شکار — اس طرح ہائے قضا میداں میں گھیر
غیب سے الہام یہ مصرع ہوا — شاہ آصفجاہ نے مارے دو شیر
۱۳۱۶ھ

اس کو بھی ملاحظہ فرما کر خوشنودی کا اظہار فرمایا اور میر امام علی صاحب نے آداب بجا لایا۔
بعد ازاں عادل شاہی کتبے کی نقل ملاحظہ فرما کر خوشنودی کا اظہار فرمایا اور
نے کورنش بجا لائی۔

تصویروں کا البم ملاحظہ فرما کر خوشنودی کا اظہار فرمایا اور میر صاحب موصوف
عازم نمازگاہ ملاحظہ فرمانے کے بعد جماعت
استحان لیا۔ جواب ٹھیک
انعام دیئے
مدرسہ کو ملاحظہ فرماتے ہوئے مدرسے کے بیرونی حصے میں
تشریف لائے۔ اور جمناسٹک اور ورزش کے
کرتب ملاحظہ فرمائے۔ ازاں بعد
معہ طلباء و اسٹاف جناب ممدوح کا فوٹو لیا گیا۔

اس کے بعد بہ معیت جناب صدر مہتمم صاحب تعلیمات و دیگر عہدہ داران ضلع ٹوپل کے
ملاحظہ کے لئے تشریف لے گئے۔ اور وہاں صاحب ضلع سے ارشاد فرمایا کہ گرمی کے زمانہ میں
یہ عمارت ناقابل تعلیم
ہے تو بہتر ہے۔ تقریباً ڈیڑھ گھنٹے کے بعد
بکمال مسرت و انبساط مراجعت عمل میں آئی۔ طلباء نے زندہ باد یمین السلطنت کے پرجوش نعرے
لگائے۔ واپسی کے وقت جناب صدر مدرس صاحب نے پھر پھولوں کے ہار پہنائے۔
جناب ممدوح نے طلباء کو بغرض تقسیم شیرینی گراں قدر رقم مرحمت فرمائی۔ اور شعرائے مدرسہ کو
خاص طور سے کیمپ میں یاد فرما کر اپنے دست مبارک سے پندرہ پندرہ روپیہ انعام
مرحمت فرما کر سرفراز و افتخار بخشا۔

تمام مدرسین و طلباء سرکار کی اس عزت افزائی کے بدل ممنون ہیں۔ اور شب و روز
ممدوح کے حق میں ترقی عمر و اقبال کے لئے دست بدعا ہیں۔

از زمزمہ سنجی من و نسل دوراں — آکرد کنوں حضرت حق باب کرم را
اے شاد بزی شاد بکرسی وزارت — تا زندہ گئے ہست عرب را و عجم را

قصیدہ در مدح مہاراجہ کشن پرشاد و مہاراجہ صدر اعظم وکیرہ

نتیجۂ فکر مولوی فاضل محمد غوث محی الدین خاں

... ست تو داری شمشیر و قلم را — خجلت ز تو اسکند ...
برمسند خورشید توئی مدر معظم — بر ملک دکن ... م تو شایب
عقل تو جہانگیر جہاندار جہاں بیر — برائے نمیر تو حدوث ا ...
دستور معظم کہ دماغ شہی دارد — بر دشمن آصف ... ش ...
در سینۂ صافی تو صد گنج معارف — در دل تو بداری ہمہ اسرار و حکم ...
لاریب کہ او سلطنت نفت بدارد — اے مدعی بگزار کنوں لاف و نعم را
سرمست خمار مئے توحید نظر کن — دادہ است شرف پر تو حق دیر و حرم را
در نعمت تو منشی تقدیر نبشت است — عز و شرف و مرتبت و جاہ و حشم را
در نثر لسفتی دُرِ الفاظ و معانی — در شعر معلم ... حسان عجم را
استاد تو در شعر بود آصف سادس — سرمایۂ عزت ہمہ شعرائے عجم را
از جود و سخائے تو نہال است جہانے — گیرند بہ خرہرہ نہ دینار و درم را
عمریست کہ آوازۂ حاتم بزمانست — تو از سر نو زندہ کنی جود و کرم را
چوں مسند تو گشت فراز مہ و خورشید — حشم کرد ادب گرد ان گردوں ذرم را
در شش جہت آوازۂ انصاف تو گشتہ — عدل تو قلم کرد سر ظلم و ستم را
کرد آن دل صافی تو بس غرق ندامت — آئینۂ اسکندر و ہم ساغر جم را
یک ... بود مطلع خورشید ز نورت — یک قطرہ شمار و کرمت بحر کرم را
از زمزمہ سنجی من فاضل دوراں — وا کرد کنوں ... ب حق باب کرم را
اے شاد بزی شاد بکرسی وزارت — تا زندگئے ہست سبب را و عجم را

[illegible] هُنَا مختصرة [illegible] جميع المعلمين والمتعلمين للمدرسة الفوقانية

[illegible] يحضر.

جناب الصدر الاعظم المحترم مهاراجه كشن پرشاد بهادر يمين السلطنه ادام الله اقباله
[illegible] على فضله ونواله لقد اعطانا صدر اعظيم المجد جليل الشان حامي
[illegible] من العلوم والفنون ومزيدها في كل حين وآن قد تعزز اليوم
[illegible] مه في مكتبنا هذا وتشرفنا برويا مشكله الاسمى - لقد سرنا
[illegible] وفرحنا بكمال السرور فلله انك ايها الصدر المعظم القدر
لرفيع الشان صدرت منك الحسنات وظهرت منك البركات واستقامت
بك المدارس وتناشرت العلوم والفنون بجدك وجهدك قد اعدل والله
للصدارة العظمى والوزارة العليا التي تزينت بذاتك السنيه منبعد اننا
مشكورون بعنايتك هذه ولقد ومك في هذه المدرسة ومعاينتك لها
تقبل منا هذه المهناة وامنن علينا بقبولها عاشك الله في الدارين بعيشة
مرضيه. هذه ابيات قلتها في شانك الاعلى.

عمدة الاعيان من كل العباد — مصدر الالاء في كل البلاد
نائب السلطان والحامي له — ومشير بالعقل والرأي السداد
عادل في الناس من غير النكير — منشط الاحباب بالطبع الرشاد
مكرم العلماء والطلباء — محسن الفضلاء من غير التضاد
مرجع الشعراء والماوى لهم — ملجاء الغريب من غير النكاد
مثبت الاديان في كل الانام — مصلح الاقوام من غير الفساد
وهو صدر اعظم في ملكنا — الاسمى كشن پرشاد شاد
يا اله الخلق عظم مجده — واحيه بالسلم والعيش الملاد

زد له شرفا وعیشا فارحا　　زد له جاها الی یوم الثناء
هذا قول الهاشمی یدعو له　　استجب یا الفضل یا رب

العارض لهذه المحضاة الفقیر محمد السید عبد الغفور هاشمی (مولوی کامل)
المدرس لشعبة الدینیات
ترجمہ سپاسنامہ عربی و نظم عربی

مدرسہ فوقانیہ ضلع رائچور کے جمیع مدرسین و طلبا کی جانب سے یہ مختصر سپاسنامہ جو عالی جناب صدر اعظم مہاراجہ کشن پرشاد بہادر یمین السلطنت دام اقبالہ کی خدمت میں گزرانا جاتا ہے اللہ تعالی کے فضل و نوال و احسان کا شکریہ ہے کہ ہمیں ایک ایسا صدر عالی قدر عطا فرمایا ہے جو اپنے ملک اور اپنے بادشاہ کا حامی و معین ہے اور یہ لمحہ بہ لمحہ علوم و فنون کو زینت و زیادتی بخشنے والا ہے۔ آج وہ دن ہے کہ ان کے ہمارے مدرسہ میں تشریف آوری سے ہمیں عزت حاصل ہوئی اور ہم ان کے شرف دیدار صورت سے مشرف ہوئے ہیں۔ ہم لوگ اس تشرف و تعزز کے باعث نہایت محظوظ و مسرور ہیں۔ بے شک اے صدر عظیم القدر آپ عالی مرتبت عالی شان رئیس ہیں آپ کی ذات سے ہر دم حسنات و برکات کا اظہار ہوتا رہتا ہے۔ آپ ہی کی توجہ عالی سے مدارس کا قیام وابستہ ہے۔ آپ ہی کی سعی و کوشش اور جد و جہد سے علوم و فنون کا چشمہ جاری و ساری ہے بے شک اللہ تعالی نے آپ ہی کو اس صدارت عظمی اور وزارت عالیہ کے لئے منتخب و منتخب فرمایا ہے جو آپ کی ذات ستودہ صفات سے فخر و زینت حاصل کی ہے۔

پس اب ہم جمیع طلبا و مدرسین آپ کی اس عنایت افزائی اور ہمارے مدرسہ میں تشریف فرما کر ملاحظہ فرمائی کے ممنون و مشکور ہیں امید ہے کہ آپ اس حقیر سپاسنامہ کو شرف قبولیت

عطا فرما کر مزید شکریہ کا موقع عطا فرمائیں گے خداوند تعالیٰ آپ کو دارین میں نہایت
درجہ سربلندگی سے سرفراز فرمائے۔

ترجمہ اشعار مدحیہ

یہ چند مدحیہ اشعار جو آپ کی توصیف میں میں نے لکھا ہے خدمت والا میں پیش کرنے کی عزت
حاصل کرتا ہوں۔

آپ تمام عمائد و اعیان سلطنت کا خلاصہ ہیں — تمام شہروں میں آپ کے احسانات و انعامات جاری و ساری ہیں
آپ بادشاہ سلطان اور ان کے حامی و مددگار ہیں — اور اپنی عقل درست اور رائے صواب سے ان کے مشیر کار ہیں
آپ بلاشبہہ نہایت عادل و منصف مزاج ہیں — اور ہمیشہ اپنی لطیف و نیک طبیعت سے احباب کو خوش کرتے ہیں
آپ علما اور طالب علموں کی عزت کرنے والے ہیں — اور بلاشبہہ واقعی فضلا کے محسن ہیں
آپ کی ذات شعرا کا ماویٰ و مرجع ہے — اور بغیر بار خاطر کے آپ غریبوں کی جائے پناہ ہیں
ہر قوم و ہر طبقہ میں انکی مذاہب و ادیان کو برقرار رکھنے والے ہیں — اور بلا فساد و تنازع کے ہر قوم کی اصلاح کرنے والے ہیں
یہ وہ ہیں جو ہماری سلطنت کے صدر اعظم ہیں — جن کا نام گرامی مہاراجہ کشن پرشاد شاد ہے
اے خداوندا ان کے مجد و فضل میں زیادتی فرما — اور انہیں صلح و آشتی اور تازہ عیش کے ساز و سامان رکھ
اور ان کے لئے شرف و خوشنودی حیات زیادہ فرما — اور قیامت تک انکے جاہ و جلال میں زیادتی فرما
یہ کلام ہاشمی کا ہے جو ان کا دعا گو ہے — اے پروردگار عباد اپنے افضل و کرم سے اس دعا کو قبول فرما

گزرانیدہ کمترین سید عبدالغفور ہاشمی (مولوی کامل) مدرس شعبہ دینیات مدرسہ فوقانیہ عثمانیہ ضلع رائچور

بہ پیشگاہ عالیجناب میر السلطنت راجہ مہاراجہ کشن پرشاد صدر اعظم بہادر باب حکومت حیدرآباد دام اقبالہ

ایک عرصہ سے تھے سرگرداں مہ اختر زمیں — رشک جنت تا خود کو دکھلائے کبھی بن کر زمیں
کوئی دن ایسا نہ پائے گی کبھی خوشتر زمیں — صدیوں تک اس طرح سے کھائے گی چکر زمیں

ذرے ذرے سے یہی آواز ہوتی ہے بلند
بخت اسکندر بنی ہے آج پھر پرتو کرز میں

تیری وہ شوکت ہے اب دنیا میں بس تیرے لئے
آسماں کا چتر ہے سایہ فگن سر زمیں

نائب شاہِ دکن اور نائبِ ظلِ خدا
فیض جس کا عام ہے زیر فلک بر زمیں

چوب محور داب کر اپنے بغل میں رات دن
پاسبانی کر رہی ہے تیری پھر پھر کر زمیں

تیرا وہ ابرِ سخا بر سا ہے گوہر اس قدر
روز افزوں جائے شبنم پائے ہے گوہر زمیں

بہرِ فیاضی میں تیری ہو کبھی طوفاں بپا
کیا عجب بہہ جائے جوں کشتی بے لنگر زمیں

تیری آمد سے بڑھا رتبہ یہاں کا اس قدر
مختصر یہ آسماں سے ہے کہیں بڑھ کر زمیں

اپنی امیدیں ہیں وابستہ اسی سے لاکلام
ناز جس پر کرتی ہے ملک دکن کی سرزمیں

عدل بھی وہ عدل ہے نوشیرواں پانی بھرے
کیوں نہ ہو تجھ پر تصدق انجم و خاور زمیں

شاد سے سب نشۂ عیش و طرب سے شاد ہیں
آدمی حیوان درخت و انجم و اختر زمیں

گر لکھوں مدح وزیرِ آصف ہفتم جو میں
ہفت قلزم کی سیاہی چاہیے دفتر زمیں

بس یہی تجھ سے دعا ہے اے خدائے کارساز
شاد کو تو شاد رکھ آباد رکھ بر سر زمیں

فتح و نصرت ساتھ ہو طالع مساعد ہو سدا
تا ابد زندہ رہیں خوش حال و خرم بر زمیں

برق کیا اپنی صدا اس در سے خالی جائیگی
فیض ہی جس کے ہیں روشن انجم و اختر زمیں

گذرانیدہ ابوالفیض محمد تقی برق معلم جماعت میٹرک مدرسہ فوقانیہ عثمانیہ ضلع رائچور

در مدح مہاراجہ یمین السلطنت سرکشن پرشاد بہادر صدر اعظم سرکار عالی

آج مجموعۂ عالم ہے خوشی کی صورت
اور ہی کچھ نظر آتی ہے جہاں کی رنگت

کیوں ہوا ذہن رسا اور طبیعت حاضر
کیوں ہے چھائی در و دیوار پہ فرحِ بہجت

کس کی آمد کی خوشی میں ہے زمانہ خرم
ہے یہ کس واسطے آرائش و زیب و زینت

اے کہ وہ علم نوازی کا ہے جس کے چرچا
اے کہ وہ ذرہ نوازی کی ہے جس کے شہرت

جو ہے زیبندہ کرسیٔ صدارت اس دم
جن کی مشہور زمانے میں ہے شان و شوکت

حضرتِ زادے سے واقف ہے زمانہ سارا
جن کی تدبیر جواں جن کی ہے عالی ہمت

بس انہیں کے لئے ہے آج بہاروں پہ چمن
جن پہ قربان ہے بصد ناز عطا و غطمت

آج جب خود میرے اُستاد ثنا خواں ہوئے ہیں
طفل مکتب سے بھلا کیسے ہو تیری مدحت

صدق دل سے مری انداز یہ ہر دم ہے دعا
شاد آباد رہیں اور سلامت دولت

عیش و آرام سے سب عمر کی گھڑیاں گزریں
شادی و عیش و مسرت ہو سر درد بہجت

صد برسی سال رہیں شاد یہ صدر اعظم
روز افزوں ہو صدا عزت و جاہ و حشمت

سید ذکی حسن رضوی انداز متعلم مڈل کلاس عثمانیہ ہائی اسکول رائچور

مُعائنہ مدرسۂ فوقانیہ عثمان آباد

(از)

مولوی محمد مرغوب الدین صاحب بی۔ اے۔ بی ٹی صدر مدرس

اگر ہمیں کسی مہتم بالشان ہستی کے استقبال اور خاطر داری میں اطاعت کیشوں کی مسرت اور رہبیت آمیز سرگرمیاں۔ ان کی انتظامی جدوجہد اور خلوص وعقیدت کے دلکش مناظر دیکھنے ہوں یا یہ معلوم کرنا ہو کہ ایک ذی وقار مقتدر ہستی کس طرح اپنے ماتحتوں کی دل نوازیاں کرتی ہے کس طرح کرم وبخشش کے دروازے ان پر کھول دئے جاتے ہیں۔ کس قلب صمیم اور پاکیزہ دلی سے ان کی فلاح و بہبود چاہی جاتی ہے۔ تو عالی جناب مہاراجہ سر صدر اعظم بہادر یمین السلطنت کے دورہ کے حالات کا تفصیلی مطالعہ کرنا ہوگا۔ ہم چاہتے ہیں کہ ذیل کی سطور میں صرف ایک مدرسۂ فوقانیہ عثمان آباد کے معائنہ کے حالات ہدیۂ ناظرین کرکے جناب ممدوح کے علمی مذاق اور علمی سرپرستی کے کارناموں کی وضاحت کریں۔ یوں تو عام طور پر ہر مکتب نے عالی جناب مہاراجہ سر صدر اعظم بہادر کی تشریف آوری پر خوشی منائی مگر معلمین متعلمین کے جذبات مسرت کا کچھ اور ہی حال تھا۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ جناب ممدوح کی یہ عالی دست ہستی اس تعلیم گاہ کو اپنے قدوم میمنت سے ضرور سرفراز کرے گی اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ یہ جناب بڑی مدبر سخن آفریں وسخن شناس نکتہ رس ونکتہ نواز صوفی منش اور پاکیزہ خصال شخصیت ہے اسی لئے اس کو ملک کی تعلیم۔ ملک کے ارباب تعلیم۔ ملک کے تعلیم گاہوں اور خصوصاً طلبہ سے طالب علموں سے دلی ربط اور لگاؤ ہے۔ دل را بہ دل راہ است۔ کے مصداق معلمین ومتعلمین کی آپ کی رونق افروزی سے بیحد سرفرازی ہوئی اور انہوں نے ہر جگہ بامین پیمانہ اپنے اخلاص کا اظہار کیا

جونہی کہ مدرسہ ہذا کے طلبا و مدرسین کو عالی جناب مہاراجہ سر صدر اعظم بہادر کی تشریف آوری کی خبر ملی انہوں نے آرزومند اور امید افزا جذبات کے ساتھ اپنے باوقار حاکم کے استقبال کی تیاری شروع کردی کئی دن تک مدرسہ کے اندر و باہر طلبا اور مدرسین کی نگرانی صفائی زینت اور آراستگی کے کام میں جانفشاں نظر آتی تھیں۔ ہر جماعت کے طلبا نے اپنے مدرسین کی رہنمائی میں اپنی اپنی جماعت کو خوشنما تصاویر نظر فریب قطعات مدحیہ اشعار طغروں اور ایسی ہی بیسیوں چیزوں سے آراستہ کرنا شروع کردیا مدرسہ کے بڑے ہال کے چبوترے پر نشست کا انتظام کیا گیا اور اس کو بھی طلبا اور مدرسین نے خوش سلیقگی سے سجایا۔ مدرسہ کے دروازہ سے آگے سرخ کپڑے کی ایک کمان جس پر نیلگوں حروف سے "ویل کم" لکھا تھا۔ اپنے شاندار مہمان کے لئے چشم براہ تھی اس سے دور مدرسہ کے دروازے کے اندر رنگ برنگ کے کاغذی پھول پتوں سے سجی ہوئی ایک اور کمان استادہ تھی مدرسہ کے صدر دروازے کے متصل سیدھے بائیں جانب کیاریوں میں "ویل کم" کے خوش خط اور سرسبز حروف لہلہا رہے تھے

ہال کی سجاوٹ کا حال بہت طویل ہے۔ خیر ایک مختصر خاکہ کھینچے دیتا ہوں دروازے کے مقابل کی دیوار پر جس کے قریب مہاراجہ سر صدر اعظم بہادر کی نشست تھی سب سے اوپر GOD SAVE THE NIZAM. سلامت رہے بادشاہ دکن اور

خوش خط قطعات سربلند تھے۔ اس کے سیدھے بائیں علی الترتیب اعلیحضرت خلد اللہ ملکہ و مہاراجہ سر صدر اعظم بہادر کی تصاویر زرین مقوے کے مصنوعی چوکھٹے میں نصب تھیں اس کے نیچے مستطیل رنگین کپڑے پر ذیل کے اشعار سنہری حروف میں لکھے ہوئے تھے۔

مسند آرائے وزارت راجۂ کیواں حشم — روشن اس کی رائے روشن سے نگاہ روشنی
اس کی تقریروں سے رنگین گلستان شاعری — اس کی تحریروں پہ نظم مملکت کا انحصار

اس کے نیچے خوش رنگ کاغذی گجروں کے پیچ و خم زنجیرے کے اتار چڑھاؤ اور قدرتی پھولوں

پتوں کے خوش وضع گلدستوں نے جو جا بجا دیوار میں جڑوئے گئے تھے ہال کی خوبصورتی میں چار چاند لگا دئیے تھے۔ ہال کے دوسرے حصہ میں ڈرائنگ کے نمونے تاریخ و جغرافیہ کے نقشے اردو اور انگریزی متولے (MOTTAS.) مناسب موقعوں پر چسپاں تھے۔ مدرسہ کے سقفی فضا میں خوشنما جھنڈیاں اقلیدسی شکل میں لہراتی ہوئی خوش منظری کو دوبالا کر رہی تھیں بالآخر وہ دن آپہونچا جس روز کہ عالی جناب مہاراجہ سر صدر اعظم بہادر کی رونق افروزی سے آباد کی باہر مسافر بنگلہ کے قریب عہدہ داران مقامی نے جناب ممدوح کا استقبال کیا۔ مدرسے کا دستہ مولوی سمیع الدین صاحب اسکاوٹ ماسٹر کے زیر نگرانی سلامی کے لئے موجود تھا جناب ممدوح کی موٹر سامنے آتے ہی اس نے چیرز دئیے یہاں سے آپ کی سواری ایک جلوس کی شکل میں قیام گاہ کی جانب روانہ ہوئی۔ موٹر آہستہ آہستہ چل رہی تھی اور ارادت مند بائی اسکاوٹ اس کو گھیرے ہوئے تھے۔

بتاریخ ۹ ماہ اسفندار ۱۳۳۷ف روز دوشنبہ اطلاع ہوئی کہ مدرسہ تشریف لائیں گے حسب ارشاد ٹھیک دوپہر میں سواری والا مرتبت مدرسہ آئی۔ پھاٹک سے باہر عالی جناب صدر مہتمم صاحب تعلیمات اور صدر مدرس نے استقبال کیا دروازہ کے اندر بائی اسکاوٹ دونوں جانب قطاریں باندھے کھڑے تھے۔ موٹر سے اترتے ہی انہوں نے باقاعدہ سلامی دی اور فوراً فوجی قاعدے کے مطابق ڈنڈوں کے سروں کو ملا کر ایک کمان بنا دی عالی جناب مہاراجہ سر صدر اعظم بہادر اور تمام ساتھی آہستہ آہستہ اس کے نیچے سے گزر گئے۔

ہال میں داخل ہوتے ہی عالی جناب صدر مہتمم صاحب تعلیمات نے جناب ممدوح سے کرسی صدارت پر جلوہ افروز ہونے عرض کیا آپ نے سمہ صاحبزادگان بلند اقبال تشریف رکھی ساتھ ہی صدر مدرس نے گشتی میں پھولوں کے ہار پیش کیا۔ جنہیں لے کر عالی جناب صدر مہتمم صاحب تعلیمات نے مہاراجہ سر صدر اعظم بہادر اور صاحبزادگان بلند اقبال کو پہنایا۔ اس کے بعد ایک طالب علم سامنے آیا اور مودبانہ سلام کر کے حسب الحکم اسٹول پر بیٹھ گیا۔

قرآنی آیات کی تلاوت شروع کی جسکو نہایت خشوع وخضوع سے سنا گیا۔ چنانچہ جب طالب علم ایک خاص آیت پر پہونچا تو مہاراجہ سر صدر اعظم بہادر نے اس آیت کو دھرانے کے لئے ارشاد فرمایا۔ پھر دو طالب علم آئے ایک نظم جس میں خدا کی تعریف اور سلامتی بادشاہ کی دعا تھی دل آویز لہجہ میں پڑھی گئی۔ اس وقت مہاراجہ سر صدر اعظم بہادر تعظیماً استادہ ہو گئے۔ وہ نظم یہ تھی۔

پروردگار تیری ہر چیز مدح خواں ہے
قدرت کا تیری جلوہ ہر ایک سے عیاں ہے

بے خوف و خطر ہم دنیا میں بس رہے ہیں
تو ہر جگہ ہمارا ہر وقت پاسباں ہے

وہ شمع علم تو نے بندوں کے ہاتھ میں دی
جس کی ضیا میں سارا یہ کارواں رواں ہے

شاہا دو کون تو نے اس علم سے بنائے
تیری عنایتوں کا ممنوں سب جہاں ہے

وہ باغباں ملا ہے تیرے کرم سے ہم کو
جس کے چمن میں اپنا بیخوف آشیاں ہے

ہم جس کے زیر سایہ رہتے ہیں شاد و خرم
وہ ہے نظام سابع وہ شاہ مہرباں ہے

علم و ہنر کے چشمے جاری ہیں اس کے دم سے
جس سے دکن ہمارا سرسبز گلستاں ہے

تا علم و فن کو سیکھیں ہم اس کے زیر سایہ
اپنی دعا یہ تجھ سے اے رب دو جہاں ہے

قائم رہے الٰہی یہ بادشاہ ہمارا
خوان کرم پہ جس کے مہمان اک جہاں ہے

ہے یہ دعا ہماری مقبول ہو الٰہی
زندہ رہے ابد تک شاہ دکن ہمارا

اور دو طالب علموں نے خود حضرت شادؔ کی ایک تازہ غزل کے چند منتخب اشعار نہایت خوش الحانی سے پڑھے۔ غزل کے منتخب اشعار یہ تھے۔

میں سمجھتا ہوں کہ یہ تیری جفا کچھ بھی نہیں
اور ترے نزدیک یہ مری وفا کچھ بھی نہیں

منحصر ہے تیری رحمت پہ فلاح آرزو
ورنہ جذبہ آہ و تاثیر دعا کچھ بھی نہیں

عشق سے البتہ ملتی ہے حیات جاوداں
ورنہ انجام جہاں غیر از فنا کچھ بھی نہیں

چارہ گر بیفائدہ کرتے ہیں کیوں میرا علاج
عشق ایسا درد ہے جس کی دوا کچھ بھی نہیں

مہر وحدت کی تجلی ہے مہ و خورشید میں
ورنہ ان ناچیز ذروں کی ضیا کچھ بھی نہیں

دیر ہو یا کعبہ یا ہو کلیسا ہر جگہ
تو ہی تو ہے جلوہ گر تیرے سوا کچھ بھی نہیں

منکر ذات احد جو لوگ ہیں گمراہ ہیں
ان کی غفلت ہے جو کہتے ہیں خدا کچھ بھی نہیں

ذرے ذرے میں تجلی ہے عیاں اس مہر کی
گر نہیں ذات احد تو پھر ہے کیا کچھ بھی نہیں

منحصر ہے شاد ہے اس کے کرم پر ہر عطا
ورنہ کیا ہے دیکھ تاثیر دعا کچھ بھی نہیں

اس کارروائی کے ختم ہوتے ہی عالی جناب مہاراجہ سر صدر اعظم بہادر جماعت میٹرک میں تشریف لائے اردو کی درسی کتاب لے کر مقام درس دریافت فرمایا اور پھر جناب صدر مہتمم صاحب تعلیمات سے مخاطب ہو کر اس کتاب کے نام مصنف اور مضامین متعلق تھوڑی دیر کچھ گفتگو فرماتے رہے ایک طالب علم سے عبارت پڑھوائی اگر وہ غلطی کرتا تو دوسرے سے تصحیح کے لئے فرماتے تھے۔ ایک دو تلفظ اور اعراب کی غلطیاں دوسرے طلبا نے صحیح کیں۔ پھر آپ نے شرکائے جماعت اور حاضر طلبا کی تعداد دریافت فرمائی اور پیری میٹرک کی جماعت کو ملاحظہ فرما کر ارشاد فرمایا کہ جگہ بہت تنگ ہے عالی جناب صدر مہتمم صاحب تعلیمات نے اس امر کی صراحت کی کہ دوسری کوئی موزوں جگہ نہ ہونے کی وجہ انہیں اس جگہ بٹھانا ناگزیر ہے۔ یہاں سے چل کر عالی جناب مہاراجہ بہادر جماعت مڈل میں داخل ہوئے۔ طلبا کو بغور ملاحظہ فرمایا تعداد طلبا کے علاوہ اس جماعت کے نصاب کے متعلق چند امور دریافت فرمائے جس کی عالی جناب صدر مہتمم صاحب تعلیمات نے تصحیح کی پھر سکنڈ فارم سے ہوتے ہوئے اور اس کے تعلیمی کورس سے بحث کرتے ہوئے مڈل فرنچ میں تشریف لائے۔ فرمایا کہ اس جماعت میں کیا تعلیم ہوتی ہے۔ صدر مدرس نے عرض کیا کہ اس کا نصاب وہی ہے جو مڈل میں پڑھایا جاتا ہے۔ فرق ہے تو اس قدر کہ یہ طلبا انگریزی بطور زبان زائد دوم پڑھتے ہیں۔

غرض کہ تقریباً ایک گھنٹہ تک مدرسہ کا معائنہ فرمانے کے بعد آپ نے مراجعت کا

تہنیہ کیا۔ اور اسی وقت طلبا کو شیرینی تقسیم کرنے کے لئے ایک گراں قدر رقم مرحمت فرمائی بوقت روانگی عالی جناب صدر مہتمم صاحب تعلیمات نے مدرسہ کی جانب سے اس عزت افزائی کا شکریہ ادا کیا۔ بائی اسکاوٹ نے سلامی دی اور کمان بنائی۔

دوسرے روز پولیس گراونڈ پر مدرسہ اور پولیس کے اسپورٹس مقرر تھے یہ پانچ بجے شروع ہوئے اولاً پولیس نے پریڈ نشانہ بازی اور (SKIELAT ARMS.) اسکیلاٹ آرمس کے چند کرتب دکھلائے۔ اس کے بعد کا دلچسپ مقابلہ آبسٹیکل ریس تھا (جس میں مقابلہ کرنے والوں کو طرح طرح کی رکاوٹوں کو عبور کرنا ہوتا ہے) اس میں مدرسہ کے طلبا بھی شریک تھے اور انہوں بہت پھرتی کا اظہار کیا۔

پھر سیک ریس ہوئی (تھیلا پہن کر دوڑنے کا مقابلہ) اس میں مدرسہ ہذا کا طالب علم رائچور اور عثمان آباد کے پولیس والوں کے مقابل میں اول رہا۔ اختتام پر مہاراجہ بہادر نے اپنے دست مبارک سے اول آنے والوں کو انعامات عطا فرمائے۔

مختصر یہ کہ آپ کے اس معائنہ اور تعلیمی توجہ نے جو آپ کا خاص وصف ہے تعلیمی دنیا اور ارباب تعلیم پر نہایت خوشگوار اثر ڈالا۔ ذوق تعلیم اور نظم و نسق مدرسہ میں اس سے خوش آیند انقلابات پیدا ہونے کی قوی توقع ہے اور یہ دن عثمان آباد کی تعلیمی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہیگا

معائنہ مدرسہ خانگی ہمدرد راچور

بعین دورہ عالی جناب ہز اکسلنسی مہاراجہ سر صدر اعظم بہادر نے مدرسہ خانگی ہمدرد راچور کا معائنہ فرمایا معززین و عہدہ داران موجود تھے۔ ڈرائنگ و عمارت مدرسہ کا معائنہ کرنے کے بعد جو ایڈریس پیش ہوا اور جواباً عالی جناب مہاراجہ ممدوح الشان نے جو تقریر دلپذیر فرمائی وہ درج ذیل ہے۔

(المعلم)

ایڈریس پیشکردہ منجانب کمیٹی راو وکیل ہائیکورٹ بانی مدرسہ راچور ہمدرد

ہم ممبران عثمانیہ ایجوکیشنل سوسائٹی ضلع رائچور نہایت ادب سے عرض کرنے کی عزت حاصل کرتے ہیں کہ یور اکسلنسی نے ہمارے ناچیز درخواست کو شرف قبولیت عطا فرما کر مدرسہ ہمدرد کو رونق افروزی کا فخر بخشا عالی جناب کے گہوارہ شفقت میں اکثر علمی مجالس اور تعلیم گاہیں پرورش پاکر نشو ونما پا رہے ہیں۔ جو علمی دنیا سے مخفی نہیں ہے۔

عالی جناب کا اصول زمانہ وزارت میں ملک رمالک کی اطاعت اور عامۂ خلائق کی دلجوئی اور انصاف پہلے ہی تھا اور اب بھی ہے۔ اس لئے ہمارے آقائے ولی نعمت نے اپنی کمال تدبر شاہانہ سے یور اکسلنسی کا انتخاب صدارت عظمی کے لئے فرما کر رعایائے دکن کے حقیقی ضروریات کو تکمیل فرمادی ہے جس کے لئے رعایائے سرکار عالی مسرور و مطمئن ہے۔ عالی جناب کو صدارت عظمی پر متمکن ہوئے [illegible] کیال سے کچھ ہی زیادہ عرصہ ہوا لیکن اس قلیل عرصہ میں

جس سرعت وتیزی کے ساتھ ضروری اصلاحات فلاح وبہبودی خلق اللہ کے خاطر ہو رہے ہیں اُس کی بدیہی شہادت یور اکسلنسی کا ہر گوشہ ریاست کا دورہ ہے جس مدبرانہ دعادلانہ پالیسی سے سرکار کے دور مبارک میں پبلک کے احتیاجات کی جانچ پڑتال ہو رہی ہے اس کو رعایائے دکن اپنے بخت وبیداری تصور کرتے ہوئے بحالت اطمینان وسرور بعجز والحاح درگاہ مجیب الدعوات میں سربسجود ہو کر دعاگو ہے ہمارے حضرت پیر ومرشد تاجدار دکن کا سایہ عاطفت ہمیشہ کے لئے ہمارے سروں پر قائم وبرقرار رہے اس کے ساتھ ہی ہم کو یقین ہے کہ یور اکسلنسی کا زمانہ وزارت مدت مدید تک ہمارے لئے حق رسائی عدل وانصاف کا زمانہ رہے گا۔

عالی جناب اس کے بعد ہم اراکین عثمانیہ ایجوکیشنل سوسائٹی مودبانہ طور پر اس سوسائٹی کا کارنامہ خدمت عالی میں پیش کرنا چاہتے ہیں۔ اور ہے یہ کہ یہ مدرسہ ساکنین رائچور کا متحدہ ومشترکہ کوشش وامداد بالخصوص سیٹھ ساہوکاران ودکلا، رائچور کے سعی سے اپنے عمر کا آٹھواں سال بہ خیر وخوبی تکمیل کو پہونچایا ہے۔ مدرسہ ہذا میں امتحان مڈل تک تعلیم کا انتظام ہے اور یہ تعلیم مفت اور بلا معاوضہ دی جاتی ہے جملہ (۱۲) مدرسین ہیں ان میں دو بی۔ اے ہیں اس وقت مدرسہ ہذا میں (۱۲۵) ہندو اور (۱۲۵) مسلمان طلبا زیر تعلیم ہیں اور یہ مسئلہ سوسائٹی کے زیر غور ہے کہ قیام میٹرک کلاس کے ساتھ صنعتی تعلیم کا انتظام ہو ان مقاصد کی تکمیل میں اس ناچیز سوسائٹی کی بدیں وجہ حوصلہ افزائی ہو رہی ہے کہ ایک پوتر آتما علم دوست ہستی کا سایہ عاطفت بہ حیثیت امیر کبیر صدر اعظم ہمیں نصیب ہوا ہے انشاء اللہ یہ سوسائٹی برکات دور عثمانی سے حضرت شاہ مدظلہم کے دور حکومت میں اپنے مقاصد کی تکمیل نہایت آزادی کے ساتھ کرے گی اور زمانہ حال کے بھیشم پتاما یور اکسلنسی کی اس زرین قول پر کاربند رہے گی۔

"میں ہوں ہندو میں ہوں مسلمان ہر مذہب ہے میرا ایمان"

"شاد کا مذہب شاہی جانے آزادی آزاد ہی جانے"

عالی جاہا۔ آج کے روز جس خلوص و محبت کے ساتھ ہماری تمناؤں کو پورا کرکے عزت افزائی فرمائی گئی ہے اس کے لئے مکرر اظہار تشکر و امتنان کے ساتھ خدائے عزوجل سے دعاگو ہیں کہ برکات دور عثمانی سے فیضیاب ہوکر دنیا میں ملک دکن بھی تہذیب و تمدن کے اعلیٰ معراج پر پہونچنے کے سامان زمانہ صدارت عالی میں فراہم ہوں اور رعایائے دکن بلا امتیاز مذہب و ملت خوش و خرم رہے۔

الٰہی بخت تو بیدار بادا ترا دولت ہمیشہ یار بادا

اڈریس کے جواب میں عالیجناب مہاراجہ بہادر نے جو تقریر فرمائی ہے وہ حسب ذیل ہے

حاضرین۔ آپ صاحبین نے جس خلوص اور عقیدت کے ساتھ یہ اڈریس مقدم سنایا ہے میں اس کا تہہ دل سے ممنون ہوں۔ میری اور میری خدمات کے نسبت جو ذکر آپ نے کیا ہے اس کو میں آپ لوگوں کے عقیدت مندی پر محمول کرتا ہوں۔ میں اپنا فرض خیال کرتا ہوں کہ مالک کی خدمت گذاری اور اہل ملک کی سود اور بہبود کے لئے کوشاں رہوں اور حتی الامکان رعایا کی فلاح اور بہبودی کے لئے جو کچھ بھی مجھ سے ہوسکتا ہے اس کی تکمیل میں پوری سعی کروں تعلیم سے بہتر کوئی شئے نہیں ہے تعلیم ایک ایسا جوہر ہے جو انسان کو اعلیٰ ترین درجہ تک پہونچا سکتا ہے۔ میری دانست میں مدرسے وہی زیادہ قابل قدر ہیں جو باہمی امداد کے ساتھ بلا تفریق مذہب خلوص دل سے قومی خدمت انجام دیں۔ میری اس نصیحت کو ہمیشہ یاد رکھئے کہ تعلیمی جد و جہد میں سیاسی امور کی ہوا نہ لگنے پائے اور اس کا زہریلا سرایت نہ کرے۔ تعلیم تعمیری ہونا ضروری ہے۔ بے تعصبی۔ ہمدردی۔ دل جوئی اور محنت بھی چیزیں ہیں جو تعلیم کے لئے ضروری ہیں اور جن کی باعث قوم اور ملک کی اصلی اور سچی خدمت ہوسکتی ہے پھیلے مذاق کی ترقی ذرائع معاش کی وسعت۔ رئیس ملک سے گہری عقیدت

اس ملک کے اچھے تعلیم کے معمار ہیں۔ میں دل سے دعا کرتا ہوں کہ جس محنت سے آپ نے یہ مدرسہ قائم کیا ہے خدا اس کا بردے اور موجودہ حالت سے کہیں زیادہ ترقی کرے۔ اور آیندہ یہ قوم کے نونہال پودے مالک و ملک کی خدمت گزاری سچے معنوں میں کرے آمین ثم آمین۔

معائنۂ مدرسۂ نوتن ودیالہ گلبرگہ

(از)

جناب رضی راو صاحب وکیل و معتمد مدرسہ

مدرسہ نوتن ودیالہ گلبرگہ شریف جس کا عالی جناب مہاراجہ سر صدر اعظم بہادر نے معائنہ فرمایا ۴۳ ویں سالگرہ مبارک حضرت غفران مکان کے یادگار میں بتاریخ ۱۰ امرداد ۱۳۱۷ف پنڈت وٹھل راو صاحب وکیل مرحوم نے بذریعہ مادری زبان تعلیم کی اشاعت کرنے کی غرض سے قائم فرمایا مدرسہ کی افتتاح (۷) طلبا سے کی گئی اور اس وقت مدرسہ میں تقریباً تین سو طلبا تعلیم سے فیضیاب ہو رہے ہیں۔ اس قلیل عرصہ میں مدرسہ نے نمایاں ترقی کی ہے۔ چنانچہ ۱۳۲۲ف میں مڈل کی جماعت کے تعلیم کا آغاز مدرسہ میں کیا گیا اور اس وقت سے اب تک تقریباً دو سو طلبا نے امتحان مڈل سرکار عالی میں کامیابی کی سرکار عالی نے ۱۳۲۲ف میں اس کو مسلمہ قرار دیا بانیان مدرسہ کو اس امر کا احساس ہوا کہ کامیابی امتحان مڈل کے بعد طلبا کے متمول والدین یونیورسٹی بمبئی کے امتحان میٹرک کے تعلیم کی غرض سے اپنے بچوں کو بہ صرف کثیر دور دراز مقامات پر بھیجدیتے ہیں لیکن متوسط الحال لوگوں کے لئے اس قدر زر کثیر کے صرفہ کا متحمل ہونا ایک ناگوار امر تھا لہذا اس مدرسہ میں بمبئی میٹرک کی جماعت کا افتتاح کرنا مناسب خیال کیا چنانچہ ۱۳۲۶ف میں

اس جماعت کا افتتاح ہوا اور اب تک تقریباً ایک سو طلبا، امتحان میٹرک میں کامیاب ہوئے اور ان کے منجملہ بعض طلبا نے کالج کا کورس طے کرکے یونی ورسٹی کے اعلیٰ ڈگریاں حاصل کیں۔ حتیٰ کہ ان میں سے بعض ولایت کے اعلیٰ ڈگریوں کے حاصل کرنے میں بھی کامیاب ہوئے۔ جو مدرسہ کے لئے ہر طرح باعث فخر ہے۔

اس مدرسہ کا انتظام ایک مجلس انتظامی کے تفویض ہے جو ایک صدر نشین اور نائب صدر اور منتخبہ اراکین پر مشتمل ہے۔ اور اس وقت پنڈت گوپال راؤ صاحب ویل ہائیکورٹ صدر نشین مجلس اور پنڈت جناردھن راؤ صاحب دیساوے معتمد کمیٹی انتظامی ہیں۔

اس مدرسہ نے پبلک کی جو خدمت کی ہے وہ عوام پر ظاہر ہے۔ اور پبلک نے اپنے بیش بہا مالی امداد سے اس مدرسہ کو عرصہ ۲۰ سال سے قائم اور جاری رکھا ہے یہ امر ان کے لئے باعث تحسین لایق مبارک باد ہے اس عرصہ میں اکثر حکام ان ممالک محروسہ سرکار عالی جس میں مدرسہ تعلیمات اور پولیس کے اعلیٰ افسران بھی شامل ہیں۔ مدرسہ ہذا کا معائنہ کرکے اظہار خوشنودی سے منتظمین کمیٹی کی حوصلہ افزائی فرمائی ہے کمیٹی مدرسہ نے امداد کے متعلق ۱۹ فروردی سنہ ۱۳۲۲ف سے کارروائی آغاز کی ہے لیکن اب تک کوئی قطعی تصفیہ نہیں ہوا ہے۔

عالی جناب مہاراجہ بہادر یمین السلطنت صدر اعظم باب حکومت بغرض معائنہ مدرسہ تشریف فرما ہوئے اور منجانب کمیٹی مدرسہ سے سپاسنامہ صاحب ممدوح الشان کے ملاحظہ میں گزرانا گیا اور ان کے جواب میں جن خیالات کا اظہار فرمایا وہ درج ذیل ہے۔

سپاسنامہ مت مجد عالیجناب راجا یاں مہاراجہ سر کشن شاد بہادر یمین السلطنت کے سی آئی ای صدر اعظم باب حکومت سرکار عالی

ف ہم ارکان کمیٹی مدرسہ نوتن ودیالہ گلبرگہ نہایت ادب سے عرض کرنے کی عزت حاصل کرتے ہیں کہ عالی جناب نے بہ نفس نفیس رونق افروز مدرسہ ہذا ہوکر ہماری کمال عزت افزائی فرمائی ہے جس قدر فخر و اظہار تشکر کریں کم ہے۔

ف ۴ ہم اپنی خوش قسمتی پر ناز کرتے ہیں کہ مہاراجہ بہادر کے قدوم فیض لزوم سے ہمارا مدرسہ دوسری مرتبہ مستفید ہو رہا ہے۔ اس کے قبل ۱۳۱۹ف میں جب کہ کرسی مدار المہامی کو مزین فرمائے اس مدرسہ میں رونق بخش ہو کر اس کی عزت افزائی فرما چکے ہیں ہم ایک عرصہ سے متمنی تھے کہ پھر ان کے قدوم سراپا برکت سے یہ مدرسہ مستفیض اور مستفید ہو۔

ف ۱ اس مدرسہ کا قیام ۱۳۱۷ف میں حضرت غفران مکان کے (۴۳) دیں سالگرہ مبارک کے موقع پر عمل میں آیا عہد عثمانیہ ہمارے لئے ایک عدیم المثال دور فیض رساں رہا ہے جس کی ایک خاص خصوصیت یہ ہے کہ آثار دینی نصرت اعلیحضرت شہریار دکن نے بذات خود امور مملکت و رعایا کے فلاح و بہبودی میں خاص دلچسپی لی اور ہماری تعلیمی و معاشرتی احتیاجات کے پورا کرنے کی سعی بلیغ فرمائی گو اس مدرسہ کی ابتدا ۱۳۱۷ف میں حضرت غفران مکان کے (۴۳) دیں سالگرہ مبارک کے موقع پر ہوئی لیکن اس کی ترقی اسی عہد عثمانیہ میں ہوئی ہے۔

ف ۲ مدرسہ ہذا کی عمر اس وقت (۲۰) سال ہے اس مدت (۲۰) سالہ میں مدرسہ ہذا نے برابر ملک و مالک کی خدمت انجام دی ہے اور طلباء اس وقت اس مدرسہ سے نہ صرف مڈل و میٹرک کے امتحانات میں کامیاب ہوئے بلکہ یونیورسٹی کے امتحانات میں بھی درجۂ امتیاز حاصل کیا متعدد طلبا، مدرسہ ہذا ایل۔ ایل۔ بی۔ پاس کر کے اور بعض بیرسٹر ہو کر پیشہ وکالت انجام دے رہے ہیں بعض یونیورسٹی کی طبی ڈگری حاصل کر کے ولایت کی تعلیم سے مستفید ہو کر یہ سب ترقی عالی جناب کے اس دعا کا نتیجہ ہے جو عالی جناب نے گزشتہ موقع پر آج سے ۱۸ سال قبل ایک گرانقدر خطبہ کے ساتھ اس ادنیٰ خدمت قومی کے ترقی کے لئے فرمائی تھی

ف ۵ یہ مدرسہ ابتدائے قیام سے تا حال محض پبلک کے امداد پر چلایا جا رہا ہے جس کا صرفہ سالانہ (۱۰۰۰۰) روپیہ سے کچھ زائد ہے گو گلبرگہ کی پبلک اسپرٹ و علم دوستی قابل داد ہے مگر بلحاظ حالات ملک گلبرگہ جیسے قصبہ کے لئے یہ بار گراں ضرور متصور ہے اسی وقت کے مدنظر کمیٹی نے ۱۳۲۲ف سے متواتر کوششات کیں کہ سررشتہ تعلیمات سرکار عالی سے بذریعہ

امداد قومی مدرسہ ہذا کی حوصلہ افزائی ہو مگر اس وقت تک کوئی نتیجہ مفید برآمد نہیں ہوا۔ کیے

ف ۶ ہم کو اس امر کے عرض کرنے میں بھی بڑا فخر ہوتا ہے کہ ملک کی خوش قسمتی سے جلوس صدارت کی عنان ایسی مبارک ہاتھوں میں ہے کہ جن کو تعلیم سے خاص دلچسپی ہے اور جن کے علم و فضل کی شہرت چار دانگ عالم ہو رہی ہے ایسی حالت میں اگر ہم بھی اس کی توقع کریں ہمارا مدرسہ بھی سرکار کی امداد سے مستفید ہو کر ترقی کی آخری منزل پر پہونچے تو بیجا نہ ہوگا۔

ف ۷ ہم ایشور سے پرارتھنا کرتے ہیں کہ عالی جناب منصب صدارت عظمیٰ پر دائم دائم رہ کر ترقی تعلیم و ملک کے موجب ہوں۔

خادم

گوپال راؤ وکیل ہائیکورٹ صدر نشین کمیٹی مدرسہ نوتن ودیالہ گلبرگہ شریف

تقریر عالی جناب مہاراجہ صدر اعظم دربار مہاراجہ حکومت سرکار عالی

بجواب اڈریس صدر نشین کمیٹی مدرسہ ودیالہ گلبرگہ شریف

اس مدرسہ کا ابتدائی معائنہ میں نے سولہ برس قبل کیا تھا۔ اس عرصہ مدت میں جو ترقی اس مدرسہ نے کی ہے وہ عملی ثبوت مدرسین اور منتظمین کے حسن خدمات کا ہے۔ قومی تعلیم گاہیں قومی حیات اور بیداری کی نشانیاں ہیں قومی مدرسوں کا وجود ملک کے لئے مبارک اور اہل ملک کے لئے باعث سعادت ہوتا ہے۔ خواہ گورنمنٹ کیسی ہی فیاض اور دریا دلی سے اہل ملک کو زیور علم سے سنوارنے کی خاطر بے دریغ روپیہ صرف کرے اہل ملک کا ذاتی احساس اپنے درس گاہوں کے قیام کے لئے لوازمات ترقی میں داخل ہے۔ قومی مدرسہ اور سرکاری مدرسے میں اسی قدر فرق ہے کہ قومی مدرسہ کے طلبا میں ایثار اور خدمت ملک کے سیکھنے کا بیشتر موقع ملتا ہے اور ان کے سامنے سرکاری احکام کی تعمیل اور مزدوری کے

طریقہ پر تعلیم دینے کی مثال سے زیادہ روشن مثال ملک کی سود و بہبود کی خاطر دلگذاری کے ساتھ تعلیمی خدمات کی انجام دہی رہتی ہے اور یہی امتیاز ہے جو قومی مدرسوں کے فارغ التحصیلوں کو زیادہ کامیاب بناتا ہے۔ فوٹن دویالہ کی ترقی اہل گلبرگہ کے مذاق سلیم کی ترقی کی دلیل ہے جس کی میں دل سے قدر کرتا ہوں جس مبارک اور صلح کل ہستی کے سعید زمانہ میں مدرسہ کی بنیاد پڑی ہے اور جس مبارک زمانہ میں نشو و نما پا رہا ہے ان ہر دو خصوصیات کو مدنظر رکھتے مجھکو یہ توقع رکھنی چاہیئے کہ اس مدرسہ کی فضا میں معاشی اخلاقی اور ادبی تعلیم سے بڑھکر ایسی باتوں کو طلبا کے گوش گذار کرنے سے احتیاط کامل ضروری ہے جس کے نفس تعلیم میں ہرج واقع ہو اور ان کے ہونہار پاک وصاف قلوب گرد و غبار سے آلودہ ہو کر اُن کی زندگانی اور صحت اخلاقی پر برا اثر نہ پڑنے پائے یہ امر بھی لحاظ کے قابل ہے کہ اس مدرسہ اور دیگر مدارس مقامی میں باہمی ارتباط اور یکسانی کے قائم رکھنے کی کوشش لازمی طور پر مفید ہے۔ جہاں تک ممکن ہو ان ہونہار ملک کے نوجوانوں کو یہ درس دیا کیجئے کہ۔

آسایش دو گیتی تفسیر این دو حرفست　　با دوستاں مروت با دشمناں مدارا

سرکاری مشیران و نگران کار ان تعلیمات سے جی کھول کر آپ کو مدد لینا چاہیئے کہ اچھے مشورے اور مفید تجاویز علمی کے حاصل کرنے میں آپ کو آسانی ہو آپ کو یہ امید رکھنی چاہیئے کہ سررشتہ تعلیمات آپ کی ضرورتوں کے مدنظر امداد مناسب کی کارروائی کو جلد طے کرے گا آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور بقول آپ کے اگر میری دعا نے کوئی ثمر لایا ہے تو پھر میں دوبارہ اُس پرماتما سرب شکمان کے بارگاہ میں عاجزی کے ساتھ پرارتھنا کرتا ہوں کہ اس مدرسہ کے ہونہار بچے ملک و مالک کے حقیقی خدمتگزار اور جان نثار رعایا بنے ہوں اور پرماتما سرب شکمان اُن کو شانتی نصیب کرے اور یہ پھلیں پھولیں شاد و خرم رہیں۔

مرقع ترقی تعلیم صوبہ گلبرگہ

بملاحظہ عالیجناب راجہ راجایان راجہ سرکشن پرشاد مہاراجہ مہاراجہ یمین السلطنت جی سی آئی ای صدر مہتمم مہام صوبہ سرکار آصفیہ

(پیش کردہ)

مولوی سجاد مرزا صاحب۔ ایم۔ اے (کنٹب) صدر مہتمم تعلیمات صوبہ گلبرگہ شریف

محل وقوع صوبہ گلبرگہ صوبہ گلبرگہ ممالک محروسہ سرکار عالی کے جنوبی مغربی حصہ میں واقع ہے اور مغرب اور جنوب میں احاطہ بمبئی اور مدراس سے گھرا ہوا ہے۔ یہ چار اضلاع پر منقسم ہے جن کے نام یہ ہیں۔

گلبرگہ ۔ رائچور ۔ بیدر ۔ عثمان آباد۔

رقبہ و آبادی صوبہ گلبرگہ کا رقبہ (۲۲،۱۱۷) مربع میل ہے۔ بہ الفاظ دیگر اس کا رقبہ بلجیم کا تقریباً دگنا اور ریاست گوالیار کے برابر ہے اضلاع کا رقبہ و آبادی حسب صراحت ذیل ہے

نام ضلع	رقبہ	آبادی
گلبرگہ	۶۹۷۵ مربع میل	۱۰۹۵۷۵۸
رائچور	۶۷۹۱ ″	۹۲۲۳۲۲
بیدر	۴۸۲۵ ″	۸۰۰۷۵۱
عثمان آباد	۳۵۲۶ ″	۶۱۵۲۱۶

انتظام تعلیم ممالک محروسہ سرکار عالی میں سرکاری طور پر تعلیم کا آغاز ۱۸۵۴ء میں ہوا اور ۱۸۵۹ء میں ہر تعلقہ میں ایک ایک فارسی اور ایک ایک زبان ملکی کے مدرسہ کے قیام کے متعلق احکام

[illegible] لئے گئے اور یہ بھی حکم دیا گیا کہ ہر ضلع کے ستقر پر ایک ایک مدرسہ قائم کیا جائے۔ مدارس کی نگرانی کے لئے کمیٹیاں مقرر کی گئیں جن کی صدارت کے فرائض تعلقات میں تحصیلدار اور اضلاع میں تعلقدار کے ذمہ کئے گئے۔ اس طرح تعلیمی انتظام بالکلیہ عہدہ داران مال کے ہاتھ تھا۔

۱۸۷۷ء میں ورنیکلر تعلیم کا ایک ناظم مقرر کیا گیا جس نے مدارس اضلاع کی از سر نو تنظیم کی مگر پھر بھی ان مدارس کا انتظام عہدہ داران مال ہی کے ہاتھ میں رہا اور انتظامات تعلیمات کے اصلی کام میں تاخیر ہوتی رہی۔

حال کی ہیئت ترکیبی کی رو سے سررشتہ تعلیمات ناظم تعلیمات کے ماتحت ہے ہر صوبہ پر ایک صدر مہتمم تعلیمات مقرر ہے اور ہر ضلع پر ایک مہتمم جس کے تحت مدارس کی تعداد کے لحاظ سے ناظر مامور کئے گئے ہیں۔ ریلوے مقامات کے زنانہ مدارس لیڈی انسپکٹر کے تحت ہیں جن کا مستقر حیدرآباد میں ہے ۱۳۲۸ف میں خدمت صدر مہتمم تعلیمات قیام عمل میں آیا۔

تعداد اطفال زیر تعلیم بلحاظ تناسب آبادی اس وقت ۵۷ء۴ فی صدی نفوس زیر تعلیم ہیں ۱۳۳۳ف میں جب کہ اس صدر مہتمم نے صوبہ گلبرگہ کا جائزہ حاصل کیا ۱۱ء۶۰ فی صدی نفوس زیر تعلیم تھے۔ اس طرح چند ہی سال میں ۳/۹ فی صدی نفوس زیر تعلیم کی ترقی ہوئی ہے

سرکار عظمت مدار کے علاقہ کی رپورٹ ترقی تعلیم بابت ۱۹۲۶ء مظہر ہے کہ علاقہ انگریزی میں بلحاظ تناسب آبادی صرف ۳ فی صدی نفوس زیر تعلیم ہیں۔ احاطہ مدراس ۵ء۲ اور صوبہ پنجاب میں ۴ء۴۴۔ علاقہ انگریزی کے اعداد صوبہ گلبرگہ کی تعلیمی حالت کو بخوبی واضح کرتے ہیں۔

تعداد مدارس وطلباء ہر مستقر ضلع پر ایک مدرسہ فوقانیہ اور تقریباً ہر مستقر تعلقہ پر ایک مدرسہ وسطانیہ قائم ہے۔ ہر گاؤں جس کی آبادی دو ہزار سے تین ہزار تک ہے کم از کم ایک مدرسہ

جاری ہے۔ اس وقت ایک ہزار سے دو ہزار تک کی آبادی کے گاؤں ہیں جہاں قلت رقم کے باعث کوئی مدرسہ قائم نہ کیا جا سکا۔ کی طالب علم مطمح نظر یہ ہے کہ پانچ سو ہزار کی آبادی کا بھی کوئی گاؤں مدرسہ سے خالی لیکن جب تک تعلیم کے لئے مقامی لگان نہ لگایا جائے یا لوکلفنڈ کے حصہ کچھ اضافہ نہ کیا جائے یہ توقع پوری نہیں ہو سکتی۔ فی الوقت صوبہ نظام

پانچ سو تا ہزار کی آبادی کے گاؤں ہیں جہاں کسی قسم کا بھی تعلیمی ادارہ موجود نہیں ہے

مدارس صنعت وحرفت | صرف بیدر میں ایک مدرسہ صنعت و حرفت ہے گو ایسے مدارس کی سخت ضرورت ہے لیکن فراہمی رقم کی مشکلات کے باعث مدارس کا قیام عمل میں نہیں آ رہا ہے اگر مدارس ادبی کی طرح گنجایش شاہی سے مدارس صنعت و حرفت کے قیام کی منظوری صادر ہو جائے تو ملک کی ایک بڑی ضرورت پوری ہو سکتی ہے۔

تعداد مدارس و طلباء

اقسام مدارس	۱۳۳۲ف		۱۳۳۶ف	
	تعداد مدارس	تعداد طلبا	تعداد مدارس	تعداد طلبا
سرکاری	۲۱۶	۲۹۹۹۱	۲۰۸	۳۴۶۲۴
عرف خاص	۷۲	۶۸۰۴	۹۹	۱۰۸۸۸
لوکل فنڈ	۱۳۱	۶۱۱۱	۱۷۱	۱۰۴۱۷
ابتدائی	۳۳۲	۱۰۲۹۰	۲۰۵	۸۶۲۸
امدادی	۱۳۷	۴۰۷۲	۱۶۹	۶۴۰۵
مساجد	۱۴	۱۴۳۶	۷۰	۴۱۳۷
خاص	۳	۱۰۳		
جملہ	۹۰۵	۵۸۸۰۷	۹۲۲	۷۵۰۹۹

سے ظاہر ہوتا ہے کہ پانچ سال میں تعداد مدارس میں ستر اور تعداد طلبا میں
سے کچھ اضافہ ہوا ہے۔

ذیل | تختہ ذیل سے تعداد طلبا بلحاظ مذہب کی وضاحت ہوتی ہے۔

	ہندو	عیسائی	پارسی	سکھ	جین	قدیم اقوام	نیچ ذات
۱۹۰۲ء	۵۰۴۲	۳۲۲۳۰	۱۲۷	۱۵	۲۷۰	۱۷	۹۶۰
۱۹۰۷ء	۵۷۷۷	۴۲۵۵۷	۹۳	۱۱	۳۴۳۱	۵۶۲	۱۰۹۵

یہ امر قابل توجہ عالی ہے کہ ۱۹۰۷ء میں ۵۶۲ قدیم اقوام اور ۱۰۹۵ نیچ ذات کے لڑکے زیور علم سے
آراستہ ہو رہے تھے۔

اخراجات تعلیم | تختہ ذیل سے باب وار اخراجات تعلیم بابت ۱۹۰۶ء ظاہر ہوتے ہیں

باب	روپیہ	آنہ	پائی
شاہی	۶۶۲۳۴۶	۱۰	۱۱
صرف خاص	۱۰۵۲۸۶	۰	۱۱
لوکل فنڈ	۴۸۲۶۹	۴	۱۰
آزمایشی	۱۸۳۶۳	۰	۱۱
امدادی	۱۷۶۲۳	۹	۶
مسلمہ	۴۳۸۵۰	۱۳	۳

اجرت تعلیم | تختہ ذیل سے آمدنی از فیس بابت ۱۹۰۶ء ظاہر ہوتی ہے۔ واضح
عالی ہو کہ سرکاری مدارس تحتانیہ میں فیس تعلیم معاف ہے۔

	روپیہ	آنہ	پائی
شاہی	۱۰۱۸۶	۲	۱۱
صرف خاص	۳۴۹۳	۶	۱
مسلمہ	۴۹۵۵	۰	۶

خرچ تعلیم فی کس | تختہ ذیل سے خرچ تعلیم فی کس بلحاظ مدارس واضح ہوتا ہے۔

	روپیہ	آنہ	پائی
مدارس فوقانیہ	۶۱	۸	۸
" وسطانیہ	۲۹	۱۱	۴
" تحتانیہ	۷	۱۴	۰

تعلیم اناث | مدارس نسواں ڈپٹی ڈائرکٹر کے ماتحت ہیں لیکن چند دیہاتی نسواں مدارس کے سوائے سب مدارس کی نگرانی اس صدر مہتمم ہی کے سپرد ہے۔

صوبہ گلبرگہ میں اس وقت ۱۱۶ مدارس نسواں ہیں جن میں ۲۸۶۷ طالبات زیر تعلیم ہیں۔

تقسیم طالبات بلحاظ مذہب | تختہ ذیل سے تعداد طالبات بلحاظ مذہب ظاہر ہوتی ہے۔

مذہب	۱۳۳۲ف	۱۳۳۶ف
مسلمان	۳۵۴۷	۴۵۲۵
ہندو	۲۴۲۴	۲۶۵۸
عیسائی	۸۲	۳۲
متفرق	۶۵	۷۱

بلحاظ تناسب آبادی صوبہ گلبرگہ میں ۶٫۱۷ فی صدی اناث زیر تعلیم ہیں۔

امکنہ و اراضیات | تعمیر امکنہ کی سخت ضرورت ہے حصول اراضی میں گوناگوں مشکلات ہیں اس وقت تک صرف صدر مہتمم تعلیمات و مہتمم تعلیمات کے لئے خاص مستقر پر سالہا سال کی کارروائی کے بعد بھی کوئی اراضی تبضہ میں نہیں لی جاسکی جہاں اراضی مل جاتی ہے وہاں قلت رقم کے باعث تعمیر امکنہ نہیں ہوسکتی۔ ان موانعات کے باوجود اس صدر مہتمم نے ذاتی کوشش سے گزشتہ پانچ سال میں [illegible] کے لئے اراضیات قبضہ میں کرلی ہیں۔ عثمان آباد جہاں دفتر مہتمم کے لئے اراضی ملی تھی [illegible] ول کرایہ کا مکان بھی دستیاب ہوتا تھا سخت عرق ریزی کے بعد

ا[illegible] قطعہ اراضی حاصل کر[illegible] بر[illegible]شتہ میرات کی توجہ[illegible] دفتر مہتمی عثمان آباد کی عمارت تعمیر[illegible] گئی۔

دفتر صدر مہتمم گلبرگہ | دفتر صدر مہتمم تعلیمات میں ایک سررشتہ دار اور پانچ اہلکار [illegible] گلبرگہ [illegible] میں سنہ ۱۳۳۰ف [illegible] اس دفتر ہذا میں ۲۵۶۷ [illegible] ۸۹۱۴ کا علی الترتیب [illegible] اضافہ ہوا۔ اسی سال ۱۳۲۷ جدید اشلہ قائم [illegible] ۱۱۸) اشلہ داخل دفتر گئیں اور اب (۱۷۲۱) اشلہ زیر کارروائی ہیں دفتری کام کے علاوہ دفتر صدر مہتمم تعلیمات مندرجہ ذیل امور بھی انجام دے رہا ہے۔

انٹر اسکول ٹورنمنٹ واسپورٹس | ہر سال مادہبن میں [illegible] گلبرگہ کے تمام مدرس مستقر پر جمع ہوکر فٹ بال۔ ہاکی۔ اور اسپورٹس میں حصہ لیتے ہیں۔ فٹ بال ٹورنمنٹ کے منجانب سرکار دو شیلڈ مرحمت ہوئی ہیں اس صدر مہتمم نے اپنے والد ماجد مولوی عزیز مرزا صاحب مرحوم کی یادگار میں مدارس وسطانیہ کے طلباء میں فٹ بال کا شوق بڑھانے کے خیال سے ایک کپ دیا ہے۔ مغربی کھیلوں کے علاوہ دیسی کھیلوں کو بھی رواج دیا جارہا ہے۔

سفری کتب خانہ | تمام ممالک محروسہ سرکار عالی میں گلبرگہ ہی ایسا مقام ہے جہاں چندہ سے بلا امداد سرکار سفری کتب خانہ مولوی معین الدین صاحب مہتمم تعلیمات اضلاع گلبرگہ کی نگرانی اور مولوی عبدالسلام صاحب ناظر تعلیمات کی ذاتی جدوجہد سے قائم و جاری ہے اس میں مختلف زبانوں کی اس وقت ۱۲۵۳ کتابیں قیمتی (الہ [illegible]) موجود ہیں۔ جو نہایت باقاعدگی سے ۳۹ صنادیق میں گاؤں گاؤں گشت کرائی جاتی ہیں۔

کتب خانہ عام گلبرگہ | نواب مسعود جنگ بہادر ناظم سررشتہ [illegible] کی تجویز ہے ہر مستقر صوبہ پر ایک کتب خانہ قائم کیا جائے [illegible] عمارات [illegible] اس صدر مہتمم نے نہایت درجہ کوشش کرکے وسط گلبرگہ میں [illegible] اراضی حاصل کرلی ہے

کچھ چندہ کرکے کتب بھی خریدی ہیں۔ فرنیچر سے
صرف تعمیر عمارت کا انتظام ہے۔

انجمن اساتذہ | تبادلہ خیالات و اصلاح و ترقی تعلیم کے لیے
ثانویہ میں انجمن اساتذہ قائم کر گئی ہیں جن کا سالانہ جلسہ ہی نہ کسی مستقر
کرتا ہے۔ اس وقت تک کامیابی کے ساتھ منعقد ہو چکے ہیں جن
سو مدرسین جمع ہوئے تھے۔ جلسہ کے ساتھ ایک نمائش تعلیمی بھی کی جاتی ہے صدر انجمن
اساتذہ کے معتمد مولوی محمد عبدالسلام صاحب منشی فاضل ناظر تعلیمات ہیں جو اپنے فرائض
نہایت دلچسپی سے انجام دے رہے ہیں فقط

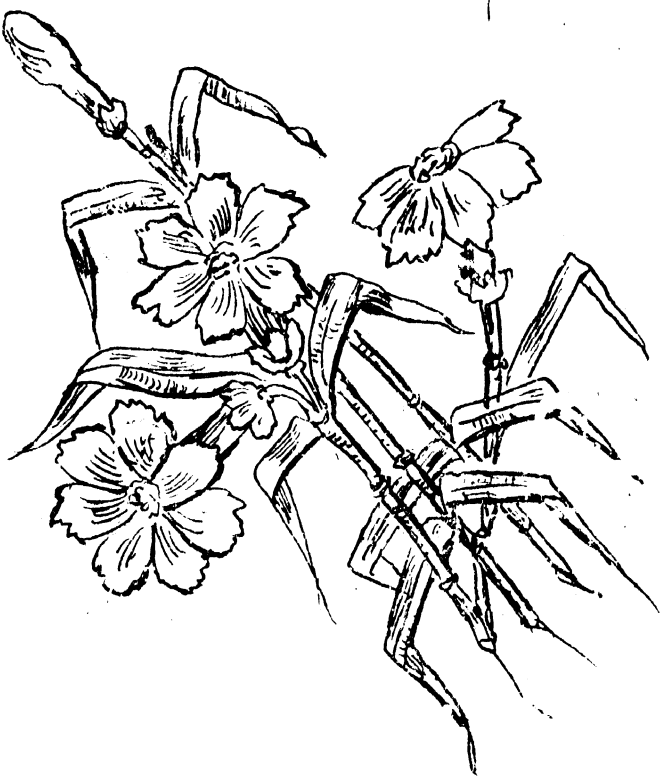

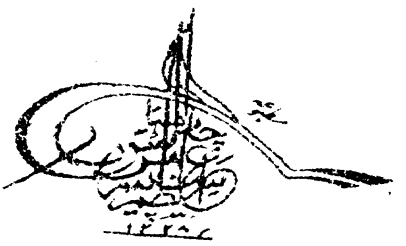

رجسٹرڈ نمبر ۷۸۶

ہائی فل نمبر ۲۰۶۵

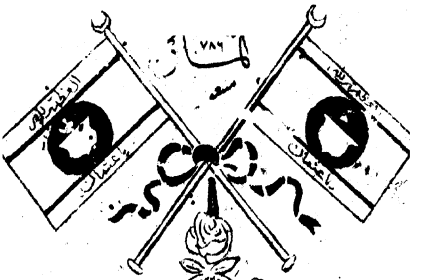

المعلم

ماہ امرداد سنہ ۱۳۳۷ف

جلد ۴

مدیر: محمد سجاد مرزا ایم اے (کنٹب)

نمبر ۱۲

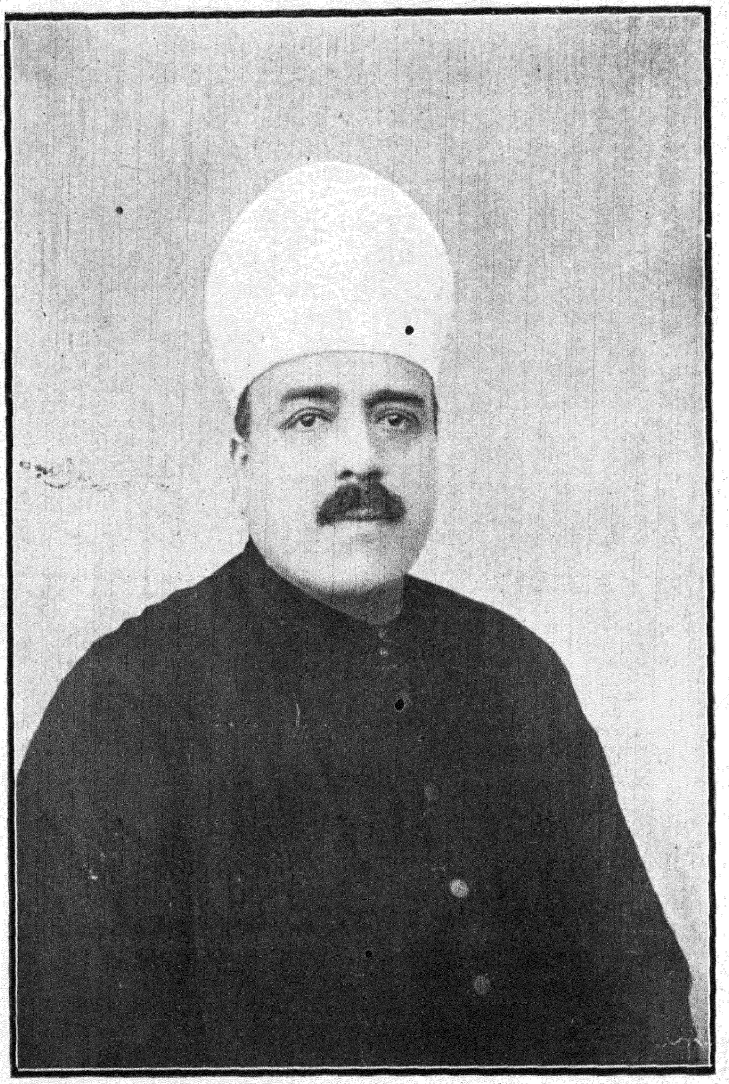

Nawab Masood Jung Bahadur.

Lakshmi Art, Bombay, 8.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسعود نمبر

فہرست مندرجات

شبیہ نواب مسعود جنگ بہادر ناظم تعلیمات ممالک محروسۂ سرکار عالی

(۱) ہمارے ناظم صاحب — مولوی مجاد مرزا صاحب صدر مہتمم تعلیمات صوبہ گلبرگہ — ۱ تا ۹

(۲) صدارت نامہ جلسۂ تقسیم اسناد مخدرات خواتین ہند — نواب مسعود جنگ بہادر ناظم تعلیمات — ۱۰ تا ۲۶

(۳) رپورٹ سررشتۂ تعلیمات ممالک محروسۂ سرکار عالی بابتہ ۱۳۳۶ف — نواب مسعود جنگ بہادر ناظم تعلیمات — ۲۷ تا ۴۰

(۴) جلسۂ الوداعی عالیجناب نواب مسعود جنگ بہادر ناظم تعلیمات — مولوی مرزا عصمت اللہ بیگ صاحب عصمت — ۴۱ تا ۴۸

جلد ۴	بابتہ ماہ امرداد ۱۳۳۷ف	نمبر ۱۲

ہمارے ناظم صاحب

یوں تو ہر ملک کی تاریخ کے کسی نہ کسی دور میں کوئی نہ کوئی ضرور ایسی ہستی نظر آتی ہے جو ذاتی وجاہت۔ ذہانت علمیت۔ قابلیت اور اخلاق کے باعث اپنے ہم جنسوں میں امتیاز اور فوقیت رکھتی ہے۔ لیکن ایسی مثال مشکل سے ملیگی کہ ایسی قابل تعظیم ہستیاں سلسلہ وار یکے بعد دیگرے ہوں اور پھر ایک ہی خاندان سے تعلق رکھیں

ہندوستان میں بہ قحط الرجال کے لئے شہرۂ آفاق ہے جناب سید راس مسعود صاحب المخاطب بہ نواب مسعود جنگ بہادر کا خاندان ایک ایسا خاندان ہے جو زبردست ہستیوں کی کان ہے اس کا سلسلہ آنحضرت صلعم سے ملتا ہے۔ یقیناً اس مقدس نسبت کی وجہ ہے کہ ان کے خاندان میں ایک سے ایک بڑی شخصیت کا تسلسل بندھا رہا ہے۔ جناب سید محمد دوست صاحب مرحوم جو کہ نواب صاحب ممدوح سے سات پشت اوپر ہیں۔ دکن کو زیر کرنے اورنگ زیب عالمگیر شہنشاہ ہند کے ساتھ آئے تھے۔ اس مہم میں ان کو ایک مورچہ پر متعین کر دیا گیا تھا جب اس مورچہ کو انہوں نے تن تنہا بلا شرکت کسی دوسرے افسر کے فتح کر لیا تو شہنشاہ ہند نے اعلیٰ کارگزاری کے صلہ میں ان کو یکہ بہادر کا خطاب عطا فرمایا۔ ان کے پوتے جناب سید ہادی صاحب مرحوم عالمگیر ثانی کے مقربین خاص میں سے تھے۔ جواد علی خاں خطاب اور منصب ہزاری ذات و پانصد سوار دو اسپہ و سہ اسپہ سے سرفراز ہوئے تھے۔ شاہ عالم بادشاہ نے ان کی بڑی قدر و منزلت کی۔ جواد الدولہ کا خطاب دیا اور عہدۂ احتساب دکن و صوبہ شاہجہان آباد و نیز عہدۂ قضائے لشکر عنایت کیا۔

سلطنت مغلیہ کا شیرازہ بکھرنے کے بعد وابستگان سلطنت کے خاندان بھی تباہ و برباد ہو گئے۔ سخت اندیشہ تھا کہ نواب صاحب ممدوح کا واجب الاحترام خاندان بھی نئے دور میں گمنام و بے نشان ہو کر صفحات تاریخ تک محدود ہو جائے گا۔ لیکن کسی کو کیا خبر تھی کہ ان کے دادا سر سید کی ذات میں ایک ایسی قوت مخفی ہے جو اقتضائے زمانہ کے لحاظ سے اپنے خاندان کے ذمہ ایک نیا کام لیکر اپنے خاندان میں ایک نئی روح پھونکنے اور اپنی مردہ قوم میں نئی جان ڈالنے والی ہے۔ کسی کو کیا معلوم تھا کہ وہ خاندان جو ہندوستان میں بس کر شاہان دہلی کی خدمت کرتا۔ عزت و آرام کی زندگی بسر کرتا اور مراحم خسروانہ سے مستفید ہوتا تھا سلطنت کی تباہی۔ ملک کی بربادی۔ اور خانگی پریشانی کے بعد اپنی جاں بلب قوم کی خدمت گزاری میں لگ جائے گا۔ اس کو گمراہی سے نکال کر راہ راست پر لے آئیگا۔

اور بارگاہ رب العزت میں سرخرو ہوگیا۔

سرسید کی قابل تقلید زندگی نے جو اپنے خاندان اور قوم کو سبق سکھایا وہ بالفاظ مولانا حالی یہ ہے کہ "زمانہ کی مخالفت کو خدا کی مخالفت سمجھ کر اس کے ساتھ موافقت پیدا کرو تاکہ سایہ میں آرام سے رہو اور عزت سے زندگی بسر کرو۔ جب تم میں عمدہ حاکم بننے کی لیاقت نہ رہے تو عمدہ رعیت بننے میں کوشش کرو تاکہ دونوں عملگیوں سے ہاتھ نہ دھو بیٹھو۔ قوم اور وطن کی محبت کو جزو ایمان جانو اور قوم کی خدمت کو سرداری کا تمغہ سمجھو"۔ سرسید کی زندگی بتلاتی ہے کہ "قوم کی حقیقی خیر خواہی اس وقت تک نہیں ہوسکتی جب تک کہ بہت سے کام ان کی عقل اور عادات اور مرضی کے خلاف نہ کئے جائیں اور ان کی مخالفت کو صبر اور استقلال کے ساتھ برداشت نہ کیا جائے۔ وہ آگاہ کرتی ہے کہ اگر دنیا میں بڑا بننا چاہو تو حرص۔ طمع۔ خود غرضی۔ جھوٹ۔ آرام طلبی۔ اور عیش و عشرت سے ہمیشہ کے لئے دست بردار ہو جاؤ"۔ وہ یقین دلاتی ہے کہ "تھوڑی سی تعلیم اور بہت سا تجربہ اور بالکل سچائی یہ تینوں ملکر ایسے ایسے عظیم الشان کام انجام کرسکتی ہیں جو بڑے بڑے حکیموں اور مدبروں سے انجام نہیں ہوسکتے"۔ وہ "تعصبات سے متنفر کرتی ہے۔ غیر قوموں کے ساتھ حسن معاشرت سکھاتی ہے۔ دوستوں کے ساتھ خواہ وہ ہندو ہوں یا مسلمان۔ عیسائی ہوں یا یہودی خلوص اور سچائی سے ملنا بتاتی ہے وہ ہدایت کرتی ہے کہ جیسا دل میں سمجھو ویسا ہی زبان سے کہو اور جو کچھ کہو اس کو کر دکھاؤ"

نواب صاحب ممدوح کے والد ماجد جناب سید محمود صاحب مرحوم اپنے وقت کے بہترین مقننین شمار ہوتے ہیں۔ ان کی ذہانت اور قابلیت کی حالت یہ تھی کہ سرسید کی مصنفہ سوانح آنحضرت صلعم کا انگریزی ترجمہ جو انھوں نے بزمانہ طالب علمی کیا۔ وہ آج تک قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے بحیثیت جج ہائیکورٹ انھوں نے جو فیصلے لکھے ہیں وہ اپنی آپ نظیر ہیں۔ ان کی تصنیف شرح قانون شہادت ایک مستند کتاب ہے اور تاریخ تعلیم

انگریزی ان کے فکرمند دماغ غائر نظر اور تعلیمی دلچسپی کا بین ثبوت ہے۔ ان کی زندگی کا بیشتر حصہ سرسیّد کے سایۂ عاطفت میں گزرا اس لئے ان کی حقیقی عظمت کا پتہ لگانا مشکل ہوگیا ہے لیکن سرسیّد کے تعمیری کام کی تفصیل دیکھی جائے تو ثابت ہوتا ہے کہ نواب سید محمود صاحب مرحوم نے اپنے والد بزرگوار کی آرزوؤں اور منصوبوں کی تکمیل میں شاندار حصہ لیا ہے۔

نواب مسعود جنگ بہادر ۱۵ فروری ۱۸۸۸ء کو اسی مبارک سال جب کہ سرسیّد کو سرکار انگریزی سے کے۔ سی۔ ایس۔ آئی کا خطاب ملا۔ علیگڈھ میں پیدا ہوئے۔ جیسے ہی کچھ ہوش سنبھالا ان کے دادا حضرت نے جو اپنے اکلوتے پوتے سے بے انتہا محبت رکھتے تھے ان کی بسم اللہ کی رسم نہایت سادگی کے ساتھ مشہور و معروف اسٹریچی ہال میں نمایندگانِ قوم کی موجودگی میں ادا کی اور ان کی باقاعدہ تعلیم کا آغاز فرمایا۔ نواب صاحب ممدوح مدرسہ میں شریک کردیئے گئے جہاں سے انھوں نے ۱۹۰۵ء میں امتحان میٹرک کامیاب کرلیا۔ نواب صاحب ممدوح کی عمر کا یہ زمانہ ناگہانی مصیبتوں سے بھرا ہوا تھا وہ ابھی دس برس کے بھی نہ ہونے پائے تھے کہ ان کے دادا حضرت کا سایۂ عاطفت ان کے سر سے اُٹھ گیا اس صدمہ کو بھولنے بھی نہ پائے تھے کہ ان کے والد بزرگوار چل بسے۔ ان جانکاہ حادثوں کے باوجود انہوں نے اپنے زمانۂ طالب علمی میں مطالعہ کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ درسی کتابوں سے گو ان کی طبیعت کو لگاؤ نہیں تھا لیکن انگریزی ادب سے ایسی دلچسپی تھی کہ میٹرک کامیاب ہونے تک مسند و انگریز شعرا کا کلام اور مستند ناول نویسوں کے افسانے دیکھ ڈالے تھے۔ انگریزی زبان پر اچھا خاصہ عبور حاصل ہوگیا تھا چنانچہ سر تھیوڈر ماریسن کے مشورہ اور سرکار انگریزی کی امداد سے ان کو مزید تعلیم کے لئے انگلستان روانہ کردیا گیا اور وہ نیو کالج آکسفورڈ میں جس کے ماسٹر مسٹر ایچ۔ اے۔ ایل فشر تھے۔ شریک کردیئے گئے۔ نواب صاحب ممدوح نے تاریخ کی اعزازی ڈگری کے لئے پڑھائی شروع کردی اور ۱۹۱۰ء میں سکنڈ کلاس آنرس کے ساتھ فارغ التحصیل

ان کا [illegible] رد کا زمانہ ایک یادگار زمانہ گزرا ہے۔ مسٹر ایچ۔ اے۔ ایل فشر جو سابقہ گورنمنٹ میں وزیر تعلیمات تھے اور اپنے زمانہ کے زبردست تاریخ داں شمار ہوتے ہیں۔ اس ہندوستانی نوجوان طالب علم کی خداداد قابلیت۔ ذہانت اور اخلاق کے بڑے گرویدہ ہو گئے تھے کے باعث اُستاد و شاگردی کے تعلقات مبدل بہ دوستی ہو گئے ادھر علمی شغف اور گیمس میں دلچسپی نے ہم عصر طالب علموں میں الگ ہر دلعزیز کر دیا تھا۔ ٹینس میں ایسی دستگاہ حاصل کر لی تھی کہ ہمیشہ اپنے کالج کی نمایندگی کے لیے منتخب ہوتے تھے۔

طالب علمی کا زمانہ عموماً بیفکری میں گزرتا ہے۔ لیکن نواب صاحب ممدوح ایک ایسا دردمند دل اور فکرمند دماغ رکھتے ہیں کہ اس زمانہ میں بھی وہ تفکرات سے خالی نہیں رہا۔ گو وہ امتحان کی تیاری میں مصروف نظر آتے تھے اور کھیل کے وقت تن دہی سے کھیل میں مشغول رہتے تھے لیکن ان کے خیالات چھ ہزار میل کے فاصلہ کے باوجود بدبخت ہندوستان کے مسائل سلجھانے میں لگے رہتے تھے۔ مولوی ابوسعید مرزا صاحب کا بیان ہے کہ ۱۹۱۰ء میں جب کہ وہ نواب صاحب ممدوح کے ساتھ اپنے اوقاتِ فرصت دلکش پیرس میں بسر کر رہے تھے اور اس فردوسِ بریں کے رُوح پرور مقامات کی سیر کرتے تھے تو نواب صاحب ممدوح زیادہ تر ہندوستان کے پیچیدہ مسائل کے متعلق بحث مباحثہ کرتے اور ان کا حل دریافت کرنے میں مستغرق رہتے تھے۔

چنانچہ اس غور و فکر نے عملی صورت اختیار کی اور انھوں نے اپنے چند خاص دوستوں کی مدد سے اپنے وطن کی خدمت کے لئے ایک جماعت تیار کی۔ اسی اثناء میں ہندوستانی طالب علموں کی انگلستان میں تعلیم اور ان کے برتاؤ کے متعلق انگلستان کے اخبارات میں بحث ہو رہی تھی۔ لارڈ ہارڈنگ کی تقریر نے اس بحث کو اور رنگ دے دیا تھا۔ انگریز ہندوستانی طالب علموں پر یہ الزام لگاتے تھے کہ وہ انگریز طالب علموں سے میل جول پیدا نہیں کرتے کھیل کود میں شریک نہیں ہوتے اور الگ تھلگ زندگی بسر کرنا پسند کرتے ہیں

ہندوستانی یہ کہتے تھے کہ انگریزی طالب علم ان کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں:
کالج ان کے داخلے میں مانع ہوتے ہیں اور عام سلوک کچھ ایسا ہوتا ہے کہ ان کی زندگی بے لطف و بد مزہ ہو جاتی ہے۔ اس بحث کا حقیقی منشاء یہ تھا کہ ہندوستانی طالب علموں میں اچھے تعلقات پیدا کئے جائیں لیکن ایک دوسرے کو ملزم قرار دینے کی کوشش نے اصل مقصد کو پس پشت کر دیا تھا نواب صاحب ممدوح نے جب محسوس فرمالیا کہ بحث طول کھینچ رہی ہے اور ہندوستانیوں کے مفید کوئی نتیجہ نکلنا دشوار ہو رہا ہے تو ایک خط اخبار ٹائمز لندن کو لکھا جس میں نہایت صراحت سے مسئلہ زیر بحث پر روشنی ڈالی۔

اس خط کا ماخذ یہ تھا کہ "انگریز طالب علموں پر جو الزام لگایا گیا ہے کہ وہ ہندوستانیوں سے الگ رہتے ہیں۔ وہ ایک حد تک صحیح بھی ہے۔ لیکن اس امر کو نظر انداز کیا گیا ہے کہ وہ ہندوستانی جو انگلستان آتے ہیں انگریزوں کے عادات اور طریقوں سے بالکل ناواقف ہوتے ہیں۔ اگر ہندوستان میں ان کو تھوڑا بہت ایسا موقع ملے کہ وہ انگریزوں سے برابری سے ملیں جلیں تو بہت سی چھوٹی چھوٹی باتیں جن سے انگلستان میں بدمزگی پیدا ہوتی ہے مفقود ہو جائینگی۔ علاوہ بریں ہندوستانیوں اور انگریزوں کی طبیعتوں میں فطرتاً اختلاف ہے۔ اس سے بھی آپس میں سخت غلط فہمی پیدا ہوتی ہے۔ پھر بعض آکسفورڈ اور کیمبرج کے کالجوں میں جو ہندوستانیوں کا داخلہ محض ان کی قومیت کے لحاظ سے ممنوع ہے۔ آپس میں اچھے تعلقات قائم ہونے کے مانع ہے پس انگریز اور ہندوستانی طالب علموں میں اچھے مراسم اسی وقت ہو سکتے ہیں جبکہ ہندوستانیوں کے مراتب کا لحاظ کیا جائے۔ ہر کالج کے دروازے ان کے لئے کھول دیئے جائیں اور عام طور پر یہ محسوس کرا دیا جائے کہ منتظمین کالج کے نزدیک دونوں بلا لحاظ قومیت مساوی درجہ رکھتے ہیں" اخبار ٹائمز نے اس تحریر کو شایع کیا اس کو قدر کی نگاہ سے دیکھا۔ اور نواب صاحب کی تشخیص اور مجوزہ علاج کو صحیح ٹھہرایا۔ جو لوگ اخبار ٹائمز لندن کے مرتبہ سے واقف ہیں۔ وہی نواب صاحب ممدوح کی صحیح داد دے سکتے ہیں

سروپیوا کے" جو نواب صاحب ممدوح نے فرانسیسی زبان میں اعلیٰ مہارت حاصل
کرنے کے بعد ۱۹۱۲ء میں بیرسٹری کی سند لیکر اپنے وطن کو واپس ہوئے۔ ان کا پہلے سے
ارادہ تھا کہ ملازمت کی بندشوں سے دور رہیں تاکہ اپنے ملک اور قوم کی خدمت انجام دے سکیں
چنانچہ لاہور آتے آئی۔ سی۔ ایس کے امتحان میں شرکت کا بھی خیال نہیں کیا۔ چند دوستوں
کے مشورہ کی بناء پر بانکی پور میں وکالت شروع کی اور ابتداء ہی میں ایسی معقول آمدنی ہونے
لگی کہ جاننے والوں کو یقین ہو گیا کہ وہ بہت جلد مشہور بیرسٹروں میں شمار ہونے لگیں گے۔
لیکن مقدمات کے مرجوعہ کے ساتھ یہ امر بھی ظاہر ہونے لگا کہ کامیاب وکالت میں
خودداری تمکنت راستبازی مانع ہیں۔ وہ ایک لمحہ کے لئے بھی یہ گوارا نہیں کر سکتے کہ روپیہ
کی خاطر اپنے اخلاق کو کمزور کریں۔ چنانچہ انھوں نے یک لخت پیشۂ وکالت کو خیرباد کہہ کر
سرکار انگریزی کی ملازمت اختیار کر لی۔ اور ہائی اسکول پٹنہ کے ہیڈ ماسٹر مقرر ہو گئے۔ نواب
صاحب ممدوح پہلے ہندوستانی ہیں جن کو آئی۔ ای۔ ایس میں داخل کیا گیا۔

تھوڑے ہی عرصہ بعد ہیڈ ماسٹری سے بہ ترقی کٹک کالج میں پروفیسری پر روانہ
کیے گئے۔ جہاں کے بہت جلد وائس پرنسپل ہو گئے۔ وہاں کچھ ہی دن گزرے تھے کہ
اعلیحضرت بندگانعالی کی مردم شناس نگاہ نے نظامت تعلیمات کی خدمت کے لئے ان کا
انتخاب فرمایا۔

نواب صاحب ممدوح نے نظامت تعلیمات کا ۱۹۱۶ء میں جائزہ حاصل فرمایا اور
برابر اسی خدمت پر ۱۹۲۸ء تک مامور و کارگزار رہے۔

آپ کے جائزہ لیتے وقت ممالک محروسہ میں صرف دو کالج تھے لیکن آج سات
ہیں۔ مدارس فوقانیہ کی تعداد بائیس سے تینتالیس ہو گئی ہے۔ مدارس وسطانیہ اٹھاسی
سے بڑھکر ایک سو آٹھ ہو گئے ہیں۔ مدارس تحتانیہ کا ایسا جال بچھ گیا ہے کہ بہت ہی
کم ایسے گاؤں ہیں جہاں تعلیم کا کوئی انتظام نہیں ہے۔ مدرسین کی ٹریننگ۔ تربیت جسمانی۔

اسکاؤٹنگ وغیرہ کا بندوبست ہوگیا ہے تعلیم نسواں عام ہو رہی ہے۔ صاحب تعلیمی ۱۱۱۱ سے ۶۰ لاکھ ہوگئے ہیں محکمۂ تعلیمات کی پوری پوری تنظیم ہوگئی ہے اور [illegible] ایسی مضبوط کر دی گئی ہیں کہ وہ بہت کچھ مخالفتوں کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کر سکتا ہے آپ کے زمانہ میں سب سے بڑی بات جو ملازمین سررشتہ تعلیمات کو نصیب ہوئی [illegible] شمار سے ہرگز ظاہر نہیں ہو سکتی۔ وہ یہ ہے کہ ہر ملازم اپنے کو باوقعت سمجھنے لگا ہے اور لوگ بھی اس کا پاس و لحاظ کرنے لگے ہیں۔ یہ صرف آپ کی ذات بابرکات کا اثر ہے کہ مدرس اب اپنے کو مدرس کہتے ہوئے شرماتا ہی نہیں ہے بلکہ اپنے کو مدرس کہنا باعث عزت خیال کرتا ہے۔ آپ کی توجہ زیادہ تر سررشتہ ہی پر رہی۔ لیکن ممالک محروسہ یا اس کے باہر کوئی ایسا علمی کام نہیں ہوا جس میں آپ نے راست یا بالراست دلچسپی نہ لی ہو۔ جامعہ عثمانیہ کے ساتھ آپ کا نام نامی ہمیشہ وابستہ رہیگا۔ آپ نے اس کے قیام میں جو شاندار حصہ لیا ہے وہ ہند کی تاریخ تعلیم میں سنہری حروف میں لکھا جائے گا۔ دائرۃ المعارف اور انجمن ترقی اردو آپ کی ہمیشہ رہین منت رہیں گی۔

نواب صاحب ممدوح نے جاپان کے نظم و نسق تعلیم کی بابت جو کتاب لکھی ہے اس سے آپ کا تعلیمی امور پر عبور اور قلم پر قدرت کا اظہار ہوتا ہے۔ آپ کی کتاب ماہرین تعلیم کے نزدیک ایک مستند کتاب ہے۔ چنانچہ یورپ و انگلستان میں جو تازہ ترین کتابیں طبع ہوئی ہیں ان میں اس کا حوالہ دیا گیا ہے۔ آپ کا جاپان پر لکچر ظاہر کرتا ہے کہ "جاپان کا مطالعہ ایسی عمیق اور وسیع نظر سے کیا ہے کہ اس کو اپنا خاص مضمون اور اپنے کو جاپان پر ایک سند بنا دیا ہے۔ یہ لکچر ایک حسین اور سبق آموز ادبی چیز ہے۔ لوگوں نے جس شوق اور انہماک سے نواب صاحب کی بلند اور صاف آواز کو جو مضمون کی لطافت گہرائی اور اہمیت کے ساتھ ایک پیاری موج کی طرح لہرا رہی تھی اور جملوں کی سلاست زبان کی لطافت اور بندش کی برجستگی کو سنا وہ دیکھنے اور سننے سے تعلق رکھتی تھی۔ یہ لکچر اعلیٰ فکر اور بلند ادب کی ایک یادگار چیز ہے۔

احب ، ، پر میں جاپان کی روح کو کھول کر رکھ دیا ہے۔ اس لطیف اور حسین لکچر سے یہ بات پیدا ہے ہر کہ صاحب لکچر نہ صرف ایک اعلیٰ ادیب ہیں۔ بلکہ ان کی نظر ایک مدبر۔ ایک باریک فکر کی ہے۔ جو قوموں کی روح کھنگال سکتی ہے۔ اور ان کے رجحانات کو فکر کی ترازو میں تول سکتی ہے۔ نواب صاحب ممدوح نے جامعۂ خواتین ہند میں جو صدارت نامہ پڑھا اُس کا بھی بعینہٖ وہی حال تھا جس کا منظر اوپر دکھایا گیا ہے گزشتہ نصف صدی میں کوئی ایسا صدارت نامہ نہیں دکھائی دیتا جس نے تعلیمی دنیا میں ایسی ہل چل ڈال دی ہو۔ اس صدارت نامہ کو غور سے دیکھا جائے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جس طرح ختم تعلیم کے بعد نواب صاحب نے میدان کارزار دنیا میں قدم رکھ کر اپنی زندگی کا دوسرا دور شروع کیا۔ اسی طرح اس لکچر کے بعد سے ان کی زندگی کا تیسرے دور کا آغاز ہوتا ہے۔

یہ عجیب اتفاق ہے کہ نواب صاحب ممدوح کے جد امجد سید عبدالرشید محمد صاحب نے دکن ہی میں ایک مورچہ فتح کرنے کے صلہ میں اورنگ زیب عالمگیر سے "یکہ بہادر" کا خطاب پایا اور نواب صاحب ممدوح نے بھی دکن میں آکر 'جہالت' کو زیر کیا اور عالمگیر وقت نے ان کو خطاب 'جنگ' سے سرفراز فرمایا ہے

صدارت نامہ جلسہ تقسیم اسناد

جامعہ خواتینِ ہند

موجودہ طریقہ تعلیم کا دور ۱۸۳۵ء سے شروع ہوتا ہے جبکہ لارڈ ولیم بنٹنگ وائسرائے ہند نے اہل ہند کو تعلیم دینے کے مسئلہ پر غور کرنے کے لئے ایک کمیٹی مقرر کی۔ اس مسئلہ پر اراکین کمیٹی میں سخت اختلافِ رائے ہوا۔ ایک فریق قدیم تعلیم جاری رکھنا چاہتا تھا دوسرا علوم جدیدہ اور انگریزی زبان کا رواج دینا مناسب خیال کرتا تھا۔ بہرحال فریق ثانی قلیل ہونے کے باوجود لارڈ میکالے کی غیر معمولی شخصیت کی بدولت غالب آیا۔ اور موجودہ تعلیم شروع ہوگئی۔ اور غالباً جدید علوم و فنون سے واقف ہندوستانی موجود نہ ہونے کے باعث ذریعہ تعلیم بس کے متعلق کمیٹی نے کوئی رائے ظاہر نہیں کی تھی۔ انگریز معلمین کی وجہ سے انگریزی ہوگیا۔ غیر زبان کو تعلیم کا ذریعہ بنانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ تقریباً ایک صدی کی تعلیم کے بعد بھی ملک میں نہ صحیح ذوق علم پیدا ہوا اور نہ علم کی عام اشاعت ہوسکی۔ طالب علموں کے دماغ پر بیجا اور غیر معمولی بار پڑا۔ طلبہ زمانۂ طالبعلمی میں غیر زبان وہ بھی انگریزی جیسی مشکل زبان کی مشکلات اور اس کی اصطلاحات و محاورات کے سلجھانے میں ایسے الجھے رہے کہ اصل مضمون پس پشت ہوگیا۔ حافظہ پر زیادہ بوجھ ہونے کے باعث طبیعت کی جودت و جدت کند ہوگئی۔ قدیم تہذیب و شائستگی مفقود ہونے لگی اور مغربی تمدن حاصل نہ ہوسکا۔

نواب مسعود جنگ بہادر نے جامعہ خواتین ہند کے جلسۂ تقسیم اسناد میں جو صدارت نامہ پڑھا اس میں دیسی زبان کو ذریعۂ تعلیم بنانے کی ضرورت اس خوبی سے ظاہر فرمائی ہے کہ اکابر قوم جن میں مہاتما گاندھی شامل ہیں اس کی ترغیب و توصیف میں رطب اللسان ہیں۔ نواب صاحب نے معترضین کو ایسے دندان شکن جواب دیئے ہیں کہ انہوں نے اپنی سلامتی اسی میں دیکھی کہ نفس معاملہ کو نظر انداز کر کے جامعہ عثمانیہ پر جس میں ذریعہ تعلیم اُردو ہے حملہ کریں۔ نواب صاحب نے اپنے صدارت نامہ میں ذریعہ تعلیم کے مسئلہ پر اُصولی بحث کی ہے۔ پس اس موقعہ پر ہم مناسب خیال کرتے ہیں کہ جامعہ عثمانیہ میں ذریعۂ تعلیم اُردو ہونے کے بارے میں چند باتوں کی وضاحت کر دیں ہر ایک جانتا ہے کہ ممالک محروسۂ سرکار عالی میں اس وقت چار زبانیں تلنگی مرہٹی کنڑی اور اُردو مروج ہیں۔ جب یہ تصفیہ ہو چکا کہ انگریزی زبان کو ذریعۂ تعلیم قرار دینا ہمارے لئے مضر ہے تو سب سے پہلے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ملکی ان مروجہ زبانوں میں سے کسے ترجیح دی جائے کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ وقتِ واحد میں نہ چار یونیورسٹیاں قائم کرنا مناسب ہو سکتا ہے اور نہ مالی لحاظ سے ایسی کوئی تجویز قابل منظوری ہو سکتی ہے۔ پس اس کے سوائے چارہ نہیں رہتا کہ ایک ایسی زبان منتخب کی جائے جو ہندوستان کی مشترکہ زبان خیال کی جاتی ہو اور ریاست میں بھی اسے لوگ عام طور پر بولتے اور سمجھتے ہوں۔ اس کے علاوہ اُردو زبان جو ہندو مسلمانوں کے میل جول سے پیدا ہوئی ہے اس ریاست ابدمدت کی درباری زبان ہونے کے لحاظ سے دوسری زبانوں پر ہر لحاظ سے فوقیت رکھتی ہے۔

عالیجناب امیر جامعہ، ارکان مجلس جامعہ ملیہ اسلامیہ، خواتین و حضرات!

میں آپ کا تہ دل سے شکر گزار ہوں کہ اس سال کے جلسۂ تقسیم اسناد میں [illegible] کرنے کے لئے آپ نے مجھے مدعو فرما کر عزت بخشی۔ آپ کی جامعہ میں تین بڑی خصوصیات کے جمع ہو جانے سے یہ جامعہ ہندوستان کے تعلیمی ادارات میں عدیم المثال ہو جاتی ہے۔ پہلی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ایک شخص واحد کی کاوش اور ایثار کا نتیجہ ہے۔ دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس کا مقصد اہل ملک کی اس صنف کو تعلیم دینا ہے جس کی قدرت میں اور صرف اسی کی قدرت میں یہ امر ودیعت ہوا ہے کہ ہماری آئندہ نسلوں میں خصائل نیک کی افتاد ڈالے۔ تیسری خصوصیت یہ ہے کہ یہ جامعہ ہمارے اہل وطن کی اس مخصوص جانفشانی کا ایک ابدی نتیجہ ہے کہ تعلیم کو قومی بنیاد پر قائم کیا جائے اور اسی بنیاد کو واقعی ایک عاقلانہ بنیاد کہہ سکیں۔ حیدرآباد (دکن) سے میں اس وقت حاضر ہوا ہوں اسی قسم کی کوشش کی گئی ہے۔ یعنی تعلیم کو مستحکم بنیاد پر قائم کرنے کے لئے ایک جامعہ قائم ہوئی ہے جس میں تمام علمی مضامین ہندوستان کی نہایت مادقت زبانوں میں سے ایک زبان میں سکھائے جاتے ہیں اور میں اس امر کو محسوس کرتا ہوں کہ آج آپ سے خطاب کرنے میں ایک ایسی جامعہ سے خطاب کرتا ہوں جو ہر اعتبار سے جامعۂ عثمانیہ یعنی حیدرآباد کی حقیقی بہن ہے۔

محض یہ واقعہ کہ آپ کی جامعہ کو اور جامعہ عثمانیہ کو کم و بیش ایک ہی قسم کی مشکلات حل کرنی پڑی ہیں، میں امید کرتا ہوں کہ یہ واقعہ کافی ضمانت اس علمی موالات کی ہو جائیگا جس کے دائمی قیام کو ان دونوں علمی مرکزوں میں دیکھنے کی میری دلی تمنا ہے۔ آپ عورتوں کے لئے وہی کام کر رہے ہیں جو ہم مردوں کے لئے حیدرآباد میں کرتے ہیں اور یہ تقسیم کار ایک نیک شگون ہمارے ہم وطنوں کی آئندہ ترقی کا ہے۔

خواتین اور صاحبان! میں اس دن کا منتظر ہوں جبکہ ان دونوں جامعوں کے دروازوں سے ہونہار ملیسانیں زیور علم سے آراستہ ایسی استوار طبیعتیں اور پختہ عزم

[illegible] دنیا میں قدم رکھیں گے جن کے بغیر کوئی بڑا کام جسے دوام حاصل ہو
[illegible] نہیں آسکتا۔ اس جامعہ کے طلبا کو اپنی نسبت سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ ایک فوج کے
[illegible] ارکان ہیں۔ جن کی خاص خدمت جہاں کہیں بھی وہ ہوں ہمیشہ یہ رہیگی کہ جہل و فساد
[illegible] کی قوتوں کا مقابلہ کرتے رہیں جو آجکل اس ملک میں جہاں ہم پیدا ہوئے ہیں بیحد نقصان
[illegible] پہنچا رہی ہیں۔

خواتین اور صاحبان! شاید آپ اس بات کو دلچسپی سے سنیں گے کہ میری
زندگی میں ایک وقت ایسا تھا کہ آج کل کے ہم وطنوں کی طرح مجھ میں بھی اس بات
باور کر لینے کی حماقت موجود تھی کہ ہمارے ملک کی کسی زبان میں زمانہ حال کے علمی خیالات
کو صفائی و سلاست سے ادا کرنے کی قابلیت نہیں ہے اور اس بنا پر انگریزی زبان کو
ذریعۂ تعلیم بنائے رکھنا ہمارے لئے ضروری ہے۔ یہی زمانہ تھا کہ مجھکو نواب
سر حیدر نواز جنگ بہادر یعنی موجودہ صدر المہام فینانس ریاست حیدرآباد دکن کی خدمت میں جو اس وقت معتمد
تعلیمات تھے نیاز حاصل ہوا۔ نواب صاحب موصوف بھی اس جامعہ کے لائق بانی کی طرح
اس امر کا یقین رکھتے تھے کہ صرف ایسی تعلیم جو ملک کی دیسی زبانوں میں سے کسی زبان میں
دی جائے ان لوگوں کا جزو دماغ ہو سکتی ہے جو اس ملک میں پیدا ہوئے ہیں۔

اس مضمون پر اکثر بحث و مباحثہ کے بعد آخر کار مجھے تسلیم کرنا پڑا کہ میں تو اندھیرے
میں رستہ ٹٹولتا ہی رہا۔ مگر میرے کرم فرما کو اس راہ کا پتا چل گیا جو امیدوں کی روشن اور
چمکتی دنیا کو پہنچاتی تھی۔ گذشتہ بیس برس کی ترقی تعلیم کی تاریخ جب کبھی لکھی جائے گی تو
دو نام ایسے ہوں گے جن کو اس تاریخ میں سب سے زیادہ عزت کا مقام دیا جائے گا۔ ان میں
ایک نام اس جامعہ کے بانی پروفیسر کا روے کا ہوگا اور دوسرا نام نواب سر حیدر نواز جنگ
بہادر کا جنہوں نے اعلیحضرت والی حیدرآباد کی حضور میں جامعہ عثمانیہ کے قائم کرنے کی
تحریک پیش کی۔

یہ سوال اکثر کیا جاتا ہے کہ "قومی تعلیم کسے کہتے ہیں"؟ اس سوال کے جس قدر جواب اب تک دیئے گئے ہیں اُن پر ایک جواب اضافہ کرکے میں بھی آج گنہگار ہونا ہوں چاہے آپ مجھ کو دوسروں کے خیالات کا سارق ہی کیوں نہ سمجھیں۔ قومی تعلیم کی کم ایک پہلو کی تعریف میں ان الفاظ میں کرتا ہوں کہ وہ ایک ملک کے باشندوں کی ایسی تعلیم ہے جس کے دینے والے بھی اُسی ملک کے باشندے ہوں اور جس زبان میں وہ دیجائے وہ بھی اسی ملک کی زبان ہو۔

میری رائے یہ ہے کہ جس وقت انگلستان کے کسی مدرسہ کا معلم اپنے شاگردوں کو حساب کا یہ آسان مسئلہ کہ دو اور دو چار ہوتے ہیں انگریزی زبان میں سکھاتا ہے اور اسی طرح ایک فرانسیسی معلم بابت فرانسیسی زبان میں اپنے طلبہ کو بتاتا ہے تو یہ دونوں معلم اپنے شاگردوں کو اپنی اپنی قومی تعلیم دے رہے ہیں۔ بایں ہمہ یہ مضمون دونوں کے لئے اور حصوں کے لئے مفید ہے۔ وہی ہندوستان کے لئے بھی مفید ہے۔ ایک ایسی زبان میں تمام علمی مضامین کی تعلیم جاری کھنی جو ہمارے ملک سے چھ ہزار میل دور کے ایک ملک کی متوطن ہے اور اس کے ساتھ یہ خواہش بھی رکھنی کہ اسی تعلیم کو قومی تعلیم بنایا جائے سخت نادانی ہے۔ خواہ حالات ہم کو انگلستان سے کیسے ہی خلوص اور قریب کے واسطہ سے وابستہ کرتے ہوں لیکن انگلستان کی زبان کا ہماری مادری زبان بن جانا ناممکن ہے۔ ایسا ہی ناممکن ہے جیسے ہم اپنی جلد کا رنگ بدل ڈالیں۔ جبکہ ہم کو یہ بات بخوبی معلوم ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی چھ سو برس کی حکومت میں خاص مسلمانوں کے دارالحکومت میں عوام الناس کی زبان فارسی نہ ہوسکی تو پھر وہ کون سی دلیل ہے جس سے ہم یہ باور کریں کہ اتنی ہی صدیوں کی انگریزی حکومت میں جو ایک مشتبہ امر ہے عجیب نتیجہ پیدا ہوجائیگا کہ ہندوستان کے باشندے اپنے بزرگوں سے میراث میں ملی ہوئی زبانوں کو ترک کرکے ہندوستان کے موجودہ اتفاقی حکمرانوں کی زبان قبول کرلینگے۔ میں آپ سے صاف صاف پوچھتا ہوں کہ ان دو زبانوں یعنی ہندوستان کی زبانوں اور

اور انگریزی زبان میں کون سی زبان ہمارے لئے زیادہ مستقل اور دوامی ہے۔ میرے سوال کا جواب صرف ایک ہی ہو سکتا ہے۔ وہ یہ کہ ہندوستان کے لئے ہندوستان ہی کی زبانوں کو زیادہ مستقل اور دوامی سمجھا جا سکتا ہے۔ اگر یہی بات ہے تو پھر عقل سلیم اس بات کی مقتضی ہے کہ ہم میں سے وہ لوگ جو دل سے متمنی ہیں کہ تمدن اور علم کی دنیا میں اپنے ملک کو اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ اور منزلہ پر دیکھیں۔ تا حدِ امکان اس بات کی کوشش کریں کہ اپنے طریقۂ تعلیم کو اسی بنیاد پر قائم کریں جس میں دوامی استحکام کا وصف پایا جاتا ہو۔

حال کا ذکر ہے کہ ایک جلسہ میں شرکت کے موقعہ پر حاضرین میں سے ایک صاحب نے فرمایا کہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد میں چونکہ تمام مضامین اردو زبان میں پڑھائے جاتے ہیں۔ اس سے سمجھنا چاہیئے کہ یہ کام محض ایک آزمایش کے طور پر ہے۔ یہ سن کر میں نے اپنے دوست سے اچھا کہ جب خدا نے آپ کو ایک بچہ دیا تھا اور اس بچہ نے ماں کی چھاتی کی طرف منہ بڑھایا تو کیا آپ نے بچے کی اس حرکت کو محض ایک آزمایشی فعل سمجھا تھا۔ حاضرین یہ سن کر ہنسے۔ آپ سے اس لئے عرض کیا کہ اس سے وہ مغالطہ جس میں اکثر لوگ اب تک مبتلا ہیں بخوبی واضح ہو جاتا ہے۔ یعنی حقیقت یہ ہے کہ انگریزی زبان کو ذریعہ تعلیم بنائے رکھنا ایک آزمایشی کام ہے ہندوستان کی زبانوں کو تعلیم کی غرض سے استعمال کرنا آزمایشی فعل نہیں ہے۔

اب تک ہم نے انگریزی زبان کو اپنے بچوں کی دودھ پلائی نیار کھا تھا اس غلط یقین کی بنا پر کہ ہماری مادری زبانیں یعنی ہندوستان کی مہتم بالشان دیسی زبانیں ایسی بیمار اور حقیر ہیں کہ ہمارے بچے ان کے دودھ پر کافی طور سے پرورش نہیں پا سکتے مگر یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہم اب وقت پر بیدار ہونے شروع ہو گئے اور ہمارے ملک کے بہترین دانشور اس بات کو سمجھ گئے کہ اگر ہمیں اپنے بچوں کا تندرستی کے ساتھ علمی و اخلاقی نشوونما پانا منظور خاطر ہے تو اس غیر ملک کی انا کے دودھ کو اپنے بچوں کے لئے تنہا مایۂ پرورش سمجھ کر جاری رکھنا درست نہیں ہے۔

اس تقریر سے آپ کے ذہن میں کوئی ایسا خیال پیدا کرانا ہرگز میرا مقصود نہیں ہے کہ انگریزی زبان کو ذریعہ تعلیم بنا کر ہم نے معتد بہ فوائد حاصل نہیں کئے ہیں اور نہ میرا مقصود علم کے ان بیش بہا خزانوں کی تحقیر ہے جو انگریزی زبان میں محفوظ ہیں۔ میرے دل میں جو عظمت و بزرگی انگریزی قوم کی ہے۔ یعنی اس قوم کی عظمت و بزرگی جسے تقدیر نے ہندوستان کو اس اعلیٰ درجہ پر پہنچانے کے لئے جو اس کے مقسوم میں اترا ہے۔ ہمارے ساتھ کارگزار بنایا ہے۔ وہ حد تک اس قوم کی ادبیات کی شان و شوکت کو دیکھ کر پیدا ہوئی ہے۔ میں انگریزی قوم کی ادبیات کو لاریب انسانی دماغ کے اعلیٰ ترین کارناموں میں سمجھتا ہوں۔ جو کچھ میں نے عرض کیا اس سے میرا مطلب اس امر کو ذہن نشین کرنا تھا کہ ایک قوم کی خداداد قابلیتیں وہ اس قوم کی مادری زبان میں پورے طور پر بارآور ہو سکتی ہیں اور اس اعتبار سے ہر [illegible] لئے تمام مضامین کا ان کو انگریزی میں پڑھایا جانا ایسا ہی نقصان دہ ہے جیسے انگریز طلبہ کو شاں گھتا ہوں۔ جرمانی زبان میں پڑھایا جانا مضر ہو سکتا ہے باوجودیکہ لسانیات کے اعتبار سے جو رشتہ جرمانی زبان اور انگریزی زبان میں ہے وہ بہ نسبت اس رشتے کے جو انگریزی زبان اور ہندوستان کی زبانوں میں ہے۔ کہیں زیادہ قریب کا ہے۔

انگریزی زبان کو ذریعہ تعلیم بنائے رکھنے سے ایک دوسرا نقصان یہ پہنچ رہا ہے کہ ہمارا ملک جو ذاتوں کی کثرت سے پہلے ہی نفاق کی مصیبت میں مبتلا ہو رہا تھا۔ اس میں ایک نئی ذات اور اضافہ ہوتی جاتی ہے۔ اس میں وہ لوگ شامل ہیں جو ایک طرف تو انگریزوں سے اختلاف نسل و تمدن کی بنا پر غیر ہیں۔ اور دوسری طرف اپنی قوم اور نسل سے اس بنا پر غیر ہو گئے ہیں کہ اپنے بلند پایہ تخیلات اور نازک خیالات کو اپنی ہی قوم کی زبان میں ادا کرنے سے قاصر ہیں۔ افسوس ہے کہ تمام مہذب دنیا میں صرف ہندوستان ہی ایسا ملک ہے جہاں کثرت سے ایسے لوگ موجود ہیں جنھیں اس بات کا اعتراف کرنے میں مطلق شرم

نہیں آتی کہ وہ ایک غیر ملک کی ادبیات کا علم اس ادبیات سے زیادہ رکھتے ہیں جو اُن کے سلاف کی پیدا کردہ ہے۔ یہ بدقسمت لوگ اس اصل سے واقف نہیں ہیں کہ کوئی قوم جو اپنی ہی تہذیب و تمدن کی عزت کرنے کے لئے تیار نہیں ہے وہ دنیا کی نظروں میں کسی طرح کی عزت پیدا نہیں کرسکتی۔ اور کوئی قوم اپنی تہذیب و تمدن کی عزت اس وقت تک نہیں کرسکتی۔ جب تک کہ وہ اُس زبان کی عزت نہ کرے۔ جس میں وہ تہذیب و تمدن محفوظ ہے۔

آج کل کا مہذب اور نیا علم ہندوستان جس صورت میں کہ انگریزی زبان نے اس کو اس نے تعلیم اور ادائے خیال کا سب سے بڑا ذریعہ بنا رکھا ہے۔ دنیا کی نظروں میں بالعموم ایک ایسا لنگڑا اپاہج معلوم ہوتا ہے جو خدا کے دیئے ہوئے پاؤں کام میں نہیں لاسکتا بلکہ انگریزی کے سہارے اُچھلتا ہوا چلتا ہے جو یہاں سے چھ ہزار میل دور ایک ملک میں تیار ہوا ہے میں آپ سے پوچھتا ہوں کیا اس حالت سے ہمارے ملک کی کوئی نکتہ چینی ہوسکتی ہے۔ جو لوگ اس قسم کی کوششوں کی جن کا نتیجہ یہ حامل ہے بے قدری کرتے ہیں وہ اپنے لئے اپنے ہی ہاتھوں خفت اور شرمندگی کے سوا کیا پیدا کرتے ہیں۔ کیونکہ ہندوستانی زبانوں کو ذریعہ تعلیم بنانے سے بچنا اس امر کا اعتراف ہے کہ خدا کے بزرگ نے بھی جس کا سایہ سب کے سر پر ہے (نعوذ باللہ) یہ ہمارے ساتھ بے انصافی کی ہے کہ ہم کو ایسی زبانیں دیں جن میں ہم اپنے خیالات کافی طور سے ایک دوسرے پر ظاہر نہیں کرسکتے۔ اور اس وجہ سے گویا ہمارا تنزل حیوانات مطلق کے طبقہ میں کردیا۔

جب ملک کی معاشرتی زندگی پر غور کیا تو ایک اور افسوسناک واقعہ صاف نظر آیا وہ یہ کہ بہت سے ہندوستانی گھروں میں جہاں ایسے لوگ موجود ہیں جنھوں نے انگریزی زبان میں تعلیم پائی ہے ایک قسم کا واقعی نفاق پھیلا ہوا ہے اور وہ یہ ہے کہ عورتوں کی تعلیم و تربیت تو صحیح یا غلط اُن طریقوں پر ہوئی ہے جو ہمارے بزرگوں کے پیدا کئے ہوئے تھے اور مرد انگریزی علم کی یوں ہی سی شُد بُد مدرسوں میں حاصل کرکے ایسے خیالات میں مصروف ہیں

جو عورتوں کے خیالات سے جنھیں وہ دل سے یقین کرتی ہیں، متضاد ہیں، یہ تو آپ پر بھی واضح ہوگا کہ جس گھر میں شوہر تو انگریزی ادبیات سے، دور دور تک فریب جلووں کی طرف نگاہیں جائے ہے اور بیوی تلسی داس یا غالب کے حسن کلام پر محو ہے تو اس گھر کو حقیقی معنوں میں میل اور ملاپ کا گھر نہیں کہہ سکتے جب تک کہ ہمارے ملک کے مرد مغرب کی طرف اور ہمارے ملک کی عورتیں مشرق کی طرف تکتی رہیں گی اس وقت تک ہمارے گھروں کا یہ اختلاف تہذیب بڑے حد تک ان قوتوں کو بیکار کرتا رہیگا جن کے پورے اور بے روک عمل سے وہ حالت درستی پر آسکے جو اس وقت ہندوستان کی بے عزتی کا موجب ہو رہے ہیں۔

ملک کی خانگی زندگی میں اتحاد تہذیب پیدا کرنے کے لئے جس کے بغیر مجموعی اور انفرادی ترقی میسر آسکتی ہے اس بات کی ضرورت ہے کہ تعلیم و تہذیب کے اختلاف سے جو غار عمیق [illegible] ہو گیا ہے اور جس نے بدقسمتی سے اکثر گھروں میں مردوں اور عورتوں کو جدا کر رکھا ہے بالکل پاٹ دیا جائے اور یہ اس طرح ممکن ہے کہ جس علم نے برائی کے لئے یا بہ الائی کے لئے ہمارے مردوں کو ہمہ تن اپنی طرف متوجہ کر رکھا ہے اسے اتنا قریب کر دیا جائے کہ ہمارے ملک کی عورتیں بھی آسانی سے اس تک پہنچ سکیں دوسرے لفظوں میں یہ نتیجہ اس طرح حاصل ہو سکتا ہے کہ جو زبان عورتوں کو ان کی ماؤں سے ملی ہے اس کو اس زبان کی مثل جس میں مرد موجودہ علوم حاصل کر رہے ہیں۔ ایک معقول اور مضبوط ذریعہ تعلیم کا بنا دیا جائے۔

ایک واقعہ عرض کرنے سے ایک اور فائدہ بھی آپ پر واضح ہو جائے گا۔ وہ یہ کہ جاپان کے معاشرتی اور تعلیمی حالات پر غور کرنے سے مجھے دریافت ہوا کہ اس ملک میں مائیں اپنے بچوں کو عملی طریقوں پر تعلیم دینے میں بڑی مدد کرتی ہیں اور اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ جس زبان میں وہاں بچوں کو علم سکھایا جاتا ہے وہ ان بچوں کی ماؤں کی زبان ہے۔ افسوس ہے کہ ہندوستان میں جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں سوائے چند مخصوص گھروں کے اس قسم کا مفید

اور مسرت خیز عمل ماؤں کو اس وجہ سے نصیب نہیں ہے کہ زبان جو ان کے بچوں کی تعلیم کے لئے مستعمل ہے۔ وہ ماؤں کے لئے ایک غیر زبان ہے۔

علاوہ اس کے انگریزی زبان میں تمام مضامین کی تعلیم دینے سے ایک ضروری شرط شروع ہی سے پیدا ہو جاتی ہے۔ کہ ہمارے مدارس میں جس قدر طلبہ داخل ہوں وہ لازمی طور پر غیر زبان کو سیکھنے کا خاص ملکہ رکھتے ہوں لیکن سوائے ہمارے دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں ہے۔ جس نے اپنے طریقہ تعلیم کی بنیاد اس قسم کی غلط شرط پر رکھی ہو۔ اگر انگریزی زبان کو ذریعہ تعلیم نہ رکھنے سے یہ معلوم ہو کہ اس زبان کی مہارت میں کسی قدر کمی پیدا ہو گئی ہے ساتھ مختلف مضامین کے متعلق علم میں زیادتی اور اصلیت بڑھ گئی ہے تو کم از کم اس حالت میں بھی یہی کہوں گا کہ اس سے ہمارے ملک کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ اگر ہمارے ملک والے ایسی اچھی انگریزی نہ بول سکیں جیسے کہ چند منتخب لوگ بولتے ہیں تو ہم سمجھوں گے بہ نسبت اس کے کہ میرے اہل ملک اپنے ہی ملک میں ایک غیر ملک کے آدمی معلوم ہوں۔ اور اس تہذیب سے ناواقف اور اس زبان کو صحیح برتنے سے عاری ہوں جس دنیا میں ہم رہتے ہیں انہوں نے آنکھیں کھولی تھیں۔

علاوہ بریں جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ ہم میں سے وہ لوگ جن کی تعلیم انگریزی زبان کے ذریعہ سے ہوئی ہے۔ کس آسانی و بے پروائی سے بلا ضرورت اپنی زبان کو خراب کر رہے ہیں تو یہ حالت نہایت ہی تکلیف دہ اور بدنما معلوم ہوتی ہے۔ شرمندگیاں تو مجھے زندگی میں بہت اٹھانی پڑی ہیں لیکن یورپ میں ریل کے سفر میں ایک موقع پر جو خفت ہوئی۔ اس کی تکلیف اب تک دل سے دور نہیں ہوئی ہے۔ میں اس وقت فرانس کے وسطی حصہ میں کسی مقام پر ایک ہندوستانی دوست کے ساتھ ہمسفر تھا۔ جس گاڑی میں ہم دونوں تھے اسی میں ایک یورپین مسافر بھی بیٹھا ہوا تھا۔ یہ ہمیں معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کس قوم کا آدمی ہے۔ مجھے وقت دریافت کرنے کی ضرورت ہوئی۔ میں نے اپنے ہندوستانی دوست سے بالکل بے خیالی میں

یہ جملہ کہا کہ " آپ کی واچ میں کیا ٹائم ہے؟" میرے ہندوستانی دوست نے اس سوال کا جواب انگریزی میں دیا۔ اس خلط ملط دوغلی زبان کو سُن کر اور ہماری کالی کالی صورتیں دیکھ کر وہ یورپین مسافر مجھ سے نہایت ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں پوچھنے لگا کہ ہم دونوں کس ملک کے آدمی ہیں۔ میں نے جواب دیا کہ ہم ہندوستان کے لوگ ہیں۔ یہ جواب سُن کر اس کے چہرہ پر ایک حیرانی اور پریشانی سی ظاہر ہونے لگی۔ یہ حالت دیکھ کر میں نے پوچھا کہ آپ نے مجھ سے سوال کیوں کیا تھا اس شخص نے جو جواب دیا وہ یہ تھا کہ " جناب مجھے اس بات کے معلوم کرنے کا شوق ہوا کہ وہ ملک کون سا ہے جس کی زبان میں بیسویں صدی میں بھی ایک ایسی چیز کے لئے جسے گھڑی ہوتی ہے اور ایک ایسی روزمرہ کی ضروری چیز کے لئے جسے وقت کہتے ہیں الفاظ موجود نہیں ہیں"۔ اس جواب سے میں ایسا شرمندہ ہوا کہ کبھی کسی بات سے اتنا شرمندہ نہ ہوا تھا۔ اور اس واقعہ سے جو سبق مجھے حاصل ہوا اُسے آج تک نہیں بھولا ہوں یعنی ہندوستان کی بڑی زبانوں کو قوت دینے اور زمانۂ حال کے مطابق بنانے کا اصول میرے لئے ایک مذہبی اعتقاد ہو گیا ہے۔

اس مسئلہ پر بحث کرتے وقت کہ ہندوستانی زبانوں کو ذریعۂ تعلیم بنایا جائے۔ اکثر لوگوں نے نااتفاقی کا ہوا اپنی آنکھوں کے سامنے لاکر اس خیال کو بہت ناپسند کیا ہے۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ اگر ہندوستان کے مختلف صوبوں کی مختلف زبانوں کو اس طریقے سے قوت دیکر مستقل زبانیں بنا دیا گیا تو پھر یہاں کی قوموں میں اتفاق و اتحاد پیدا کرنے کی امید سے جس کے ہم سب خواہشمند ہیں ہاتھ دھو لینے چاہئیں۔ اگر اس دلیل کو ایک مرتبہ بھی صحیح مان لیا گیا تو میری رائے میں اس سے نہایت مضر نتائج پیدا ہوں گے کیونکہ اے خواتین اور صاحبان! یہی دلیل پھر وہ لوگ بھی پیش کرنے لگیں گے جن میں کافی حماقت اس دعوے کی موجود ہے کہ جب تک سب لوگوں کا ایک ہی مذہب ایک ہی طرح کی غذا ایک طرح کا لباس اور ایک ہی طرح کا طرز خرام نہ ہو جائے اس وقت تک ہمارے ملک میں اتحاد کا ہونا ممکن نہیں۔

ہم کو یہ کبھی نہ بھولنا چاہیئے کہ ہندوستان کا دل بہت بڑا ہے وہ ایک ایسے قدیم زمانہ سے جس کی یاد بھی دلوں سے محو ہو چلی ہے مختلف و متضاد ادیان اور مذاہب فلسفہ کا مولد و مسکن رہا ہے۔ اور ان سب کو اپنا بچہ سمجھ کر اس نے ہمیشہ اپنے سینہ سے لگائے رکھا ہے۔ علاوہ اس کے میں ان لوگوں سے پوچھتا ہوں کہ اس کا ضامن کون ہے کہ اگر ملک کی زبان ایک ہی کر دیجائے تو ہندوستان ایک متحدہ ملک ہو جائیگا جس وقت میں امریکہ کے حالات پر غور کرتا ہوں جو تنگ تمدن ہیں۔ جس وقت میں دیکھتا ہوں کہ وہاں غریب حبشیوں کا کس بے رحمی سے خون بہایا جاتا ہے اور ان کے ساتھ اس سے بھی بدتر برتاؤ کیا جاتا ہے جو ہم جانوروں کے ساتھ کرتے ہیں۔ باوجودیکہ ان حبشیوں کی زبان وہی ہے جو امریکہ کے باشندوں کی زبان ہے اور جس وقت میں بہادر بلجیم اور خوبصورت سوئزرلینڈ کی طرف نظر اٹھاتا ہوں جو باوجود ایک سے زیادہ زبانیں رکھنے کے اکثر ایک لسانی ملکوں سے کہیں زیادہ اتحاد رکھتے ہیں تو ایسی حالت میں کیا میرے لئے یہ ایک احمقانہ فعل نہ ہوگا۔ کہ قومی اتحاد کو قائم کرنے کے لئے میں اس بیان کو قبول کروں کہ سوائے ایک زبان کے باقی کل زبانوں کو مٹا دینا لوازمات میں سے ہے۔

فطرت نے اپنی فیاضی سے ہمارے ملک کو ناگوں نعمتوں سے مالا مال کر رکھا ہے نہ صرف تمام دنیا کے موسموں کے نمونے بلکہ تقریباً تمام عالم کی نباتات و حیوانات کی اقسام و انواع اس میں موجود ہیں۔ پس اسی قدرتی وصف کی بناء پر کہ طرح طرح کی زبانیں اس میں ہیں ان کو بھی برقرار رہنے دینا چاہیئے۔

خواتین و صاحبان! یہ گوناگونی و بوقلمونی جس قدر زیادہ ہمیں نصیب رہیگی اسی قدر ملدنی تہذیب کے رنگوں میں بھی رام دھنک کے شوخ اور خوبصورت رنگوں کی طرح حسن پیدا ہوتا جائے گا۔ اور بنی آدم کی تاریخ میں اسی سرزمین سے یہ تہذیب دوبارہ اٹھکر اس جمہوری سخاوت اور رواداری کا سبق پڑھانے کے لئے وارد ہوگی۔ جسے افسوس ہے کہ دنیا کے بڑے حصہ نے اس بادیہ کے زمانے میں آسانی سے فراموش کر دیا ہے۔

جہاں تک زندگی کے عملی مقاصد سے تعلق ہے مجھے یہ دیکھ کر مسرت ہوئی کہ آپ نے نہایت دانشمندی سے اپنے نصاب تعلیم میں انگریزی زبان کو ایک لازمی مضمون قرار دیا ہے۔ ہندوستان کی سیاسی زندگی میں انگریزی زبان کو ایک خاص درجہ حاصل ہوگیا ہے جس کی اہمیت کا ایک ثبوت خود میری طرف سے یہ ہے کہ میں اس وقت آپ کے سامنے انگریزی میں تقریر کر رہا ہوں۔ پس ہندوستان کی بھلائی چاہنے والوں کا فرض ہے کہ اس زبان کو ہمیں میں جہاں تک ممکن ہے کوشش کریں اور جس وقت تک یہ زبان محض زبان کی حیثیت سے پوری توجہ سے سیکھی جائیگی۔ اس کا نتیجہ ہمارے لئے سوائے نفع کے کچھ اور نہ ہوگا۔ لیکن ذریعہ تعلیم بنا کر اس کا استعمال میں نقصان دہ سمجھتا ہوں اور میں آپ کو خبردار کئے دیتا ہوں کہ اگر اس کو آئندہ ہمارے ان تمام مدارس میں جو ہماری لڑکیوں کی تعلیم کے لئے ملک میں قائم کئے گئے ہیں تعلیم کا ذریعہ بنائے رکھا تو ہماری معاشرت اور تہذیب کی بنیادیں اس قدر کمزور ہوجائینگی کہ ان پر کوئی عمارت دائمی حسن اور مضبوطی کی قائم نہ ہوسکیگی۔

خواتین جو آج اس جامعہ سے فارغ التحصیل ہوکر نکلی ہیں ان کو یہ بات نہ بھولنی چاہیئے کہ قوم میں اس کی عورتوں کا سب سے نیک فرض یہ ہے کہ وہ اس قوم کی بہترین روایات کی محافظ و پاسبان رہیں۔ اگر ایک مرتبہ بھی ان روایات کی قدر ان کے دل سے اٹھ گئی تو پھر یہی بے قدری کا خیال ان کی اولاد میں منتقل ہوتا رہیگا اور وہ اس احساس کمتری کو ہم دوسروں سے کمتر ہیں آئندہ کے لئے بھی منتقل کردیگی۔ کمتری کا وہ احساس جس پر خود دل گواہی دینے لگے ایک مرض ہے جو قوموں کو یقیناً فنا کردیتا ہے۔

میرے لئے اپنے ملک میں اس سے زیادہ دردناک منظر کوئی نہیں ہے کہ میں بعض احمق رؤسا کی طرح بعض بدقسمت عورتوں کو دیکھوں کہ وہ یورپ والوں کے طریقوں اور رواجوں کی نقل اتارنے کو تعلیم کا نمونہ سمجھ رہی ہیں اور اس بات کو بھول گئی ہیں کہ اس نقالی سے وہ اس عظیم الشان تہذیب کی توہین کر رہی ہیں جو ان کے بزرگوں سے ان کو ملی تھی۔ ہر قوم کے طریقے

رسم و رواج ان مختلف مراحل ارتقا کا نتیجہ ہوتے ہیں جن میں سے اُس قوم کو گذرنا پڑا ہے۔ ان کو یک لخت ترک کر دینے سے قومی معاشرت کو ایسا زخم پہنچتا ہے جیسے کسی زندہ جسم سے کوئی عضو کاٹ ڈالا جائے۔ جس طرح ارتقا کا سلسلہ لامتناہی ہے اسی طرح کسی قوم کے طریقوں اور رواجوں میں تبدیلیاں بھی ناگفتہ ہیں۔ یہ کوشش کہ اس سلسلۂ ارتقا کو ایسے ملک کے طریقے اور رسم و رواج سے یک لخت تیار کر کے، جلد طے کر لیا جائے جس کی تاریخ کا ارتقا ہماری تاریخ سے جداگانہ طرز پر ہوا ہے میری رائے میں ایک نہایت بدنما کام ہے۔ اگر ہم اپنے ملک کی گزشتہ ساٹھ برس کی تاریخ پر غور کریں گے، تو مجھے یقین ہے کہ آپ اس بارہ میں مجھ سے اتفاق کریں گے کہ اس زمانہ تعلیم و تربیت کے متعلق کارہائے نمایاں، ان لوگوں سے عمل میں آئے ہیں جن کو وہ تعلیم جسے ہم مغربی تعلیم کہتے ہیں [illegible] ہندو ہوں یا مسلمان وہ تھے جنکی [illegible] کا نشو و نما اس طریقہ تعلیم پر ہوا تھا جو خاص اس ملک کی تعلیم تھی۔

صرف ایسے ہی طرز تعلیم سے جو ہمارے ملک کی خاص ضروریات کو پورا کرے ہماری قوم میں وہ قوت پیدا ہو سکتی ہے جس کے بغیر ممکن نہیں کہ زحمت و کاہش کا وہ بار گراں قوم سے اُٹھ سکے جو باقی دنیا سے مقابلہ کرنے میں آجکل درکار ہے اگر آپ کو یہ دیکھنا ہو کہ غیر ملکوں کی تہذیب اور علم میں، جو چیزیں بہترین ہیں ان کو بغیر اپنی تہذیب کی خوبیوں میں خرابی پیدا کئے کیونکر حاصل کیا جا سکتا ہے تو آپ صرف جاپان کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھیں۔ جاپان میں مرد تو گھر سے باہر کی سخت محنت و مشقت کی زندگی سے کھردرے اور کرخت ہو گئے ہیں لیکن عورتیں اب تک اس تہذیب و شائستگی کی تمام حسین اور متبرک چیزوں کی معزز محافظ ہیں جن کا ارتقا قوم کی زندگی کے ساتھ ساتھ ہوا ہے۔ جاپان کی خانگی زندگی میں مغرب کا اثر تقریباً معدوم ہے۔ پس میری تمنا ہے کہ ہماری قوم بھی باقی دنیا کی تہذیب کو اسی آسانی کے ساتھ بغیر قومی خودداری کو نقصان پہنچائے ہندوستانی تہذیب بنا لے جیسا کہ جاپان سے عمل میں آیا ہے۔

میں نے اس تقریر میں اُس تہذیب کو برقرار و سلامت رکھنے کی ضرورت پر جسے ہم اپنی تہذیب کہتے ہیں بار بار اتنا زور دیا ہے کہ عجب نہیں لوگ مجھے ایک حد سے گزرا ہوا قدامت پرست کہنے لگیں۔ لیکن میں اس خطرے سے گذر جاؤں گا۔ اگر میں آپ پر یہ امر واضح کر دوں کہ میری رائے میں لفظ تہذیب اپنے بہترین مفہوم میں کبھی ایسی چیز سے مراد نہیں ہو سکتا۔ جو نسل انسان کی کسی جماعت کے لئے بھی حقیقت میں مضر ہو اس بنا پر میں تمام ایسی رسوم کے ترک کرنے کا بڑے سے بڑے غایت حامی ہوں جن کو علم کی پھیلتی ہوئی روشنی نے ہماری قوم کی نفع کے خیال سے نقصان دہ ثابت کر دیا ہے۔ تاکہ یہ رسوم ہم کو اپنے بزرگوں سے میراث میں ملتی چلی آئی ہیں۔ میں پھر اس خیال کا اعادہ کرتا ہوں جسے میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ میں ایسی چیزوں میں بھی جو ہماری زندگی کے تہذیبی پہلوؤں سے متعلق ہیں اور جن کو معمولاً خانگی و معاشرتی کہا جاتا ہے ارتقا کا قائل ہوں انقلاب کا قائل نہیں۔ تمام پرانی چیزوں کو واجب التعظیم سمجھنا ایسی ہی حماقت کی بات ہے جیسے کہ تمام نئی چیز کا احترام کرنا۔ میرا مطلب آپ صاحبوں کو یہ بتانا ہے کہ اچھی چیزوں کے انتخاب میں ہمیں ہی اصولوں کو اختیار کرنے کی ضرورت ہے جن کو اختیار کر کے جاپان کی قوم ایک معزز اور مضبوط قوم جیسی کہ وہ آج ہے بن گئی ہے۔

خواتین اور صاحبان! میں اُس دن کے خواب دیکھ رہا ہوں جبکہ ہند کے عرض و طول میں اس کی ہر ایک بڑی زبان کی نمایندگی ایک ایسی جامعہ سے ہونے لگیگی جیسی کہ آپ کی جامعہ ہے اور علم کے ایسے ہی سرچشموں سے وہ ندیاں جاری ہوں گی جو اس تاریخی مقدس گنگا کی طرح ایک دریائے زخار بنکر ہماری علمی زندگی کو جو آج راجپوتانہ کے ریگستان کی طرح خشک و بنجر ہو رہی ہے شاداب و سرسبز کر دینگی۔

ایسی ہی جامعات کے تلامذہ جو کچھ انہوں نے حاصل کیا ہے اس کی عظمت کا یقین دل میں لئے ہوئے اور اس بات پر فخر کرتے ہوئے کہ وہ خود اور ان کا علم اُس سرزمین کا ثمرہ ہیں جس میں وہ پیدا ہوئے تھے جس وقت پرانے رشیوں کے سے جوش و جذبے کے ساتھ

پنے ماتا دیس میں حقائق کا وعظ کہنے اٹھیں گے جوان کی تلقین سے جسے لوگ آسانی سے سمجھ سکیں گے۔ ملک کی مخلوق بے زبان میں ایک نئی جان پڑ جائے گی اور تمام ملکوں میں اس علم کی روشنی پہنچ جائیگی جس کے سوا کوئی دوسری چیز قوم کی کمزوریوں اور برائیوں کو رفع نہیں کر سکتی۔

جس ملک میں اتنی غیر جنس قومیں آباد ہوں جیسے کہ ہمارا ملک ہے وہاں اتحاد کی بڑی بندش جو واقعی اثر رکھتی ہو صرف حبّ الوطنی ہے۔ محبت ایسی چیز ہے جو تمام تفرقوں کو مٹا دیتی ہے اور صرف وطن اور بنی آدم سے محبت رکھنی وہ شے ہے جو بہت سی مشکلات کو جو اس وقت ہمیں درپیش ہیں حل کر سکتی ہے۔ اس کا مجھے کامل یقین ہے کہ نفرت و عداوت کی بنیاد پر کوئی مستقل عمارت قائم کرنی کسی طرح ممکن نہیں۔ جو طوفان اس وقت ہندوستان میں برپا ہے اور جو ہمارے ان دعائیہ کے تعلقات کو جن کا قائم و موجود رہنا ان مختلف قوموں میں جو ہمارے ملک میں آباد ہیں ضروری ہے سخت نقصان پہنچا رہا ہے مجھے امید ہے کہ یہ طوفان ایک عارضی مصیبت ہے خواہ مرد ہو یا عورت جس کسی کی یہ خواہش ہے کہ اس کو تعلیم یافتہ انسان کہا جائے اس کا فرض ہے کہ تا مقدور ایسی قوتوں کو توڑے جو ہمارے اس عظیم الشان ملک کے لوگوں کو ایسے گروہوں میں تقسیم کر دیتی ہیں جو غصہ اور عداوت میں بھرے ہر وقت آپس میں دست و گریبان رہتے ہیں۔

جبکہ ایسی مختلف قوموں نے جیسے کہ فرانسیسی۔ انگریزی اور جرمانی ہیں۔ باوجود پرانی رقابتوں اور عداوتوں کے جو ان کی روایات سابقہ سے ثابت ہیں ایک مجلس قائم کر کے لڑائی کو تقریباً ایک واقعہ ماضی بنا دیا ہے تو پھر ایک ہی ملک میں بسنے والی قوموں کے لئے جہاں وہ ایک ہی موسم اور تقریباً ایک ہی سے معاشری اور معیشی حالات میں رہتی ہیں یہ کام مشکل نہ ہونا چاہیئے کہ کم سے کم وہ جماعتی نزاعات و اختلافات کو قطعاً ناممکن کر دیں۔

خواتین اور صاحبان! کچھ بہت زمانہ نہیں گزرا ہے کہ جو دو بڑی قومیں اس

ملک میں آباد ہیں ان کی باہمی کارکردگی نے دنیائے فنون کو ایک ایسی عمارت تیار کر کے پیش کی جس کے حُسن کا عالم میں جواب نہیں۔ تو پھر کیا اس کی امید کرنی کوئی عجیب بات ہوگی کہ آئندہ قریب ہی کے زمانہ میں یہ دونوں قومیں اپنی قدیم تمدن کی حقیقی بزرگی کو اس طور پر ثابت کریں کہ دنیا کو سیاسیات کا ایک جدید نظریہ ایسا پیش کریں جو ہند سے باہر کے ملکوں پر ظاہر کر دے کہ کس طرح وہ انسانی گروہ جو مختلف زبانیں اور مختلف مذاہب و رسم و رواج رکھتے ہیں اپنے ملک اور وطن کی محبت میں تمام تفریقوں کو مٹا کر ایسی قوم واحد بن سکتے ہیں جو دنیا کی اور قوموں کا لحاظ کرتے ہوئے اپنے لئے اور اپنے ملک کے لئے وہ قوت اور عزت حاصل کر سکتے ہیں جو جنگی جہاز اور کلدار توپیں رکھنے سے نہیں بلکہ ان اصولوں پر یقین رکھنے سے لازوال ثابت ہوں گی جن کی بنیاد خالص اخلاق پر رکھی گئی ہے ۔

رپورٹ سررشتۂ تعلیمات ممالک محروسۂ سرکار عالی

بابتہ سنہ ۱۳۳۶ف

ذیل میں نواب مسعود جنگ بہادر کی اس دلچسپ سالانہ رپورٹ کے اقتباسات درج کئے جاتے ہیں۔ جو نواب صاحب ممدوح نے ملازمت سے سبکدوش ہوتے وقت پیش فرمائی ہے۔ نواب صاحب ممدوح کی بارہ سالہ کارگزاری کا اسی وقت صحیح اندازہ ہوسکتا ہے جب کہ موجودہ رپورٹ سنہ ۱۳۲۵ف کی رپورٹ کے سامنے بنظر تعمق دیکھی جائے۔

مدیر

سال زیر تبصرہ میں نہ صرف حدود بلدہ میں بلکہ اکثر اضلاع میں بھی شدید طاعون پھیلا رہا لیکن اس کے باوجود بھی تعداد مدارس و طلباء میں علی الترتیب ۸۸ مدارس اور ۱۳۵۵۹ طلبہ کا مسرت خیز اضافہ وقوع میں آیا۔

چونکہ میں اس سال (یعنی سنہ ۱۳۳۶ف) وظیفہ پر خدمت سے سبکدوش ہو رہا ہوں اور یہ رپورٹ جس کے گزرانے کا مجھے شرف حاصل ہو رہا ہے آخری رپورٹ ہے اس لئے مجھے امید ہے کہ ان اعداد کو ذیل میں بالتفصیل درج کرنا بے محل نہ ہوگا جن سے اس امر پر روشنی پڑتی ہے کہ گزشتہ گیارہ سال کی مدت میں جس کے دوران میں سررشتۂ تعلیمات میرے تفویض رہا تعلیم میں کس حد تک ترقی ہوئی ہے۔

۲۶ شہریور سنہ ۱۳۲۵ف کو بحیثیت ناظم تعلیمات میرا تقرر عمل میں آیا اور اس وقت مدارس اور طلبہ کی جو تعداد تھی اس کے مقابلے سال زیر رپورٹ یعنے سنہ ۱۳۳۶ف کے مدارس و طلبہ کی

تعداد سے تختہ ذیل میں کیا گیا ہے۔

مدارس	۱۳۲۵ف		۱۳۳۶ف	
	تعداد مدارس	تعداد طلبہ	تعداد مدارس	تعداد طلبہ
۱	۲	۳		۲
کالج	۳	۲۱۳		۱۱۴۳
مدارس فوقانیہ	۲۲	۶۷۶۵	۴۳	۱۶۱۰۴
〃 وسطانیہ	۸۷	۱۷۸۰۹	۱۰۰	۲۷۸۰۲
〃 تحتانیہ	۱۱۲۳	۶۶۳۸۶	۳۹۷۱	۲۲۴۹۸۳
〃 خاص	۲۰	۲۱۱۶	۴۹	۳۸۲۵
میزان	۱۲۵۴	۹۳۲۰۹	۴۱۸۶	۲۷۱۸۵۷

مندرجۂ بالا اعداد سے واضح ہوگا کہ اس وقت مدارس کی تعداد گیارہ سال قبل کی تعداد کے (جبکہ میں نے سررشتہ کا جائزہ حاصل کیا تھا) سہ چند سے زیادہ ہے۔ اسی طرح طلبہ کی تعداد بھی تقریباً سہ گنا ہے۔

ممالک محروسہ سرکار عالی کے طول و عرض میں طاعون و ہیضہ وغیرہ جیسے مہلک امراض وبائی کے مسلسل سالانہ دوروں اور جنگ عظیم کے پیدا کردہ شدید معاشی مصائب اور اوقات بسری کے بھاری مصارف کے باوجود مذکورہ بالا نتائج کے برآمد کرنے میں نہ صرف میر نائب اور مددگار صاحبان نے بلکہ صدر مہتمم و مہتمم صاحبان اضلاع نے بھی جس مفید النظر (وحدت مقصد)

میرا ہاتھ بٹایا ہے۔ اس کے لئے میں ان تمام حضرات کا اس موقع پر مخلصانہ شکریہ ادا کرتا ہوں۔

سررشتہ کا جائزہ دیتے ہوئے میں یقین کرتا ہوں کہ تعلیم کی عاجلانہ ترقی کی راہ میں اب کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہی۔ بشرطیکہ اتحاد عمل کے اس خوشگوار جوش میں جو اس وقت مختلف عہدہ داروں میں موجود ہے کوئی کمی واقع نہ ہو۔

میں اس دن کا متمنی اور منتظر ہوں جبکہ وہ نوجوان جنھوں نے سررشتہ تعلیمات میں ملازم ہو کر میری ماتحتی میں اپنی عملی زندگی شروع کی ہے۔ دنیا کو یہ بتلا دیں گے کہ ممالک محروسہ سرکار عالی تعلیمی اور دیگر حیثیتوں سے ہندوستان کا انتہائی ترقی یافتہ قطعہ ہے۔

جامعہ عثمانیہ۔ ممالک محروسہ سرکار عالی کی سماجی تعلیمی اور ذہنی ترقی میں جو حصہ لیگی میں اسکی اہمیت پر یہاں زور دینا چاہتا ہوں یہ امر کبھی بھی نظر انداز نہ کیا جائے کہ جامعہ عثمانیہ کی قوت ہمیشہ سررشتہ تعلیمات کی قوت ثابت ہوگی اور اس کی کمزوریوں کا اثر سررشتہ ہذا کے کام پر بھی پڑیگا جس کے نتائج نہایت تباہ کن ہوں گے۔

اگر جامعہ عثمانیہ قابلانہ رہنمائی کے تحت حکومت کی پوری پوری اعانت سے متمتع ہوتی رہی تو یہ اپنی نوعیت خاص کی وجہ ایک نہ ایک دن ہندوستان میں علوم عقلیہ کی تعلیم کا مرکز اعظم بن کر رہے گی۔ برطانوی ہند کی جامعات کے برخلاف جامعہ عثمانیہ ایک ایسا دیسی پودا ہے جس کی جڑیں ہمارے دیس کی زمین کی گہرائیوں میں مضبوطی سے پیوست ہیں اور جو دیر غور دیر داخت سے ایسی توانائی اور خوبصورتی کے ساتھ پھلے پھولیگا کہ ہمارے جلیل القدر ملک کے تمام باشندے اس کے سچے ثنا خواں ہو جائیں گے۔ اصل مضمون سے گریز کرنے کے بجائے میں سال زیر ذکر سے متعلق سررشتہ ہذا کی کارگزاری کا خلاصہ ذیل میں درج کرنے کے خشک فریضہ کی ادائی کی جانب مکرر متوجہ ہوتا ہوں۔

عام اعداد ذیل کے تختہ میں مدارس اور طلبہ کی تعداد بابتہ ۱۳۳۵ف و ۱۳۳۶ف کا مقابلہ کیا گیا ہے۔

سنہ فصلی	تعداد مدارس	تعداد مکاتب و مدارس غیر رسمی	فیصدی کمی و بیشی	تعداد طلبا	تعداد طلبا میں کمی و بیشی	فیصدی کمی و بیشی
۱۳۳۵ف	۴۰۹۸	۹۷	۲۶۴	۲۵۰۲۹۸	۱۴۰۶۴	۵۶۴
۱۳۳۶ف	۴۱۸۶	۸۸	۲۶۱	۲۷۱۸۵۷	۱۳۵۵۹	۵۶۳

تختۂ مندرجۂ بالا سے واضح ہوگا کہ سال زیر تنقید میں اکثر اضلاع میں طاعون کے پھوٹ پڑنے کے باوجود (۸۸) مدارس اور (۱۳۵۵۹) طلبہ کا مسرت افزا اضافہ ہوا ہے۔

سنہ ۱۳۳۵ف کی طرح اس سال بھی مدارس خانگی کی رجسٹری اور واخذہ کا کام جاری رہا۔ جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ممالک محروسہ میں (۱۳۱۱) مدارس خانگی تھے جن کے طلبہ کی تعداد (۳۲۲۸۲) تھی اس کے مقابلہ میں سنہ ۱۳۳۵ف میں (۱۲۵۵) خانگی مدارس تھے جن کے طلبہ کی تعداد (۲۹۶۲۹) تھی یعنے (۵۶) مدارس اور (۲۶۵۶) طلبہ کا اضافہ ہوا اگر گزشتہ مردم شماری پر حساب لگایا جائے تو سررشتہ ہذا کے مدارس کے طلبہ زیر تعلیم کا فیصد ۹۰ء۱ نکلتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں سال گزشتہ ۸۹ء۱ تھا۔ اگر مدارس خانگی دلکی کو بھی شمار کر لیا جائے تو فیصد (۱۶ء۲) ہوتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں سنہ ۱۳۳۵ف میں یہ فیصد (۱۵ء۴) تھا۔ اس طرح اگرچہ ممالک محروسہ کے جملہ رقبہ پر بشمول اُن حصص کے جو سررشتہ تعلیمات کے مدود ارضی میں نہیں آتے ہیں حساب لگایا جائے تو اس سال ہر (۱۵ء۵) مربع میل پر ایک سرکاری یا خانگی مدرسہ پڑتا ہے اس کے مقابلہ میں سال گزشتہ میں (۱۵ء۴) میل پر ایک مدرسہ پڑتا تھا۔ اس کے برخلاف اگر صرف رقبہ یعنے (۴۸۹۶۶) کو شمار کر لیا جائے جس پر جاگیرات واقع نہیں ہیں اور جو سررشتہ تعلیمات کے حدود ارضی میں داخل ہے تو ہر (۸ء۹) مربع میل پر ایک مدرسہ سرکاری یا خانگی پڑتا ہے۔

طلبا و طالبات کی تعداد کا تناسب لحاظ درجہ و نفوس قابل تعلیم

سررشتۂ ہذا کے مدارس کے طلبہ کا تناسب قابل تعلیم آبادی مذکور کے لحاظ سے اس سال (۶ و ۲۴) ہوتا ہے اور سنہ ۱۳۳۵ف میں (۵ و ۲۳) تھا اور طالبات کا تناسب سال گزشتہ کے (۳ و ۸۵) کے مقابلہ میں اس سال (۴ و ۱) رہا۔

ذیل کے تختہ سے مدارس اور طلبہ کی تقسیم بلحاظ مدارج تعلیم گاہ بابتہ سنہ ۱۳۳۵ف و سنہ ۱۳۳۶ف کا حال معلوم ہوگا۔

درجہ	سنہ ۱۳۳۵ف مدارس	سنہ ۱۳۳۵ف طلبہ	سنہ ۱۳۳۶ف مدارس	سنہ ۱۳۳۶ف طلبہ	کمی بیشی مدارس	کمی بیشی طلبہ
کالج	۵	۱۰۴۰	۷	۱۱۴۳	۲	۱۱۳
فوقانیہ انگریزی	۲۳	۷۹۵۱	۲۳	۸۰۵۶	۰	۱۰۵
" عثمانیہ	۱۷	۷۰۷۸	۲۰	۸۰۴۸	۳	۹۷۰
وسطانیہ	۱۰۷	۲۵۱۹۱	۱۰۸	۲۵۸۰۲	۱	۶۱۱
تحتانیہ	۳۸۹۵	۲۱۳۲۸۲	۳۹۷۹	۲۲۴۹۸۳	۸۴	۱۱۷۰۱
مدارس ...	۵۱	۳۷۰۶۶	۴۹	۳۸۲۵	۲	۵۹
میزان	۴۰۹۸	۲۵۸۲۹۸	۴۱۸۶	۲۷۱۸۵۷	۸۸	۱۳۵۵۹

تختۂ بالا سے واضح ہوگا کہ

(۱) کالج کی تعداد میں (۲) دران کے طلبہ کی تعداد میں (۱۱۳) کا اضافہ ہوا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ مدرسہ فوقانیہ ورنگل کو انٹرمیڈیٹ کالج کے درجہ پر ترقی دیگئی اور جامعہ عثمانیہ سے عثمانیہ ٹریننگ اسکول کا الحاق بحیثیت کلیہ طبیہ عمل میں آیا۔

(۲) ان مدارس فوقانیہ کی تعداد جن کا ذریعہ تعلیم انگریزی ہے۔ حسب سابق گزشتہ رہی لیکن ان کے طلبہ کی تعداد میں ۱۰۵ کا اضافہ ہوا ہے۔

(۳) مدارس فوقانیہ عثمانیہ کی تعداد میں (۳) مدارس اور (۹۷۰) طلبہ کے اضافہ کی وجہ یہ ہے کہ علاقہ شاہی میں مدارس وسطانیہ کو فوقانیہ کے درجہ پر ترقی دی گئی۔

(۴) ایک مدرسہ وسطانیہ اور ۶۱۱ طلبہ کے اضافہ کی وجہ یہ ہے کہ ایک طرف تین مدارس وسطانیہ کو فوقانیہ کے درجہ پر اور دوسری طرف ۴ مدارس تحتانیہ کو وسطانیہ کے درجہ پر ترقی دی گئی۔

(۵) مدارس تحتانیہ کے تحت ۸۴ مدارس اور ۱۷۰۱ طلبہ کی بیشی ہوئی اس کی وجہ ہے کہ مدارس لوکلفنڈ کا افتتاح کیا گیا۔ مدارس آزمائشی و غیرامدادی کو امداد دی گئی اور مدارس خانگی کو بحیثیت مدارس غیرامدادی تسلیم کیا گیا۔

(۶) مدارس خاص کے تحت ۲ مدارس کی کمی اور ۵۹ طلبہ کا اضافہ ظاہر کیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ تین مذہبی امدادی مدارس کو ان کے منتظمین نے اس وجہ سے مسدود کر دیا کہ مدارس کے قیام کے مصارف برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ اور ویلین مشن ہائی اسکول واقع سیدک کو تسلیم اور بحیثیت مدرسہ خاص غیرامدادی مدارس خاص میں داخل کر دیا گیا۔

تقسیم طلبہ بلحاظ مدارج تعلیم

ذیل کے تختہ میں طلبہ اور طالبات کی تعداد بلحاظ مدارج تعلیم بابتہ ۱۳۳۵ف و ۱۳۳۶ف

*

درج ہے۔

مدارج	سنہ ۱۳۳۵ف ذکور	سنہ ۱۳۳۵ف اناث	سنہ ۱۳۳۶ف ذکور	سنہ ۱۳۳۶ف اناث	کمی بیشی ذکور	کمی بیشی اناث
کالج	۱۰۱	۱۳	۱۱۳۲	۱۱	۱۱۵	۲
فوقانیہ	۲۵۰۷	۱۳۱	۲۵۷۰	۱۴۱	۶۳	۱۰
وسطانیہ	۱۱۱۰۳	۵۰۱	۱۱۷۹۵	۴۵۷	۶۹۲	۴۴
تحتانیہ	۲۰۳۵۵۶	۳۵۷۰۴	۲۱۳۳۶۴	۳۸۵۶۲	۹۸۰۸	۳۸۵۸
تعلیم خاص	۳۲۰۴	۵۶۲	۳۰۸۵	۷۴۰	۱۱۹	۱۷۸
میزان	۲۲۱۳۸۷	۳۶۹۱۱	۲۳۱۹۴۶	۳۹۹۱۱	۱۰۵۵۹	۳۰۰۰

طلبائے مدارس سرکاری کا مذہب

تعداد طلبائے سرکاری بمذہب وذات کی تفصیل بابتہ سنہ ۱۳۳۵ف وسنہ ۱۳۳۶ف

کا مقابلہ

سنہ	مسلمان	ہندو		عیسائی	پارسی	نیچ ذات	کیفیت
		برہمن	غیر برہمن				
۱۳۳۵ف	۸۹۶۶۹	۱۱۹۶۳۴	۱۳۸۳۲۷ / ۲۰۰۴۹	۳۹۹۶	۲۶۴	۴۴۰۴	

۱۳۳۶ف	۹۳۲۸۰۷	۱۵۵	۱۴۶۸۴۳ ۲۱۷۰	۲۲۹۵	۲۱	۵۰۶۸
کمی بیشی	۳۶۱۸	۳۲۱	۸۶۸۲	۲۹۰	۲۵	۶۶۴

پست قوموں کے طلبہ کی تعداد میں (۶۶۴) طلبہ کا اضافہ نہایت مسرت افزا ہے۔

مصارفِ تعلیمی

جملہ تعلیمی مصارف (۱۰۰۰۰۰ روپے) پیسے سے بڑھ کر (۱۰۰۰۰۰ روپے) روپے ہو گئے یعنی (۱۰۰۰۰ روپے) روپے کی بیشی ہوئی مجموعی مصارف کے منجملہ (۱۰۰۰۰ روپے) روپے براہ تعلیم پر اور (۱۰۰۰۰ روپے) روپے بالواسطہ خرچ ہوئے۔ مصارف بلاواسطہ کا فیصد ۷۵ اور بالواسطہ مصارف کا ۲۵ نکلتا ہے اور ۱۳۳۵ف میں یہ فیصد بالترتیب ۷۵ اور ۲۵ تھا۔

تفریق وار مصارف سے اخراجات تعلیمی فی طالب علم بابتہ ۱۳۳۵ف و ۱۳۳۶ف واضح ہونگے۔

درجہ	۱۳۳۵ف		۱۳۳۶ف		کمی بیشی		فیصد	
	روپیہ	آنہ پائی	روپیہ	آنہ پائی	روپیہ	آنہ پائی		پائی
کالج	۱۰۰۰	۸ ۴	۱۰۰۰	۲ ۲	۱۰۰۰	۲ ۲	۴۵	۸
فوقانیہ	۱۰۰۰	۹ ۰	۱۰۰۰	۳ ۸	۱۰۰۰	۶ ۸	۱۰۰	۷
وسطانیہ	۱۰۰۰	۵ ۰	۱۰۰۰	۷ ۵	۱۰۰۰	۳ ۰	۱۰۰	
تحتانیہ	۱۰۰۰	۶ ۲	۱۰۰۰	۱۱ ۶	۱۰۰۰	۵ ۴	۱۳	

کارگزار عہدہ دار (قبل از اس کے کہ اس رپورٹ کو ختم کروں میں محمد حسین صاحب ناظم انتظامیات کا شکریہ ادا
ہوں۔ دورانِ سال بہت سا جو زائد کام ان کے سپرد کیا گیا تھا۔ اس کو انھوں
خندہ پیشانی سے انجام دیا۔ انھوں نے بہت سے بیش قیمت مشورے دیئے۔ جو میرے
متعلق ان کے وسیع تجربہ پر مبنی تھے اور جن سے صحیح فیصلہ پر پہنچنے میں مجھے بہت بڑی مدد ملی
میں ان کی اس امداد اعانت کا شکریہ کے ساتھ اعتراف کرتا ہوں۔

ان بہت سی خدمات کی جانب بھی جو مولوی سید محی الدین صاحب اول مددگار ناظم
تعلیمات انجام دے چلے آرہے ہیں میں سرکار عالی کی توجہ منعطف کرانا چاہتا ہوں۔ دوران سال
میں جس زمانہ میں ناظم صاحب اور صدر مہتمم صاحب تعلیمات بلدہ بغرض نمایندگی انگلستان
گئے موجود تھے اس زمانہ میں ان کے غیاب میں مردد عہدوں کے فرائض مولوی سید محی الدین
صاحب کے سپرد کئے گئے تھے جن کو انھوں نے بہت قابل تعریف طریقہ پر انجام دیا۔ ان
کی ذاتی قابلیت مفوضہ کام میں ان کا بدل وجان انہماک اور ان تمام افراد کے ساتھ
وفاشعاری جن کے ماتحت وہ کام کرتے ہیں۔ یہ تمام اوصاف ان کے ایک نہایت قابل
عہدہ دار ہونے پر دال ہیں وہ ایسے سرکاری عہدہ دار ہیں جن میں نادر
انتظامی قابلیت موجود ہے اور جن پر ہمیشہ یہ بھروسہ کیا جاسکتا ہے
تفویض کیا جائے اس کو وہ بہت قابلیت اور خاص حکمت و ذ
مسٹر رنگ راؤ سات سال سے اب تک بحیثیت دو تعلیمات کام
کرتے ہیں ان کا وجود بھی صدر دفتر کے لئے بہت بڑی تقویت کا سبب ہے
میں ان کا بھی بہت شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انھوں نے مجھے ہمیشہ بیش بہا مدد
جوان کا وسیع تجربہ۔ قابلیت اور راست بازی سیرت رکھتا ہو۔ ہر ایسے سررشتہ کے لئے جس میں
خوش قسمتی سے وہ کارگزار ہو ایک گرانمایہ وجود ہے۔ مجھے ذاتی طور پر اس تمام عرصہ میں

صدر

کام لیتے رہنے میں بہت

سرت

ہی رہی

صدر مہتمم صاحبان مدارس دینیہ صوبۂ گلبرگہ نے تعلیم عام سے متعلق جو قابل تعریف خدمات انجام دی ہیں ان کی جانب میں سرکار عالی کی توجہ خاص مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ ان کی کارگزاری قابل لحاظ و لائق ذکر ہے۔ چنانچہ چوتھی دفعہ سال زیر ذکر میں ان کے حدود اراضی کے مدارس و طلبہ ہر دو کی تعداد میں بہ سے زیادہ قابل اطمینان بیشی وقوع میں آئی۔ یعنے (۳۳) مدارس (۴۶۵۹) طلبہ کا اضافہ ہوا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف ایک پُرجوش و سرگرم عہدہ دار ہیں بلکہ تعلیمی اغراض کے لئے صوبہ وسیع رقبہ کی خاطر خواہ تنظیم عمل میں لانے کے طریقوں سے بھی واقف ہیں۔ یہ آئندہ ایک نام آور عہدہ دار ہوں گے اور میں اس یقین واثق کے ساتھ عہدہ سے جدا ہوتا ہوں کہ میری یہ پیش گوئی صحیح ثابت ہوگی۔

میں مولوی سید ذوالفقار علی صاحب حقانی صدر مہتمم تعلیمات صوبۂ ورنگل کی کارگزاری سے متعلق بھی اپنی پسندیدگی کا اظہار کرنا چاہتا ہوں۔ سال زیر ذکر میں ان کے حدود اراضی (۴۱۰۱) طلبہ اور (۴۱) مدارس کا بہت ہی قابل اطمینان اضافہ ہوا ۱۳۴۳ف ان کے تفویض کیا گیا ہے طلبہ اور مدارس ہر دو کی تعداد میں جلد اس موقع پر ان کو مبارک دیتا ہوں۔ نہ صرف ان خدمات پر جو انھوں نے اس ... دی ہیں بلکہ اس اہم کام پر بھی جسے وہ صوبۂ مفوضہ کے مدارس تحتانیہ کی ... جدید کے سلسلہ میں کر رہے ہیں۔

مولوی عبدالعزیز خاں صاحب صدر مہتمم تعلیمات صوبۂ میدک بھی جو سررشتہ کے سب سے زیادہ ... عہدہ دار ہیں مبارکباد کے مستحق ہیں اس لئے کہ سال زیر ذکر میں ان کے صوبہ میں (۱۹۲۱) طلبہ کا اضافہ ہوا ہے۔ یہ نہایت مفید کام کر رہے ہیں اور اس قت

پنے صوبہ کے مدارس [illegible] کی تنظیم جدید میں اس غرض
ں ان مدارس کی قابلیت [illegible] اضافہ ہو جائے۔

مولوی عبدالرشید صاحب [illegible] ضلع ورنگل۔ مولوی [illegible] الدین صاحب
ہتمم گلبرگہ۔ مولوی شمس الدین احمد صاحب ہتمم تعلیمات [illegible] اور حمد رضا صاحب واسطی ہتمم
ملع رائچور کی کارگزاری اس قابل ہے کہ اس کی جانب سرکار عالی کی توجہ مبذول کرائی جائے
ذکر میں ان کے اضلاع [illegible] میں علی الترتیب ۱۰۴-۲۱-۱۸۳۲-۱۳۲۵- اور ۱۰۴۸-
دی ہے [illegible] مجھے یقین ہے کہ جو کوئی کام بھی ان [illegible] تفویض کیا جائے اس کو وہ
[illegible] قابلیت کے ساتھ انجام دیں گے۔

میر [illegible] اعظم۔ برنٹ [illegible] پکیتھال۔ ظہور علی اور عبدالحق کو جو علی الترتیب مدارس فوقانیہ
بلدہ۔ عالیہ۔ [illegible] رگھناتھ۔ ورنگل اور اورنگ آباد کے پرنسپل [illegible] ان بہترین نتائج پر جو مدارس
مذکور نے [illegible] ہائی اسکول لیونگ سرٹیفکیٹ سے متعلق برآمد ہوئے ہیں مبارک باد دیتا ہوں
[illegible] فوقانیہ انگریزی گلبرگہ اور زنانہ ہائی سکول ناپیلی کے نتائج بھی بہترین (یعنی ۸۵۷۔
[illegible] رہے ہیں جن کے لئے مسٹر کے بال سرمنیم صدر مدرس اور مس آمنہ پوپ صدر معلمہ
تحق تعریف ہیں۔

مسٹر اعظم نے ممالک محروسہ سرکار عالی کے سب سے بڑے مدرسہ فوقانیہ
حیثیت سے جو کامیابی حاصل کی ہے اس کا تذکرہ طویل اور قابل رشک
ہیں جن کی قابلیت اور سرگرمی نہ صرف طلبہ بلکہ ان کے اساتذہ میں اپنے مفوضہ
طور سے انجام دینے کی روح پھونکدیں گی۔

مسٹر اعظم اور پکیتھال سے جو سررشتہ کے دو بڑے مدارس کے پرنسپل ہیں سرکار
اطمینان کے ساتھ یہ توقع رکھ سکتی ہے۔ کہ وہ ہمیشہ بوجہ احسن کام انجام
مسٹر پکیتھال سررشتہ ہذا کے لئے عزیز الوجود ثابت ہوئے ہیں نہ صرف [illegible]

ہ دور ثبیت رکھتے ہیں۔ اور ایک کو ب صدر مدرس ہیں بلا
اس سے بھی ا ہ پیرہ سیرت ہمیشہ الر تمام ا کی ترقی کا سبب ثابت
ہو گی جن کو ترش جیسی سے ان سے ملنے ر اتفاق ہو گا۔

امتحان میٹریکولیشن جامعہ یہ سے متعلق مدرسہ فوقانیہ عثمانیہ دارالعلوم بلدہ اور مدرسہ
فوقانیہ بلدہ نے جو نتائج پیش کئے ہیں وہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ میں اس موقع پر اس
کو ضبط تحریر میں لانا چاہتا ہوں کہ مولوی احمد حسین خان صاحب پرنسپل مدرسہ فوقانیہ
نے محض اپنی ذاتی محنت اور دیانت داری سے مفوضہ کی تعلیمی اور اس
نیک شہرت میں جو ترقی دی ہے اس کی میں بہت قدر کرتا ہوں۔ میں ان کی قابلیت کو
بہترین رائے رکھتا اور ان کو سررشتہ کے بہترین عہدہ دار میں سمجھتا ہوں۔

ایک اور عہدہ دار سید علی اکبر صاحب صدر مہتمم تعلیمات مظفر بلدہ ہیں۔ انہوں
نے سررشتہ میں جو بہترین خدمت انجام دی ہیں ان کا سرکار عالی پر اظہار کرنا میرا خوشگوار فرض
ہے۔ جب سے کہ میں نے وہ صوبہ جو بہت سی حیثیتوں سے نہایت محنت طلب صوبہ ہے ان
کے تفویض کیا ہے اس وقت سے اب تک وہ جس طرح میرا ہاتھ بٹاتے رہے ہیں میں ان کا
کا اعتراف کرنے سے قاصر ہوں۔ یہ نہ صرف اعلیٰ انتظامی قابلیت کے عہدہ دار ہیں بلکہ ان
وفاشعار کارکنوں میں سے ہیں جو سررشتہ متعلقہ کی نیک نامی کا باعث ہوئے
سید علی اکبر صاحب نے اپنے صوبہ کے مدارس کی قابلیت علمی کی ترقی کیلئے
اپنا وقف کر دیا تھا وہ ابھی سے بار آور ہو رہی ہے۔ یہ اقدام ایک نہ بنا چھوٹے رقبہ
ان کی شدید تباہ کاریوں کے باوجود (۵۷۱) طلباء کا اضافہ ہوا ہے۔ ان کی اعلیٰ
انتظامی قابلیت کا بین اور ناقابل تردید ثبوت ہے۔ سررشتہ کے فائدہ کے پیش نظر میں یہ نہ
مزید تین سال کے لئے صوبہ بلدہ ان ہی کے تفویض رکھا جائے۔ تاکہ
کام اچھو نے دیانت داری سے شروع کیا ہے اس کو وہ ختم کر سکیں۔

"تعلیم جسمانی" [illegible] سید محمد [illegible] ڈائرکٹر تعلیم جسمانی [illegible] موضوع [illegible]
[illegible] کار [illegible] سفارش کرتا ہوں [illegible] لئے اس سے زیادہ [illegible] لگائی کردی جائے
[illegible] اب تک منظور کی جاچکی ہے۔ مسٹر ہاڈی کا پرجوش و مستعد [illegible] ہیں [illegible] کے شعبہ سے متعلق
[illegible] کی شہرت و تجربہ کی موجودگی میں کوئی وجہ نہیں ہے کہ تعلیم جسمانی کے قابلانہ انتظام و موثر
[illegible] ۱۹۱۰ء میں ممالک محروسہ ہندوستان کے دوسرے ترقی یافتہ حصص کی برابری

[illegible] رے تاریخ جاری سے اب تک مسز اینگلر صدر مہتمم مدارس نسواں نے "تعلیم نسواں"
[illegible] کے متعلق اعلیٰ درجہ کا کام انجام دیا ہے۔ ہمارے ملک میں جہاں پردہ کی سخت پابندی اور
[illegible] متضاد مذہبی و سماجی رسوم کا لحاظ پورے طور پر رکھنا پڑتا ہے اکثر اوقات بہت ہی پیچیدہ
مسائل سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ مسز اینگلر نے ان تمام مشکلات کا جو پیش آئیں ہمیشہ دلیری
سے مقابلہ کیا ہے۔ میں اس امر کو نہایت مسرت کے ساتھ ضبط تحریر میں لانا چاہتا ہوں کہ انھوں
نے جس وفادارانہ طریقہ پر اپنے دیانت دارانہ کام سے سررشتہ کی مدد کی ہے میں اس کی
قدر کرتا ہوں۔

اخیر میں مسٹر بیچ ڈبلیو شاکر اس کا بیحد شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انھوں
پرنسپل جاگیردار کالج اپنی بہترین کارگزاری سے ہمیشہ میری
سررشتہ کے لئے بمنزلہ قوت و طاقت کے برج کے رہے اور جب کبھی [illegible] کام
[illegible] تفویض کیا انھوں نے اسے خوشی سے برداشت کیا۔ یہ ان کی
شکر گزاری کا نتیجہ ہے کہ بیشمار مشکلات کے باوجود آج وثوق کے ساتھ جاگیردار
کے متعلق یہ دعوے کیا جاسکتا ہے کہ ہندوستان میں اس نوع
ہیں ان سب سے بلحاظ انتظام یہ درسگاہ اچھی ہے۔ میری طرح [illegible]
[illegible] اخیر ختم سال سے پہلے وظیفہ پر علیحدہ ہوں گے۔ میں ان کی [illegible]

دسترخوان کی دعا ۔ اور اس دعا میں ان تمام [illegible] کے احساسات و جذبات کی نمائندگی کر رہا ہوں جنھیں [illegible] بنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔

جلسۂ الوداعی نواب مسعود جنگ بہادر: اہم تعلیمات

کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ تاریخ واقعات کا دور ہے۔ لیکن بعض واقعات ایسے ہوتے ہیں کہ جن کا دوبارہ آنا ناممکن نہیں تو یقیناً بڑی مدت کے بعد ضرور ہوتا ہے۔ ہمارے ملک کے سررشتۂ تعلیمات ہی کو لیجئے۔ بہت سے عہدہ دار آئے۔ اپنے حتی المقدور ملک کی خدمت کی اور چلے گئے۔ ان کے جاتے وقت جلسے ہوئے۔ اڈریس دیے گئے۔ کاسکٹ پیش ہوئے اور آگے (آئی) آیت۔ ان کی یاد بعض دلوں میں کچھ دنوں تک رہی اور مٹ گئی۔ دیکھا جائے تو نواب مسعود جنگ بہادر کا دور کچھ بڑا دور نہیں ہے ہندوستان جیسے ملک میں تعلیم پھیلانے کے لئے دس بارہ برس کے زمانہ کو دور ہی نہیں کہا جا سکتا ہاں یہ ان ہی کا دم تھا کہ اس تھوڑی سی مدت کو انھوں نے دور ہی نہیں بلکہ ایک اہم دور بنا دیا۔ سرسید مرحوم نے چند جلسے کر کے علیگڈھ کالج کی بنیاد ڈالی تھی تو مسعود جنگ نے [illegible] تھوڑے عرصہ میں کئی کالج کھڑے کر دیئے۔ دادا نے مسلمانوں کو خواب [illegible] بیدار کر کے تعلیم کا شوق دلایا تھا تو پوتے نے تمام ممالک محروسہ سرکار عالی ان کا [illegible] بہا دیا۔ دادا نے جو سبق پڑھایا تھا وہ پوتے نے دہرایا اور خوب دہرایا اور گورنمنٹ مشیر بنے تو اپنے ماتحتوں کے معاون ایک طرف سرکار کو اطمینان دلایا [illegible] طرف رعایا میں اعتبار پیدا کیا۔ نتیجہ دیکھنا ہے تو ان کے زمانہ کی رپورٹیں اخبار کہ پہلے کیا تھا اور اب کیا ہو گیا اور یہ سب اس لئے ہوا کہ انھوں نے صرف [illegible] غرض نہیں رکھی۔ کام سے غرض رکھی وہ نواب مسعود جنگ بہادر بن کر [illegible] مسعود بن کر رہے۔ ان کے ماتحتوں نے اسکیموں کو کامیاب بنانے میں ناظم [illegible] کی مدد

یا کی۔ راس مسعود کی مدد کی۔ جناب بیرسٹر مت ان کے زمانہ کارگزاری ہی ہے اس کی
جھلک ان کے رخصت کے جلسہ میں بھی موجود خلقت کے ہجوم سے ان کی
ہر دلعزیزی چہروں کی پژمردگی سے ان کے مشاغل اور جلسہ کی سادگی سے ان کی طبیعت
کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ یہ ان ہی کا اثر ہے کہ منتظمین جلسہ نے ان کی خدمات کا اعتراف
کرتے وقت تعلیم کے خیال اور ایثار کے پہلو کو نہ چھوڑا۔ مرحوم کی جب کوئی دعوت
کرتا تھا۔ تو وہ ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ "بھئی ہم کو روکھی سوکھی کھلا دو۔ جو بچے وہ نقد دیدو بچے
کے کام آئے گا"

جلسہ کے لئے جو کچھ جمع ہوا تھا اس میں سے بہت تھوڑا خرچ کیا گیا۔ باقی سب
سررشتہ تعلیمات کے اراکین کی اولاد کے وظائف کے لئے محفوظ کر دیا گیا۔

دعوت کے لحاظ سے دیکھو تو ۲۰ شہریور ۱۳۳۷ف کا حیدرآباد کے ٹاؤن ہال میں
جلسہ روکھا پھیکا رہا۔ ہاں جوش و محبت کے لحاظ سے دیکھو تو ایسے جلسے بہت کم دیکھنے
میں آتے ہیں۔ جلسہ کی کارروائی ۴½ بجے شام سے شروع ہونے والی تھی لیکن امراء
عہدیدار۔ جاگیردار۔ خوش باش چاہے وہ ہندو ہوں یا مسلمان۔ انگریز ہوں یا پارسی
یا ہوں یا یہودی وقت سے بہت پہلے ہی آن پہنچے تھے۔ عالیجناب مہاراجہ
شار یمین السلطنۃ بہادر صدر جلسہ بھی ازراہ کرم ٹھیک وقت پر رونق افروز ہوگئے
ارت پر جلوہ افروز ہوتے ہی مسٹر شاکر اس پرنسپل جاگیردار کالج سفر انتظامی
پی سپاسنامہ پڑھنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ اس کے بعد مولوی
ین صاحب جعفری نائب ناظم تعلیمات نے اس سپاسنامہ کو بزبانِ اردو

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سپاس نامہ وداعی

منجانب عہدہ داران و اراکین سررشتہ تعلیمات ممالک محروسہ سرکار عالی

بخدمت جناب نواب مسعود جنگ بہادر بالقاب ناظم تعلیمات سرکار عالی

جناب والا!

ہم وابستگان سررشتہ تعلیمات ممالک محروسہ سرکار عالی آج نہایت حزن و ملال کے ساتھ جناب کو الوداع کہنے حاضر ہوئے ہیں اس موقع مفارقت پر جبکہ آپ کی ہمدردی اور احسانات جو آپ نے اپنے ماتحتوں پر ہمیشہ کئے ہیں یاد آتے ہیں تو ہماری زبان و قلم دونوں کی قوت اظہار الم کے لئے سلب ہو جاتی ہے ہم سرکاری کاموں میں جب کبھی مشکلات پیش آئیں یا پیچیدہ مسائل پیدا ہوئے اور ان کے حل کرنے میں جس توجہ اور کریمانہ اخلاق کے ساتھ آپ نے ہماری مدد فرمائی وہ ہم بھی کبھی نہ بھولیں گے

جناب والا! اس وقت جس امر کا اظہار ہمارے لئے سب سے زیادہ باعث فخر و مسرت ہو سکتا ہے وہ یہ ہے کہ جن امیدوں کے ساتھ حضرت اقدس و اعلیٰ خلد اللہ ملکہ نے نظامت تعلیمات پر آپ کا انتخاب فرمایا تھا اس دوازدہ سالہ مدت میں ان امیدوں سے کہیں بڑھکر آپ کا حسن عمل ثابت ہوا

۱۳۲۵ف میں جب جناب [illegible] پر فائز ہوئے تو اس وقت اس ملک میں صرف دو کالج تھے اور اب [illegible] ہیں (۲۲) مدارس فوقانیہ تھے اور اب (۴۳) ہیں۔ مدارس وسطانیہ (۸۷) تھے اور اب (۱۰۸) ہیں۔ مدارس تحتانیہ کی تعداد (۱۱۲۳) تھی اور اب (۱۰۰۳) ہے۔ مدارس خاص کی تعداد (۲۰) کے بجائے (۴۹) ہوگئی ہے۔ الغرض جملہ مدارس کی تعداد (۱۲۵۴) سے بڑھکر اب (۱۱۸۶) ہوگئی ہے اور تعداد طلبہ (۹۳۲۸۹) سے بڑھکر (۲،۱۸۵) پر پہنچی ہے۔ اور سررشتہ تعلیمات کا موازنہ سترہ لاکھ سے زائد ساٹھ لاکھ ہوگیا ہے۔

جناب والا! آپ کے مبارک وفیض بار عہد میں صرف لڑکوں ہی کی تعلیم پر سعی وتوجہ موقوف نہیں رہی بلکہ متعدد زنانہ مدارس کا فروغ وترقی پذیری، ایک کلیہ نسوان کا افتتاح اور تعلیم نسوان کی جامع تجاویز عملی اس بات کی شاہد عادل ہیں کہ آپ کو مدارس نسوان کی ترقی وبہتری کا کس درجہ فکر وخیال رہا ہے۔

اسی طرح اساتذہ کو فن معلمی میں اعلیٰ تعلیم وتربیت دینے۔ تجارتی تعلیم کی ابتدا کرنے اسکاؤٹنگ اور جسمانی تربیت کی ترقی کے لئے بہتر سے بہتر جدید انتظامات بھی آپ ہی کے عہد انتظام کی یادگار رہیں گے۔

جو امور اوپر بیان ہوئے ہیں وہ محض اعداد وشمار ہیں۔ یہ جناب والا کے اُن اخلاقی اثرات کے مظہر نہیں ہیں جو واقعی علمی ترقی کی بنیاد اور جناب والا کے ماتحتوں کے حق میں ہمت افزائی اور اطمینان قلب کا باعث رہے ہیں۔ جناب کی برمحل امداد سے جیسے کچھ ہمارے حوصلے بڑھے جناب کی خوش اخلاقی، عالی ظرفی، رواداری، ہمدردی، اور حق پروری نے جو گہرا نقش ہمارے دلوں پر چھوڑا ہے وہ کبھی نہیں مٹ سکتا۔ جناب والا نے ہر علمی اور ادبی کام میں خواہ اس کا تعلق سررشتہ تعلیمات سے تھا یا نہ تھا ہمیشہ نہایت کشادہ دلی اور خلوص کے ساتھ معاونت کی۔ چنانچہ جامعہ عثمانیہ، دارالترجمہ،

دائرۃ المعارف، انجمن ترقی اُردو اور دیگر ادارے [illegible] کے گراں بہا مدد کے ہمیشہ ممنون منت

ہم خلوص اور صدقِ دل سے عرض کرتے ہیں کہ جناب کے وسیع اخلاق نے عام طور پر تمام ملازمین سررشتہ وطلبہ کے اخلاق پر نہایت خوشگوار اثر ڈالا اور جناب کی اعلیٰ شخصیت، وسیع معلومات اور تدبر نے سررشتہ کے رتبہ و توقیر کو بڑھا کر تعلیم کے ہر شعبے میں ایک نئی رُوح پھونک دی۔

یہ بارہ سال کی مدت جس میں سررشتہ تعلیمات کا نظم ونسق جناب کے سپرد رہا ایک ایسا زمانہ تھا جسے ہم بجا طور پر عہد "امن و فروغ" کے نام سے موسوم کر سکتے ہیں اور ہم اپنے آپ کو نہایت خوش نصیب خیال کرتے ہیں کہ ہمیں ایک ایسے عالی خیال عالی ظرف اور ہمدرد افسر کے ماتحت کام کرنے کا موقع ملا۔ ہماری دلی آرزو تھی کہ جناب کچھ مدت اور رہتے اور جن کاموں کا جناب نے آغاز کیا تھا انہیں اپنے روبرو تکمیل کو پہنچاتے لیکن ہماری کم بختی سے ایسا نہیں ہوا۔ اس لئے ہمیں سوائے اس کے چارہ نہ رہا کہ قلب محزوں کے ساتھ آپ کو خیرباد کہیں۔ اور آپ کے کارہائے نمایاں اور اپنی احسان مندی اور دلی سپاس گزاری کے محض ایک جزوِ قلیل کو اس ثروِ لیدہ بیانی کی صورت میں آپ کے روبرو عرض کریں۔

جناب والا! جس طرح درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے اسی طرح آدمی کی قدر و منزلت کا اندازہ اس کے عمل سے ہوتا ہے۔ اب اگر یہ تمثیل بجا ہے تو ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ جس طرح آپ کے نامور جدِ بزرگ سرسید احمد خاں (رحمۃ اللہ علیہ) کا اسمِ گرامی اپنی عظیم الشان تعلیمی اور قومی خدمات کی بدولت ابداً زندہ و تابندہ رہیگا اسی طرح آپ کا نام نامی ممالک محروسہ سرکارِ عالی میں ہمیشہ تکریم و محبت کے ساتھ یاد رکھا جائے گا۔

آخر میں ہم درگاہ رب العزت میں دعا کرتے ہیں کہ آپ جہاں رہیں شاد و آباد رہیں۔ آپ کی دلی آرزوئیں بر آئیں اور فرصت و آزادی کے زمانہ میں آپ اپنے ملک کی ارفع و اعلیٰ خدمات انجام دے سکیں کہ زندگی کا اس سے زیادہ مبارک و مسعود مقصد دوسرا نہیں ہو سکتا۔

جناب والا آپ کے نہایت احسان مند و عقیدت آگیں خدا

حیدرآباد دکن
۸ صفر المظفر ۱۳۴۷ھ م ۲ شہریور ۱۳۰۷ش
م ۲۶ جولائی ۱۹۲۸ء یوم پنجشنبہ

ہم ہیں

عہدہ داران و اراکین سررشتۂ تعلیمات

دولت آصفیہ حیدرآباد۔ (اصانہا اللہ تعالیٰ عن الزوال والفنا)

سپاسنامہ کے اختتام پر مس آمنہ پوپ صاحبہ نے چاندی سونے کا کاسکٹ جس کو انہوں نے خاص طور پر دلچسپی لیکر تیار کرایا تھا اراکین سررشتہ تعلیمات کی طرف سے عالیجناب سر مہاراجہ یمین السلطنت بہادر کو دیا تاکہ نواب مسعود جنگ بہادر کے حوالہ کیا جائے۔ چنانچہ مہاراجہ ممدوح الشان نے نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ اس کو نواب صاحب کے سپرد فرمایا اور یہ تقریر فرمائی۔

معزز خواتین و حاضرین۔

سپاسنامہ میں جو کچھ کہ بیان کیا گیا ہے اس کی تصدیق کرتا ہوں کہ حرف بحرف صحیح ہے۔ واقعی یہ امر ہم سب کے لئے ایک سبب رنج ہے کہ مسعود جنگ بہادر نے یہاں سے جانے کی ٹھان لی۔ یقیناً وہ ہم کو چھوڑ کر نہ جاتے اگر اُن کی خانگی ضرورتیں اُن کو مجبور نہ کرتیں۔ مجھ کو یقین ہے اگر وہ حیدرآباد میں اور رہتے تو اُن کے مفید خدمات کے لحاظ سے ملازمت کے بلند تر زینوں پر وہ ترقی کرتے۔

ہر طبقہ میں مسعود جنگ بہادر کی یکساں ہر دلعزیزی جس کا یہ مجمع بھی اپنی زبان حال سے ایک شاہد ہے لائق مبارک باد ہے۔ گزشتہ دو مہینوں سے مسعود جنگ بہادر کے دشمنوں نے اُن کو خدا حافظ کہنے میں جو مسلسل اہتمام کئے ہیں وہ اپنی آپ نظیر ہیں۔

میرے لئے یہ اطلاع بھی باعث مسرت ہے کہ عہدہ داران سررشتہ تعلیمات نے بکمال طیب خاطر، خاطر خواہ چندہ جمع کر کے مسعود جنگ بہادر کے خدمات وعنایات کی یادگار میں مستحق ملازمین سررشتہ کی اولاد کو وظائف تعلیمی دینے کا بھی مستقل انتظام کیا ہے۔

اعلیحضرت قدر قدرت کے فرمان مرحمت نشان کی تعمیل میں گورنمنٹ کی جانب سے میں مسعود جنگ بہادر کے پسندیدہ خدمات کی نسبت اظہار خوشنودی کرتا ہوں۔

میری دلی خواہش ہے کہ مسعود جنگ بہادر جہاں کہیں رہیں شاد کام رہیں"۔

ممدوح الشان نے اپنی تقریر ختم ہی فرمائی تھی کہ مسٹر شاکراس آگے بڑھے اور ممدوح الشان اور نواب ولی الدولہ بہادر وزیر تعلیمات کو پھولوں کے ہار پہنا کر عالیجناب سر مہاراجہ یمین السلطنت بہادر سے درخواست کی کہ نواب مسعود جنگ بہادر کو عہدہ داران سررشتہ کی جانب سے پھولوں کے خوشنما ہار پہنائیں۔ ممدوح الشان نے نہایت خوشی کے ساتھ اس کو قبول فرمایا اور نواب صاحب کو اتنے ہار پہنائے کہ چہرہ چھپ گیا اور وزن سے نواب صاحب کو کھڑا رہنا بار ہو گیا۔ اس کے بعد ممدوح الشان نے اپنے گلے کا ہار نکال نواب صاحب کو پہنا کر اپنی محبت کا اظہار فرمایا۔ نواب ولی الدولہ بہادر نے بھی یہی کیا اور اپنا ہار نواب صاحب کے گلے میں ڈال دیا۔ اب نواب مسعود جنگ بہادر نے جو جذبات سے بھرے ہوئے تھے یہ فرمایا:۔

یور اکسلنسی مہاراجہ بہادر۔ نواب ولی الدولہ بہادر۔ معزز خواتین اور حضرات!

انسان کی زندگی میں کبھی ایسا بھی وقت آتا ہے جبکہ اُس کو اپنے خیالات

ظاہر کرنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ میری زندگی میں وہ وقت یہی ہے۔

آپ نے ازراہ کرم مجھ میری تعریف فرمائی ہے اُس کا میں اپنے آپ کو مستحق نہیں پاتا ہوں۔ گذشتہ بارہ برس میں سررشتۂ تعلیمات نے جو کچھ ترقی کی ہے، وہ اراکین کی کارگزاری کا نتیجہ ہے جس میں میرا حصہ بہت ہی کم ہے۔ آپ نے جو خوبصورت کا کمپلیمنٹ بے عنایت فرمایا ہے اُس کو میں آپ کی محبت کی یادگار سمجھتا ہوں، اور آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ وہ ہمیشہ میرے پاس حفاظت سے رہیگا۔

حضرات! اس موقع پر اگر میں چند باتیں بطور نصیحت کے کہوں تو بیجا نہ ہوگا میں نے محسوس کیا ہے، اور محسوس کرتا ہوں، اور محسوس کرتا رہوں گا کہ ہمارے ملک کے ارتقاء میں آنے والی نسل کے لئے تعلیم سے زیادہ کوئی چیز اہم نہیں ہے، اور ہم تعلیم ہی کے ذریعہ سے ایک ایسی نسل تیار کر سکتے ہیں، جو ہمارے وطن کو دنیا کے ممالک میں اعلیٰ رتبہ پر پہنچا دے۔

یہ یاد رکھئے کہ ممالک محروسہ سرکار عالی میں بجز محکمۂ تعلیمات کے، جس کے رکن ہونے کی آپ کو عزت حاصل ہے، کوئی محکمہ بھی اس قدر اہم، اور مفید کام نہیں کر رہا ہے۔

صداقت اور وفاشعاری کسی محکمہ میں ایسی ضروری نہیں ہے، جس قدر کہ آپ کے محکمہ کے لئے ضروری ہے۔ اور اُس کے ساتھ ساتھ اس کو بھی نہ بھولئے کہ آپ کو امداد باہمی کا اُصول بھی پیش نظر رکھنا نہایت ہی ضروری ہے۔

مجھے بیرسٹری، مدرسی، پروفیسری اور نظامت تعلیمات کے تجربوں نے یہ بتلایا ہے کہ آپ بہت ہی ذمہ داری کی خدمت انجام دے رہے ہیں اگر آپ نے اپنے عیوب پر غور نہیں کیا، اور اُن کے دور کرنے کی تدابیر اختیار نہ کیں تو اندیشہ ہے کہ عیوب، زہریلے اثرات سے آنے والی نسلیں متاثر ہو جائیں گی۔ مدرس تو وہ ہے جو دنیا کا نقشہ بدلنے کی قوت رکھتا ہے۔ میں اُس دن کا منتظر ہوں، جب کہ یہ ہندوستان کی سب سے

بڑی ریاست اقتصادی معاشرتی اور تعلیمی حیثیت سے بھی سب پر سبقت

یور اکسلنسی آپ کا شکریہ ادا کرنے میں میری زبان [illegible] نہیں کرتی، میں نواب دلی الدولہ بہادر کا بھی شکریہ ادا کرنے سے قاصر ہوں جنہوں نے میرے ہاتھ پھیلانے پر، انجمن ترقی اردو کو آج پانچسو روپے کا گرانقدر عطیہ عنایت فرمایا، آنجناب صاحب ممدوح نے ہمیشہ مجھ پر نظر عنایت رکھی، اور ہمیشہ مجھ سے نہایت ہی اخلاق سے ملتے رہے۔

میں پھر **یور اکسلنسی** کا شکریہ ادا کرتا ہوں جو کہ ایک مکمل "جنٹلمین" کا نمونہ ہیں، دنیائے ادب میں شاد کے نام سے مشہور ہیں، اور یہاں ایک جلیل القدر خدمت سے ممتاز ہیں۔ میری دعا ہے کہ خدائے تعالیٰ یور اکسلنسی کو شاد و آباد رکھے۔

آخر میں میری یہ دعا ہے کہ خدائے ذوالجلال ہمارے **اعلیحضرت** بندگانعالی کی عمر و اقبال میں ترقی دے، اور تا ابد اُن کا ملک سرسبز اور شاداب اور اُن کی رعایا خوش و خرم رہے۔

اس کے خاتمہ پر مسٹر شاکر اس نے عالیجناب سر مہاراجہ ہیین السلطنت بہادر کا بہت بہت شکریہ ادا کیا اور سب مہمان چاء نوشی میں مصروف ہو گئے اور اراکین تعلیمات اپنے اپنے [illegible] محو گفتگو ہوتے گئے۔

اطلاع

رسالہ المعلم کا آغاز تعلیمی سال کے لحاظ سے کیا گیا تھا لیکن اب المعلم کا حلقہ اشاعت بہت وسیع ہو چکا ہے۔ روز بروز اس کے ہر قسم کے خریداروں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے تعلیمی اور سن سال کے اختلاف کی وجہ سے حسابی پیچیدگیاں بڑھتی جا رہی ہیں ایک عرصہ سے ہمیں فکر تھی ہم اپنا سال بھی آذر ہی سے شروع کریں لیکن کوئی مناسب موقع ہاتھ نہ آتا تھا۔ اب "مسعود نمبر" کی اشاعت پر جلد چہارم اختتام کو پہنچ چکی ہے اور اس کے بعد نیا سال شروع ہوتا ہے۔

تمام خریداروں کی خدمت [illegible] کے معاوضہ میں پورے سال کے بارہ پرچے پہنچ چکے ہیں [illegible] ان کا کوئی چندہ المعلم کے ذمہ باقی نہیں رہتا اس لئے المعلم کا جدید سال آذر ۱۳۳۸ف سے شروع کیا جائے گا اور انشاء اللہ تعالیٰ جلد پنجم کا پہلا نمبر آئندہ آذر میں ہدیۂ ناظرین کرام ہوگا فقط

مدیر

چارمینار حیدرآباد
اعظم پریس

المعلم حلیدا
۳۷۰ ک ۵
آخری درج شدہ تاریخ پر یہ کتاب مستعار
لی گئی تھی مقررہ مدت سے زیادہ رکھنے کی
صورت میں ایک آنہ یومیہ دیرانہ لیا جائے گا۔
۴/۵/۳۳